بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

كِتَابُ الصَّلاةِ

نماز کے احکام ومسائل

۱ : بَابُ الْمَوَاقِيْتِ — نماز کے اوقات کا بیان

۱۵۲-۱۵۰ :عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہما ، أَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ ﷺ قَالَ " وَقْتُ الظُّهْرِ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ ,وَكَانَ ظِلُّ الرَّجُلِ كَطُولِهِ مَا لَمْ يَحْضُرِ الْعَصْرُ ,وَوَقْتُ الْعَصْرِ مَا لَمْ تَصْفَرَّ الشَّمْسُ ,وَوَقْتُ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ مَا لَمْ يَغِبِ الشَّفَقُ ,وَوَقْتُ صَلَاةِ الْعِشَاءِ إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ الْأَوْسَطِ ,وَوَقْتُ صَلَاةِ الصُّبْحِ مِنْ طُلُوعِ الْفَجْرِ مَا لَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ " رَوَاهُ مُسْلِم وَلَهُ مِنْ حَدِيثِ بُرَيْدَةَ فِي الْعَصْرِ " وَالشَّمْسُ بَيْضَاءُ نَقِيَّةٌ" وَمِنْ حَدِيثِ أَبِي مُوسَى " وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ "

مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب اوقات الصلوات الخمس: ۶۱۲، ابوداود: ۳۹۵ ، ۳۹۶، ابن حبان: ۴/ ۳۳۷، ۳۳۸، احمد: ۲/ ۲۱۰، الحاکم: ۱/ ۳۰۶، النسائی: ۱/ ۲۶۳، ابن خزیمة: ۱/ ۱۶۸، ابو یعلیٰ: ۷/ ۶۷، الدارقطنی: ۱/ ۲۶۲

تنبیہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی اس روایت کا مرکزی راوی قتادہ ہے، قتادہ سے یہ روایت معاذ بن ہشام ان نبی ﷺ سے شروع کرتے ہیں اور ھمام ان رسول اللہ ﷺ سے شروع کرتے ہیں، مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے آغاز معاذ کے الفاظ سے کیا ہے اور باقی تمام الفاظ وہ نقل کیے ہیں جو ھمام نقل کرتے ہیں۔

۱۵۲-۱۵۰: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: " ظہر کی نماز کا وقت زوال آفتاب سے لے کر آغاز عصر تک (یعنی) ظہر کا وقت اس تک رہتا ہے، جس وقت ہر آدمی کا سایہ اس کے قد کے برابر ہو جاتا ہے، اور عصر کا وقت مثل سایہ سے لیکر سورج کے زرد ہونے سے پہلے تک رہتا ہے، اور مغرب کا وقت غروب آفتاب سے لیکر سرخی غائب ہونے تک رہتا ہے، اور عشاء کی نماز کا وقت درمیانی شب کے نصف تک رہتا ہے، اور فجر کا وقت طلوع فجر سے لیکر طلوع شمس سے قبل تک رہتا ہے۔" مسلم ہی کی ایک دوسری روایت میں جو حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے وقت عصر کے بارے میں مروی ہے، اس طرح ہے کہ "جب تک سورج اچھی طرح سفید رہے" اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے "جب تک سورج بلند ہو"

لغوی تحقیق: صلاۃ :اس کے لغوی معنی دعا کے ہیں جبکہ شریعت اسلامیہ میں صلاۃ سے مراد عبادت کا وہ مخصوص طریقہ ہے جس کی تعلیم رسول اللہ ﷺ نے نظری اور عملی طور پر دی ہے۔ المواقیت: میقات کی جمع ہے یعنی وہ متعین وقت جو کسی کام کے لیے مقرر کیا گیا ہو وہ وعدہ جس کے لیے کسی وقت کا تعین کیا گیا ہو، وہ جگہ جہاں پہنچ کر کچھ کرنا ہو۔ ظل: کسی رکاوٹ کی وجہ سے شعاؤں کی روشنی کا منقطع ہونا یعنی سایہ۔ تصفر : صفر سے ماخوذ ہے یعنی زرد ہونا۔ الشفق: شین اور فاء مفتوح، سرخی جو غرب آفتاب کے بعد آسمان پر نمودار ہوتی ہے۔

تشریح: اس حدیث میں نماز پنجگانہ کے اوقات اول تا آخر بیان کیے گئے ہیں۔ اوقات نماز خمسہ کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے علاوہ حضرت بریدہ، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت جابر، حضرت ابومسعود انصاری، حضرت ابوہریرۃ، حضرت انس اور حضرت

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث مروی ہیں اور نماز عصر کے وقت کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت ابو مسعود انصاری اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم سے منقول روایت میں نماز کی اس تعلیم کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعہ رحمت عالم ﷺ کو دی، جبریل علیہ السلام نے یہ تعلیم با قاعدہ امامت کے ذریعے منتقل کی اور اس کا آغاز نماز ظہر سے کیا، پہلے دن ظہر کی نماز سورج ڈھلتے ہی، عصر کی نماز مثل سایہ، مغرب، غروب آفتاب کے ساتھ ہی، عشاء غروب شفق پر اور فجر خوب اندھیرے میں پڑھائی، دوسرے روز ظہر مثل سایہ پر، عصر کی اس وقت پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ اس کے قد سے دگنا ہو گیا، مغرب غروب شفق پر، عشاء نصف رات گزارنے پر اور فجر خوب روشنی میں پڑھائی۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ ایک شخص نے رحمت عالم ﷺ سے اوقات نماز کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے اسے اوقات نماز سے عملی طور پر آگاہ فرمایا، اس وقت آپ ﷺ نے عملی ترتیب کا آغاز نماز فجر سے کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی روایت میں طلوع شمس کے وقت نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے اور اس کی یہ علت بیان کی گئی ہے کہ سورج شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان سے طلوع ہوتا ہے۔

فقہی احکام: (۱) نظری تعلیم کے مقابلے میں عملی تعلیم زیادہ مؤثر ہے۔ (۲) افضل مفضول کی امامت میں نماز پڑھ سکتا ہے۔ (۳) عصر کا آخری وقت سورج کے زرد ہونے سے پہلے تک ہے۔ (۴) عشاء کا آخری وقت نصف شب تک ہے۔ (۵) طلوع سورج کے وقت نماز پڑھنا ممنوع ہے۔ (۶) شیطان چاہتا ہے کہ اس کی عبادت کی جائے۔ (۷) مشرکین کے عمل کی مشابہت بھی ممنوع ہے۔

۱۵۳: **وَعَنْ أَبِي بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُصَلِّي الْعَصْرَ ,ثُمَّ يَرْجِعُ أَحَدُنَا إِلَى رَحْلِهِ فِي أَقْصَى الْمَدِينَةِ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ ,وَكَانَ يَسْتَحِبُّ أَنْ يُؤَخِّرَ مِنَ الْعِشَاءِ ,وَكَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَالْحَدِيثَ بَعْدَهَا ,وَكَانَ يَنْفَتِلُ مِنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ حِينَ يَعْرِفُ الرَّجُلُ جَلِيسَهُ ,وَيَقْرَأُ بِالسِّتِّينَ إِلَى الْمِائَةِ . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.**

البخاری، کتاب مواقیت الصلاۃ، باب وقت العصر: ۵۴۷، صحیح مسلم، کتاب المساجدو مواضع الصلاۃ، باب استحباب التبکیربالصبح: ۶۴۷، الترمذی: ۱۶۸، البیھقی: ۴۵۱/۱، ابو داود: ۳۹۸، النسائی: ۲۶۲/۱

۱۵۳: حضرت ابو برزۃ اسلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عصر کی نماز پڑھتے پھر ہم میں سے کوئی ایک مدینہ کے آخری حصہ میں واقع اپنے گھر پہنچ جاتا، درآنحالیکہ سورج ابھی زندہ ہوتا، اور آپ ﷺ عشاء کی نماز کو تاخیر سے پڑھنا پسند فرماتے، عشاء کی نماز سے قبل سونے کو اور بعد میں باتیں کرنے کو ناپسند فرماتے، اور فجر کی نماز پڑھ کر اس وقت فارغ ہوتے جب آدمی اپنے ساتھی کو شناخت کر لیتا اور آپ ﷺ (نماز فجر میں) ساٹھ سے سو تک آیات تلاوت فرماتے۔

لغوی تحقیق: برزہ: باء مفتوح اور راء ساکن۔ رحلہ: راء مفتوح اور حاء ساکن، یعنی رہائش گاہ۔ اقصی المدینہ: مدینہ کی آخری بستی۔ حیۃ: زندہ یعنی مکمل روشن۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث میں نماز عصر، عشاء اور فجر کی ادائیگی کا پسندیدہ اور افضل ترین وقت بتایا گیا ہے، یعنی آپ ﷺ عصر کی نماز اول وقت میں پڑھ لیا کرتے تھے اور عشاء کی نماز کو تاخیر سے پڑھتے تھے جبکہ فجر کی نماز صبح صادق کے طلوع ہوتے ہی شروع کر دیتے تھے۔

فقہی احکام: (۱) فجر اور عصر اول وقت میں پڑھنا افضل ہے۔ (۲) نماز عشاء آخری وقت میں پڑھنا افضل ہے۔ (۳) عشاء کی نماز سے پہلے سونے اور بعد میں باتیں کرنا ناپسندیدہ عمل ہے۔ (۴) نماز با جماعت ادا کرنے کے لیے دور دراز سے مساجد کی طرف آنا افضل ترین عمل ہے۔ (۵) فجر کی نماز میں تلاوت زیادہ کی جائے۔

۱۵۴: وَعِنْدَهُمَا مِنْ حَدِيثِ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ وَالْعِشَاءَ أَحْيَانًا وَأَحْيَانًا إِذَا رَآهُمُ اجْتَمَعُوا عَجَّلَ ,وَإِذَا رَآهُمْ أَبْطَئُوا أَخَّرَ , وَالصُّبْحَ كَانَ اَلنَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يُصَلِّيهَا بِغَلَسٍ.

البخاری، کتاب مواقیت الصلاۃ، باب وقت المغرب: ۵۶۰ - ۵۶۵، مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، باب استحباب التبکیر بالصبح: ۶۴۶، ابوداود: ۳۹۷، النسائی: ۲۶۴/۱، احمد: ۳۶۹/۳، البیھقی: ۴۵۱/۱

۱۵۴: بخاری اور مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز کبھی جلدی پڑھ لیتے تھے اور کبھی دیر سے (تفصیل اس طرح ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب دیکھتے کہ صحابہ جمع ہو گئے ہیں تو جلدی پڑھ لیتے اور جب دیکھتے کہ صحابہ کے جمع ہونے میں دیر ہے تو پھر نماز کو مؤخر کر دیتے اور صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھ لیا کرتے تھے۔

لغوی تحقیق: غلس: غین اور لام مفتوح، رات کے آخری حصے کی تاریکی۔

تشریح: اس حدیث سے صحابہ کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشفقانہ رویے کا اظہار ہوتا ہے، اندازہ لگائیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے صحابہ کی فوز و فلاح کی کتنی فکر تھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب دیکھتے کہ نمازی جمع ہو گئے ہیں تو عشاء کی نماز جلدی پڑھا دیتے تاکہ صحابہ نماز پڑھ کر آرام کر سکیں اور جب آپ دیکھتے کہ صحابہ اپنے کام کاج میں مشغولیت کی وجہ سے مسجد میں نہیں پہنچ پائے، تو جماعت میں تاخیر کر دیتے تاکہ وہ بھی نماز باجماعت کا ثواب حاصل کر لیں۔

فقہی احکام: (۱) راہنما کو مشفقانہ رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ (۲) مستقل نمازیوں کا انتظار کرنا مسنون ہے۔
(۳) فجر کی نماز صبح صادق کے طلوع ہوتے ہی شروع کر دینی چاہیے۔

۱۵۵: وَلِمُسْلِمٍ مِنْ حَدِيثِ أَبِي مُوسَى رضی اللہ عنہ فَأَقَامَ اَلْفَجْرَ حِينَ اِنْشَقَّ اَلْفَجْرُ ,وَالنَّاسُ لَا يَكَادُ يَعْرِفُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا.

مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، باب اوقات الصلوات الخمس: ۶۱۴، مسنداحمد: ۴۱۶/۴، ابوداود: ۳۹۵

۱۵۵: صحیح مسلم میں حضرت ابوموسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز فجر طلوع ہوتے ہی شروع فرما دیتے، یہاں تک صحابہ ایک دوسرے کو پہچان نہیں سکتے تھے۔

لغوی تحقیق: انشق: اس کا مادہ شق ہے، یعنی پھٹنا۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث میں نماز فجر کا اول وقت بتایا گیا ہے، اسی مضمون کی احادیث حضرت ابو برزہ، حضرت زید بن ثابت، حضرت سھل بن سعد، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابومسعود انصاری، حضرت عائشہ اور حضرت قیلہ بنت مخرمہ رضی اللہ عنہم سے بھی منقول ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں ہے کہ مؤمن خواتین بڑی بڑی چادروں میں ملبوس ہو کر نماز فجر میں شریک ہوتیں اور جب وہ نماز فجر پڑھ کر اپنے گھروں کی طرف واپس ہوتیں تو اندھیرے کی وجہ سے پہچانی نہ جاتی تھیں۔ حضرت قیلہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فجر کی نماز فجر طلوع ہوتے ہی ستاروں کے جھرمٹ میں شروع کروا دی، اندھیرے کی وجہ سے نہ خواتین ایک دوسری کو پہچان سکتی تھیں اور نہ مرد حضرات ایک دوسرے کو شناخت کر سکتے تھے۔ (یہ روایت دحیہ اور صفیۃ کی وجہ سے ضعیف ہے) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما فجر کی نماز اندھیرے میں شروع کر دیتے تھے، لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نماز فجر میں نیزہ مارا گیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بعد میں صبح کی نماز روشنی میں پڑھانا شروع کر دی۔ حضرت سھل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے گھر والوں کے ساتھ سحری کر کے جلدی جلدی مسجد پہنچتا تاکہ

میں آپ ﷺ کی اقتداء میں نماز فجر ادا کر سکوں۔حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ اختتام سحری اور آغاز نماز فجر کے درمیان تقریباً اتنا وقفہ فرماتے جس میں پچاس سے ساٹھ آیات تلاوت کی جا سکتی تھیں۔

فقہی احکام: (۱) فجر کی نماز رمضان اور غیر رمضان میں اندھیرے ہی میں شروع کر دینی چاہیے۔

(۲) اختتام سحری اور آغاز نماز فجر میں نہایت مختصر وقفہ ہونا چاہیے۔

۱۵۶: وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كُنَّا نُصَلِّي الْمَغْرِبَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَيَنْصَرِفُ أَحَدُنَا وَإِنَّهُ لَيُبْصِرُ مَوَاقِعَ نَبْلِهِ . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب مواقیت الصلاة ، باب وقت المغرب: ۵۵۹، مسلم، کتاب المساجدو مواضع الصلاة، باب بیان ان اول وقت المغرب: ۶۳۷، الترمذی: ۱۶۴، المعجم الاوسط للطبرانی: ۵۵۲۶، مسند الشافعی: ۱۵۶، البیهقی: ۱/۳۷۰(۱۷۲۹)، ابوداود: ۴۱۶

تنبیہ: شیخ خالد بن ضیف اللہ الشلاحی نے اس روایت کو علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی طرف بھی منسوب کیا ہے مگر راقم کو یہ روایت مسند علی رضی اللہ عنہ میں نہیں ملی۔

۱۵۶: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی اقتدا میں نماز مغرب پڑھتے ، پھر ہم واپس ہوتے اور تیر کے گرنے کے مقامات کو دیکھ لیتے۔

لغوی تحقیق: مواقع: میم مفتوح، موقع کی جمع یعنی مقامات۔ نبل: نون مفتوح اور یاء ساکن یعنی تیر۔

تشریح: اس مضمون کی احادیث حضرت سلمہ بن اکوع ،حضرت جابر، حضرت کعب بن مالک ،حضرت انس اور حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔

فقہی احکام: نماز مغرب میں بلا عذر شرعی تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔

۱۵۷: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ أَعْتَمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ذَاتَ لَيْلَةٍ بِالْعَشَاءِ ,حَتَّى ذَهَبَ عَامَّةُ اللَّيْلِ ,ثُمَّ خَرَجَ ,فَصَلَّى, وَقَالَ "إِنَّهُ لَوَقْتُهَا لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي" رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، کتاب المساجدو مواضع الصلاة، باب وقت العشاء: ۶۳۸۔۶۴۰، البخاری: ۵۷۲، النسائی: ۱/۲۶۷

۱۵۷: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک شب نبی مکرم ﷺ نے نماز عشاء میں اس قدر تاخیر فرمائی کہ رات کا بڑا حصہ بیت گیا، پھر آپ ﷺ نماز کے لیے نکلے اور نماز پڑھی، پھر فرمایا:" نماز کا وقت تو یہی ہے، اگر میں اسے اپنی امت پر بوجھ خیال نہ کروں۔" اسے مسلم نے بیان کیا ہے۔

لغوی تحقیق: اعتم: باب افعال ہونے کی وجہ سے ہمزہ مفتوح اور عین ساکن ہے۔رات کے اول تیسرے حصہ کا اختتام، یا نماز عشاء میں تاخیر فرمائی۔عامة اللیل: رات کا بڑا حصہ۔ اشق : شق سے ماخوذ ہے، بوجھ محسوس کرنا۔

تشریح: اس حدیث سے واضح ہوا کہ نماز عشاء کی ادائیگی کا افضل وقت ایک تہائی رات گزرنے پر ہے زیادہ تر صحابہ چونکہ دن بھر محنت ومشقت کرتے رہتے تھے،اس لیے آپ ﷺ نے ان کی سہولت اور رعایت کی خاطر اس وقت کو نماز عشاء کے لیے لازم قرار نہیں دیا۔اسی مضمون کی احادیث حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت انس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔

فقہی احکام: (۱) نماز عشاء کا افضل وقت ایک تہائی رات گزرنے پر ہے۔(۲) رحمت عالم ﷺ ایمان والوں پر بہت زیادہ مشفق و

مہربان تھے۔(۳)عصر حاضر میں جولوگ زیادہ تر رات گئے جاگتے ہیں انہیں ایک تہائی رات گزرنے پر ہی نماز پڑھنی چاہیے۔

۱۵۸: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اَللَّهِ ﷺ "إِذَا اِشْتَدَّ اَلْحَرُّ فَأَبْرِدُوا بِالصَّلَاةِ ,فَإِنَّ شِدَّةَ اَلْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب مواقیت الصلاة، باب الابراد بالظهر فی شدة الحر: ۵۳۶ ، ۵۳۷، مسلم،کتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب استحباب الابراد بالظهر فی شدة الحر: ۶۱۵، ابو داود: ۴۰۱، ۴۰۲، مسنداحمد: ۲۳۸/۲، ابن ماجة: ۶۷۷، ۶۸۰، ۶۸۱، البیهقی: ۲۰۹۴

تنبیہ: مؤلف رحمہ اللہ نے حدیث کا آغاز "قال قال رسول الله " سے کیا ہے جبکہ صحیح مسلم میں" انه قال ان رسول الله قال" دوسرے طریق میں ہے"یقول قال رسول الله"اور صحیح بخاری میں "عن النبی قال" ہے۔

۱۵۸: حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " جب سخت گرمی پڑھ رہی ہوتو نماز (ظہر) کو ٹھنڈا کر کے پڑھو، کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کے سانس کی وجہ سے ہے۔"

لغوی تحقیق: ابردوا: باب افعال ہونے کی وجہ سے ہمزہ مفتوح اور باء ساکن، ٹھنڈا کرو یعنی ٹھنڈے وقت میں نماز ادا کرو۔

الصلاۃ: اس سے مراد نماز ظہر ہے۔ فیح: فاء مفتوح اور یاء ساکن، اس کے لغوی معنی پھیلاؤ کے ہیں یعنی جہنم کا بھڑکاؤ جب تیز ہوتا ہے، تب آتش جہنم کے سائے پھیل جاتے ہیں اور دنیاوی موسم میں گرمی کی شدت پیدا ہو جاتی ہے۔

تشریح: حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی مفصل طریق میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ جہنم نے اپنے رب سے اپنی گرمی کی شدت کا ذکر کرتے ہوئے عرض کیا اے میرے رب! میرے بعض حصے بعض کو کھا رہے ہیں۔اس پر اللہ تعالیٰ نے اسے دو سانس لینے کی اجازت دی، ایک سانس موسم سرما میں اور ایک موسم گرما میں، پھر آپ ﷺ نے فرمایا " تم گرمی اور سردی کی شدت جہنم کے سانس لینے کی وجہ سے محسوس کرتے ہو۔ "

امام ابن کثیر نے مسند فاروق میں بھی یہ روایت انہیں الفاظ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے لیکن وہ روایت محمد بن الحسن المخزومی کی وجہ سے موضوع کے قریب تر ہے۔حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ یہ حدیث حضرت ابو سعید، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابوذر اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں نماز ظہر کی باقاعدہ صراحت ہے۔حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں یہ صراحت بھی ہے کہ نماز ظہر میں اس قدر تاخیر فرماتے کہ ٹیلے بھی سایہ دینے لگتے۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ ظہر کی نماز گرمی میں اس وقت شروع فرماتے جب سایہ تین سے پانچ قدم تک ہو جاتا یعنی جب ہر چیز کا سایہ نصف قد کے برابر ہو جاتا۔

فقہی احکام: موسم گرما میں ظہر کی نماز قدرِ تاخیر سے پڑھنی چاہیے۔

۱۵۹: وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اَللَّهِ ﷺ " أَصْبِحُوا بِالصُّبْحِ فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِأُجُورِكُمْ " رَوَاهُ اَلْخَمْسَةُ ,وَصَحَّحَهُ اَلتِّرْمِذِيُّ ,وَابْنُ حِبَّانَ.

ابو داود، کتاب الصلاة، باب وقت الصبح: ۴۲۴ ، الترمذی: ۱۵۴ ، النسائی: ۲۷۲/۱، احمد: ۴۶۵/۳،ابن ماجة: ۶۷۲، ابن حبان: ۱۴۸۹ ، بیان الوهم والایهام: ۳۳۴/۵، المطالب العالیة: ۲۶۸، البزار: ۱۹۷ ، ۱۹۸، الطبرانی: ۱۷۸/۱۰ ، ۲۴۹/۴،

شرح معانی الآثار: ۱/۱۷۹، المعجم الاوسط: ۹۲۸۵

۱۵۹: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " فجر کی نماز صبح کے اچھی طرح نمودار ہونے پر پڑھو، کیونکہ اس سے تمہارے ثواب میں اضافہ ہوگا"۔" اسے خمسہ (مسند احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) نے بیان کیا ہے، امام ترمذی اور امام ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔

لغوی تحقیق: اصبحوا: خوب اچھی طرح صبح ہونے دو۔

تشریح: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث متعدد طرق سے مختلف الفاظ سے مروی ہے، محمد بن اسحاق کے طریق سے مروی روایت میں اصبحوا کی جگہ اسفروا ہے، ان دونوں الفاظ کا مفہوم ایک ہی ہے۔ امام ابوداود الطیالسی نے اپنی سند سے یہ روایت ان الفاظ سے نقل کی ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے کہا کہ صبح کی نماز کے لیے روشنی کے نمودار ہونے کا اس قدر انتظار کرو کہ قوم اپنے تیروں کے گرنے کی جگہ دیکھ سکے۔ اس روایت میں مذکور امام الطیالسی کے شیخ ابوابراہیم کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کہ یہ کون ہیں؟ لہٰذا جب تک ابوابراہیم کا ثقہ ہونا ثابت نہ ہو جائے اس وقت اس روایت کو بطور حجت نقل کرنا درست نہیں۔

رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کے علاوہ یہ روایت حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابو ہریرۃ، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت انس، حضرت بلال اور حواء بنت زید رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز روشنی میں پڑھا کرتے تھے یہ روایت عبدالعزیز بن ابان کی وجہ سے موضوع کے قریب تر ہے۔ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ میری امت اس وقت تک فطرت پر رہے گی جب تک وہ فجر کی نماز کو روشنی میں ادا کرتی رہے گی۔ یہ روایت حفص بن سلیمان کی وجہ سے سخت ترین ضعیف ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت انس، حضرت بلال، حضرت حواء بنت زید رضی اللہ عنہم سے مروی روایات کے الفاظ وہی ہیں جو حضرت رافع رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کے ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی روایت معلیٰ بن عبدالرحمٰن الواسطی اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت یزید بن عبدالملک کی وجہ سے ضعیف ہے جبکہ حواء بنت زید رضی اللہ عنہا سے مروی روایت اسحاق بن ابراہیم کی وجہ سے ضعیف ہے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے مروی روایت ایوب بن یسار کی وجہ سے ضعیف ہے اس تفصیل سے واضح ہوا کہ اس مسئلہ میں صحیح روایت فقط حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اسے ترمذی اور ابن حبان کے علاوہ امام ابن قطان نے بھی صحیح کہا ہے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق کا کہنا ہے کہ اسفار سے مراد فجر کی نماز کو دیر سے پڑھنا نہیں بلکہ طلوع فجر کا یقینی ہونا ہے۔ امام ابن حبان کا بھی یہی کہنا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ نماز کا آغاز تو اندھیرے میں کیا جائے لیکن تلاوت اس قدر زیادہ کی جائے کہ سلام پھیرنے کے وقت خوب روشنی ہو جائے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ وہ فجر کی نماز میں سورہ یوسف تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ ان بیانات سے واضح ہوا کہ فجر کی نماز کا آغاز صبح صادق نمودار ہوتے ہی کر دینا چاہیے۔

فقہی احکام: (۱) فجر کی نماز اس وقت شروع کی جائے جب طلوع فجر کا یقین ہو جائے۔ (۲) فجر میں تلاوت زیادہ کی جائے۔

۱۶۰: **وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ " مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الصُّبْحِ رَكْعَةً قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَ الصُّبْحَ ,وَمَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَ الْعَصْرَ " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.**

البخاری، کتاب مواقیت الصلاۃ، باب من ادرک من الفجر رکعۃ: ۵۷۹، مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، باب من

ادرک رکعة من الصلاة فقد ادرک تلک الصلاة:۶۰۸، احمد: ۲/۲۵۴، الترمذی: ۱۸۶

۱۶۰: حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بلاشبہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا:" جس نے طلوع آفتاب سے قبل فجر کی ایک رکعت پڑھ لی، اس نے صبح کی نماز پالی اور جس نے عصر کی ایک رکعت غروب آفتاب سے قبل پڑھ لی اس نے عصر کی نماز پالی۔"(بخاری ومسلم)

تشریح: طلوع اور غروب آفتاب کے عین وقت نماز شروع کرنی منع ہے، البتہ اگر کسی شخص کو یہ یقین ہو کہ وہ طلوع اور غروب آفتاب سے قبل ایک رکعت نہایت تسلی سے پڑھ سکتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ نماز شروع کردے۔

فقہی احکام: (۱) نماز اگر طلوع یا غروب آفتاب سے پہلے شروع کی گئی ہو تو پھر بقیہ رکعت یا رکعات عین طلوع وغروب کے وقت بھی پڑھی جاسکتی ہیں۔(۲) عصر کی نماز کو ہمیشہ زیادہ دیر سے پڑھنا نفاق کی علامت ہے۔ البتہ کبھی کبھار ایسا ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

۱۶۱:وَلِمُسْلِمٍ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا نَحْوَهُ ,وَقَالَ "سَجْدَةً" بَدَلَ "رَكْعَةً" ثُمَّ قَالَ " وَالسَّجْدَةُ إِنَّمَا هِيَ الرَّكْعَةُ "

مسلم،کتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب من ادرک رکعة من الصلاة فقد ادرک تلک الصلاة: ۶۰۹، ابن حبان: ۱۵۸۴، ابن ماجة: ۷۰۰، احمد: ۴/۷۸

تنبیہ: صحیح مسلم میں "ثم قال" نہیں ہے فقط" السجدة انما هی الرکعة" کے الفاظ ہیں۔

۱۶۱: مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت بھی اسی طرح ہے، البتہ اس میں ہے کہ آپ ﷺ نے لفظ **رکعة** کہ جگہ لفظ **سجدة** فرمایا ہے، پھر انہوں نے کہا کہ سجدہ سے مراد رکعت ہی ہے۔

تشریح: اس روایت کے آخر میں مذکور **"ثم قال"** کے قائل یا تو رسول اللہ ﷺ ہیں یا پھر حدیث کا کوئی راوی ہے، اگر آپ ﷺ ہیں تو پھر اس میں کسی قسم کا کوئی اشکال نہیں اور اگر راوی ہے تو پھر بھی معتبر ہے کیونکہ راوی اپنی بیان کردہ روایت کے پس منظر سے واقف ہوتا ہے۔

۱۶۲: وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ اَلْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتَ رَسُولَ اَللَّهِ ﷺ يَقُولُ " لَا صَلَاةَ بَعْدَ اَلصُّبْحِ حَتَّى تَطْلُعَ اَلشَّمْسُ وَلَا صَلَاةَ بَعْدَ اَلْعَصْرِ حَتَّى تَغِيبَ اَلشَّمْسُ " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَلَفْظُ مُسْلِمٍ " لَا صَلَاةَ بَعْدَ صَلَاةِ اَلْفَجْرِ "

البخاری، کتاب المواقیت الصلاة، باب لا یتحری الصلاة قبل غروب الشمس: ۵۸۶، صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرین و قصرها، باب الاوقات التی نهی عن الصلاة فیها: ۸۲۷، مسنداحمد: ۳/۹۵، الترمذی: ۴۲۰، الارواء: ۴۷۸، ابوداود: ۱۲۷۶، البیهقی: ۳/۴۹۵، المعجم الاوسط: ۱۸۳، ۱۵۴۴

تنبیہ: یہ روایت بھی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے صحیحین سے بالمعنیٰ نقل کی ہے۔

۱۶۲: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ " صبح کی نماز کے بعد اور طلوع آفتاب سے پہلے کوئی نماز نہیں، اور نہ عصر کی نماز کے بعد اور غروب آفتاب سے قبل کوئی نماز ہے۔" (بخاری ومسلم) صحیح مسلم میں " فجر کی نماز کے بعد کوئی نماز نہیں۔" کے الفاظ ہیں۔

تشریح: اس حدیث سے بظاہر یہی ثابت ہو رہا ہے کہ فجر اور عصر کی نماز کے بعد ہر قسم کی نماز ممنوع ہے جبکہ حقیقتاً ایسا نہیں ہے کیونکہ آپ ﷺ سے ظہر کی دو نفلی رکعات نماز عصر کے بعد ثابت ہیں اسی طرح آپ ﷺ نے فجر کی نماز کے بعد فجر کی دو رکعات پڑھنے کی اجازت فرمائی ہے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: " فجر کی نماز کے بعد فجر کی دو رکعات کے

علاوہ کوئی اور نماز پڑھنے کی اجازت نہیں۔" امام ترمذی فرماتے ہیں کہ فجر کی ان دو رکعات کا فجر کی نماز کے بعد پڑھنے کی رخصت پر اہل علم کا اجماع ہے۔اسی مفہوم کی روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی منقول ہے۔

فقہی احکام: (۱) فجر اور عصر کی نماز کے بعد نفلی نماز پڑھنا درست نہیں۔(۲) فجر کی دو رکعات فجر کی نماز کے بعد پڑھی جاسکتی ہیں۔

۱۶۳:وَلَهُ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رضی اللہ عنہ ثَلَاثُ سَاعَاتٍ كَانَ رَسُولُ اَللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَنْهَانَا أَنْ نُصَلِّي فِيهِنَّ ,وَأَنْ نَقْبُرَ فِيهِنَّ مَوْتَانَا حِينَ تَطْلُعُ اَلشَّمْسُ بَازِغَةً حَتَّى تَرْتَفِعَ ,وَحِينَ يَقُومُ قَائِمُ اَلظَّهِيرَةِ حَتَّى تَزُولَ اَلشَّمْسُ ,وَحِينَ تَتَضَيَّفُ اَلشَّمْسُ لِلْغُرُوبِ.

مسلم، كتاب صلاة المسافرين و قصرها، باب الاوقات التی نهی عن الصلاة فيها: ۱۸۳۱، البخاری: ۵۸۱،النسائی: ۲۷۶/۱، مسند احمد: ۱۵۲/۴

تنبیہ: صحیح مسلم میں اس روایت کے آخر میں "حتى تغرب " کے الفاظ ہیں لیکن بلوغ المرام کے مطبوعہ نسخوں میں یہ الفاظ نہیں ہیں،معلوم ہوتا ہے کہ تسامح کسی نساخ سے ہوا ہے

۱۶۳: صحیح مسلم میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ تین اوقات ایسے ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھنے اور مُردوں کو دفنانے سے منع فرمایا۔طلوع آفتاب کے آغاز سے لے کر سورج کے بلند ہونے تک، دوپہر کے وقت جب سورج ڈھل نہ جائے اور جب سورج غروب ہو رہا ہوتا وقتیکہ وہ اچھی طرح غروب نہ ہوجائے

لغوی تحقیق: نقبر : قبر سے ماخوذ ہےاور بروزن نصر ینصر ہےیعنی ہم دفن کریں۔ موتانا : مردے۔ بازغة: چمکنا۔ الظهيرة: نصف النہار کا وقت۔ تتضيف : ضيف سے مشتق ہے یعنی مائل ہونا، ڈھل جانا وغیرہ۔

تشریح: سورج کے طلوع اور غروب کے وقت نماز کی ممانعت تو حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عمر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت ابو ہریرۃ، حضرت معاویہ، حضرت ابو بصرۃ غفاری اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے مروی احادیث سے بھی ثابت ہے۔ حضرت عمرو بن عبسہ سلمی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ان تینوں اوقات میں نماز پڑھنے کی ممانعت کے ساتھ اس وقت نماز نہ پڑھنے کی علت بھی مذکور ہے، یعنی طلوع اور غروب آفتاب کے وقت نماز پڑھنے سے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ اس وقت سورج کی پرستش کرنے والے سورج کی عبادت کرتے ہیں جبکہ سورج شیطان کے سینگوں کے درمیان سے طلوع وغروب ہوتا ہے۔نصف النہار کے وقت نماز پڑھنے سے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ اس وقت جہنم کو گرم کیا جاتا ہے۔

فقہی احکام: (۱) مشرکین طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کے وقت سورج کی عبادت کرتے ہیں۔(۲) شیطان مشرکین اور سورج کے درمیان کھڑا ہو جاتا ہے تا کہ اس کی بھی عبادت کی جاسکے۔(۳) کفار کی مشابہت ممنوع ہے۔(۴) نصف النہار کے وقت جہنم گرم کی جاتی ہے اس لیے اس وقت نماز پڑھنا بھی ممنوع ہے۔

۱۶۴: وَالْحُكْمُ اَلثَّانِي عِنْدَ "اَلشَّافِعِيِّ" مِنْ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ بِسَنَدٍ ضَعِيفٍ وَزَادَ " إِلَّا يَوْمَ اَلْجُمُعَةِ "

مسند الشافعی: ۶۳/۱، المطالب العالية: ۳۰۰، السنن الكبری للبيهقی: ۴۶۴/۲

۱۶۴: امام شافعی نے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے ضعیف سند سے ایک روایت نقل کی ہے جس میں جمعہ کے دن کی استثنا ہے (یعنی جمعہ کے دن زوال نہیں ہوتا)

تشریح: مؤلف رحمہ اللہ نے امام شافعی سے مروی روایت کو ضعیف اس لیے قرار دیا ہے کہ اس روایت کا مرکزی راوی ابراہیم بن محمد

ہے۔اسے امام مالک، امام یحییٰ بن سعید القطان اور امام یحییٰ بن معین نے جھوٹا قرار دیا ہے، اسی مضمون کی ایک روایت حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے جسے مؤلف رحمہ اللہ نے **مطالب العالیہ** میں الحارث بغیہ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔اس روایت کا مرکزی راوی محمد بن عمر الواقدی ہے جس کی وجہ سے یہ روایت سابقہ روایت کی طرح ضعیف ترین ہے۔امام بیہقی نے بھی حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے یہی روایت نقل کی ہے مگر وہ روایت بھی رواۃ کے مجہول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

۱۶۵: وَكَذَا لِأَبِي دَاوُدَ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ رضی اللہ عنہ نَحْوُهُ .

ابو داؤد ، کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ یوم الجمعۃ قبل الزوال: ۱۰۸۳ ، التحقیق لا بن جوزی: ۲۸۵، الطبرانی: ۲۲/۶۰، جامع التحصیل: ۱۹۸

تنبیہ: شیخ خالد بن ضیف اللہ الشلاحی نے واثلہ بن الاسقع سے مروی روایت کو ایوب بن مدرک کی وجہ سے واھی قرار دیا ہے حالانکہ اس روایت کی سند میں ایوب بن مدرک موجود ہی نہیں۔واضح رہے کہ یہ روایت بشر بن عون کی وجہ سے موضوع ہے۔

۱۶۵: اسی مضمون کی ایک روایت ابوداؤد میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔

تشریح: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ جمعہ کے علاوہ دیگر ایام میں نصف النہار کے وقت نماز پڑھنے کو ناپسند فرماتے تھے اور آپ ﷺ نے فرمایا " کہ جمعہ کے روز کے علاوہ دیگر ایام میں نصف النہار کے وقت جہنم گرم کی جاتی ہے۔اس روایت پر اگر چہ مؤلف رحمہ اللہ نے کوئی تبصرہ نہیں کیا تاہم یہ روایت بھی لیث بن ابی سلیم کی وجہ سے ضعیف ہے، جبکہ امام ابوداود نے اس روایت کو منقطع بھی قرار دیا ہے۔کیونکہ ابوالخلیل کا حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں۔

اسی طرح کی ایک روایت، حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے، وہ کہتے ہیں کہ کسی پوچھنے والے نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا وجہ ہے کہ جمعہ کے روز نصف النہار کے وقت اذان دے دی جاتی ہے، حالانکہ خود آپ (ﷺ) نے دیگر ایام میں اس سے منع فرمایا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا " اللہ تعالیٰ ہر روز نصف النہار کے وقت جہنم کو گرم کرتے ہیں، لیکن جمعہ کے روز اس میں کمی کرتے ہیں۔" یہ روایت بشر بن عون کی وجہ سے موضوع کے قریب تر ہے۔امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ بشر بن عون القرشی سے چھ سو روایات پرمبنی ایک کتاب مروی ہے وہ تمام روایات واثلہ بن الاسقع ہی سے منقول ہیں اور وہ سب من گھڑت ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ اس سلسلے میں مروی تمام قولی احادیث ضعیف ہیں۔عملی احادیث میں صحیح سند سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ جمعہ کا آغاز نصف النہار کے وقت ہی کر دیتے تھے۔اس پر تفصیلاً گفتگو **باب الجمعہ** میں ہوگی۔(ان شاءاللہ)

فقہی احکام: جمعہ کے روز نصف النہار کے وقت نماز پڑھی جا سکتی ہے۔

۱۶۶: وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اَللَّهِ ﷺ "يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ ,لَا تَمْنَعُوا أَحَدًا طَافَ بِهَذَا اَلْبَيْتِ وَصَلَّى أَيَّةَ سَاعَةٍ شَاءَ مِنْ لَيْلٍ أَ وْ نَهَارٍ " رَوَاهُ اَلْخَمْسَةُ ,وَصَحَّحَهُ اَلتِّرْمِذِيُّ ,وَابْنُ حِبَّانَ.

ابوداود، کتاب المناسک، باب الطواف بعد العصر: ۱۸۹۴، الترمذی، ابواب الحج، باب ماجاء فی الصلاۃ بعد العصر و بعد المغرب لمن یطوف: ۸۷۵، النسائی: ۱/۲۸۴، ابن ماجۃ: ۱۲۵۴، البیہقی: ۲/۴۶۲، ۳/۵۰۴، مسنداحمد: ۴/۸۰، الحمیدی: ۵۶۱، الدارقطنی: ۱/۴۲۴، ۴۲۵، نصب الرایۃ: ۱/۲۵۴، ابن خزیمۃ: ۱۲۸۰، ابن حبان: ۱۵۵۲، المطالب العالیۃ: ۲۹۳

۱۶۶: حضرت جبیر بن مطعم ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے عبد مناف کی اولاد! بیت اللہ کا طواف کرنے والے اور نماز پڑھنے والے کسی شخص کو مت منع کرو خواہ وہ شب و روز کے کسی حصہ میں پڑھ رہا ہو۔" اسے پانچوں نے بیان کیا ہے، ترمذی اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔

لغوی تحقیق: عبد مناف : مناف ایک معروف بت کا نام ہے، اس بت کی خدمت وعبادت کی وجہ سے وہ عبد مناف کے نام سے معروف ہوا۔

تشریح: اس حدیث سے واضح ہوا کہ بیت اللہ کا طواف کرنا اور وہاں نماز پڑھنا کسی وقت بھی ممنوع نہیں، لیکن آیا یہ خصوصی اجازت صرف رکعات طواف کے لیے ہے، یا ہر قسم کی نفلی عبادت کے لیے ہے؟ اگر ہر قسم کی نفلی عبادات کے لیے ہے تو پھر کیا صرف اسی نفلی عبادت کے لیے ہے جو مسجد حرام میں پڑھی جاتی ہے یا پورے مکہ مکرمہ کے لیے یہی حکم ہے؟ جن حضرات کا یہ خیال ہے کہ پورے مکہ کے لیے یہی حکم ہے، ان کی دلیل حضرت ابوذر ؓ سے مروی حدیث ہے، حضرت ابوذر ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ فجر کی نماز کے بعد کوئی نماز نہیں تاوقتیکہ کہ سورج طلوع ہو جائے اور عصر کی نماز کے بعد بھی کوئی نماز نہیں تاوقتیکہ سورج غروب ہو جائے مگر مکہ مکرمہ اس سے مستثنیٰ ہے۔

علامہ زیلعی اس روایت پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ امام ابن دقیق العید نے اس روایت کو چار علتوں کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے۔ (۱) مجاہد اور حضرت ابوذر ؓ کے درمیان انقطاع ہے۔ (۲) اس کی سند میں اختلاف ہے۔ (۳) عبداللہ بن مؤمل ضعیف ہے۔ (۴) حمید مولیٰ عفراء بھی ضعیف ہے۔

راقم کے نزدیک یہ روایت تین علل کی وجہ سے ضعیف ہے کیونکہ عبداللہ بن مؤمل کا متابع ابراہیم بن طہمان موجود ہے۔ جن اہل علم کا خیال ہے کہ بیت اللہ میں ہر قسم کے نوافل ممنوعہ اوقات میں درست ہیں ان کی دلیل حضرت جبیر بن مطعم ؓ سے مروی یہی حدیث ہے اور یہ حدیث ہر قسم کے غبار سے پاک ہے۔ اور جو حضرات صرف طواف کے بعد کی دو رکعات کے قائل ہیں ان کی دلیل حضرت ابو ہریرۃ ؓ سے مروی حدیث ہے جس میں؛ **من طاف فلیصل** ؛ مذکور ہے یعنی جو طواف کرے اسے نفلی نماز پڑھنے کی اجازت ہے، یہ روایت سعید بن ابی راشد کے مجہول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ لہٰذا اس بارے میں صحیح مؤقف یہی ہے کہ مسجد حرام میں ممنوعہ اوقات میں ہر قسم کی نفلی نمازیں پڑھی جاسکتی ہیں۔ جنازہ بھی پڑھا جاسکتا ہے جیسا کہ حضرت ابوامامہ اور حضرت ابو ہریرۃ ؓ سے ثابت ہے۔

فقہی احکام: (۱) مسجد حرام میں نماز کے لیے کوئی ممنوعہ وقت نہیں اس لیے وہاں ہمہ وقت نمازیں پڑھی جاسکتی ہیں۔
(۲) نماز جنازہ بھی پڑھا جاسکتا ہے۔

۱۶۷: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ ؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ " اَلشَّفَقُ الْحُمْرَةُ " رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَصَحَّحَ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَغَيْرُهُ وَقْفَهُ .

الدارقطنی: ۲۶۹/۱، معرفة السنن والآثار للبیهقی: ۴۰۹/۱ ، ابن خزیمة: ۱۸۳/۱

تنبیہ: (۱) مؤلف ؒ نے اس روایت کا آغاز "ان النبی ﷺ" سے کیا ہے جبکہ مطبوعہ دار قطنی کے نسخہ میں "قال قال رسول الله ﷺ" ہے۔ (۲) ابن خزیمۃ سے حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے مروی حدیث مجھے نہیں ملی۔ البتہ حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ سے مروی حدیث ہے۔ (۳) شیخ صفی الرحمان مبارکپوری کی تحقیق سے شائع ہونے والے نسخہ میں صحیح ابن خزیمة ہے جبکہ دیگر مطبوعہ نسخوں میں صححه ابن خزیمة ہے۔

۱۶۷: حضرت عبداللہ بن عمر ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: "شفق سے مراد سرخی ہے۔" اسے دار قطنی نے بیان کیا ہے

اورامام ابن خزیمۃ اور دیگر نے اس روایت کے موقوف ہونے کو درست قرار دیا ہے۔

تشریح: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت مرفوعا اور موقوفا ہر دو طرح سے منقول ہے امام دارقطنی ، امام بیہقی اور علامہ ابن عبدالھادی نے اگر چہ اس روایت کے موقوف ہونے کو درست قرار دیا ہے، تاہم عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی مرفوع روایت اس کو تقویت دیتی ہے۔اس میں **حمرة الشفق** کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔امام ابن خزیمہ اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس روایت میں اگر" **حمرة الشفق** " لفظ کا پایا جانا درست ہے تو پھر یہ بات ثابت ہے کہ شفق سے مراد سرخی ہی ہے۔البتہ اس لفظ کے بیان کرنے میں محمد بن یزید کا تفرد ہے اور شعبہ کے دیگر تلامذہ **حمرة الشفق** کی جگہ **ثور الشفق** استعمال کرتے ہیں

اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ شفق کو حمرہ ، رسول اللہ ﷺ نے نہیں بلکہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا ہے تب بھی اس معنی سے مفر نہیں کیونکہ اہل لغت نے بھی شفق کا معنی حمرہ ہی کیا ہے اور آج تک کرتے چلے آ رہے ہیں عربی کی جدید ترین لغت **المعجم الوسیط** میں ہے " **الشفق حمرة تظهر في الافق حيث تغرب الشمس و تستمر من الغروب الىٰ قبيل العشاء تقريباً** " شفق سے مراد وہ سرخی ہے جو غروب آفتاب کے ساتھ ہی افق پر نمودار ہوتی ہے اور یہ عشاء کے قریب تک رہتی ہے۔امام ابوحنیفہ اور امام ابن خزیمہ نے شفق کو سفیدی قرار دیا ہے ۔ واضح رہے کہ سفیدی سرخی زائل ہونے کے بعد تک رہتی ہے ، حضرت عبادہ بن صامت اور حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہما نے سفیدی اور سرخی دونوں کو شفق قرار دیا ہے۔

فقہی احکام: صحابہ اہل لغت تھے ان کی لغوی تعبیر معتبر ہے۔

۱۶۸: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ، قَالَ رَسُولُ اَللَّهِ ﷺ " اَلْفَجْرُ فَجْرَانِ فَجْرٌ يُحَرِّمُ اَلطَّعَامَ وَتَحِلُّ فِيهِ اَلصَّلَاةُ ,وَفَجْرٌ تَحْرُمُ فِيهِ اَلصَّلَاةُ أَيْ صَلَاةُ اَلصُّبْحِ وَيَحِلُّ فِيهِ اَلطَّعَامُ " رَوَاهُ اِبْنُ خُزَيْمَةَ ,وَالْحَاكِمُ ,وَصَحَّحَاهُ.

صحيح ابن خزيمة ،كتاب الصلاة، باب ذكر بيان الفجر الذى يجوز صلاة الصبح بعد طلوعه: ۱/۱۸۴، الحاكم: ۱/۱۹۱،

الدارقطني: ۱/۲۶۸ ، ۲۶۹ ، البيهقي: ۲/۲۵۲

مؤلف رحمہ اللہ نے اس روایت کا آغاز دارقطنی میں مروی روایت سے کیا ہے، جبکہ بعد والی روایت کے الفاظ ابن خزیمہ کے مطابق ہیں۔

۱۶۸: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:" فجر دو طرح کی ہے، ایک فجر وہ جس میں کھانا تناول کرنا حرام اور نماز حلال ہے، دوسری فجر وہ ہے جس میں نماز پڑھنا ممنوع اور کھانا تناول کرنا حلال ہے۔" اسے ابن خزیمۃ اور حاکم نے روایت کیا ہے اور دونوں نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

تشریح: اس حدیث مبارکہ میں جس فجر کے وقت کھانا تناول فرمانا ممنوع قرار دیا گیا ہے وہ صبح صادق ہے صبح صادق کے نمودار ہونے پر فقط روزے دار کے لیے کھانا تناول فرمانا ممنوع ہے اور یہاں اس سے یہی مراد ہے۔صبح صادق کے طلوع ہونے کے بعد فرض نماز کی ادئیگی درست ہو جاتی ہے، جس فجر میں نماز پڑھنا ممنوع قرار دیا گیا ہے اس فجر سے مراد صبح کاذب ہے اور جس نماز کو ممنوع قرار دیا گیا ہے وہ فجر کی فرض نماز ہے کیونکہ تہجد تو اس وقت پڑھنا صرف مسنون ہی نہیں بلکہ ہر مسلمان کو اس وقت تہجد پڑھنے کی رغبت دلائی گئی ہے۔امام ابن خزیمہ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ کسی بھی فرض نماز کو اس کے وقت سے پہلے پڑھنا درست نہیں امام ابن خزیمہ کے اس استدلال کو اگر عام حالت پر محمول کیا جائے تو درست ہے لیکن مخصوص حالات میں یہ استدلال درست نہیں کیونکہ حالت سفر اور بارش کے وقت جمع بین صلاتین کرتے وقت دوسری نماز کو اس کے وقت سے پہلے ادا کرنا بھی جائز ہے۔اس روایت کو امام حاکم نے تو بلاشبہ صحیح

قرار دیا ہے لیکن امام ابن خزیمہ نے اس کے موقوف ہونے کا عندیہ دیا ہے۔اس روایت کو ابن جریج کے دیگر تلامذہ نے موقوف بیان کیا ہے اورسفیان ثوری سے فریابی نے بھی موقوف ہی بیان کیا ہے۔

اس روایت میں ایک علت یہ بھی ہے کہ ابواحمد محمد بن عبداللہ الزبیری اگرچہ ثقہ ہے مگر اس کی وہ روایات جو وہ ثوری سے نقل کرتا ہے ان میں اکثر غلطیاں کرتا ہے۔بعض کے نزدیک اس میں ایک تیسری علت ثوری کا عنعنہ ہے راقم کے نزدیک صحیح ابن خزیمہ کی سند میں یہ علت مؤثر نہیں کیونکہ ابن خزیمہ مدلسین کی انہیں عنعنہ پر خاموشی اختیار کرتے ہیں۔جن کے سماع سے وہ آگاہ ہوتے ہیں۔اس روایت کی وہ روایت شاہد ہے جو آئندہ مذکور ہوں گی۔

فقہی احکام: (۱) صبح صادق کے نمودار ہوتے ہی سحری کا وقت ختم ہو جاتا ہے لہٰذا اس کے بعد خورد و نوش منع ہے۔(۲) صبح صادق کے نمودار ہونے سے پہلے تہجد پڑھی جا سکتی ہے۔(۳) صبح صادق کے نمودار ہونے سے پہلے بلا عذر شرعی فجر کی نماز پڑھنا درست نہیں۔

۱۶۹: وَلِلْحَاكِمِ مِنْ حَدِيثِ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ نَحْوُهُ ,وَزَادَ فِي اَلَّذِي يُحَرِّمُ اَلطَّعَامَ " إِنَّهُ يَذْهَبُ مُسْتَطِيلاً فِي الْأُفُقِ " وَفِي الْآخَرِ " إِنَّهُ كَذَنَبِ اَلسِّرْحَانِ "

الحاكم: ۱۹۱/۱، الدارقطني: ۲۶۸/۱، ۱۶۵/۲، الترمذي: ۷۰۶

۱۶۹: مستدرک حاکم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت بھی اسی کی مثل ہے، لیکن اس میں مزید یہ الفاظ بھی ہیں کہ " جس صبح میں کھانا حرام ہے وہ افق میں پھیل جاتی ہے اور (دوسری صبح کی شناخت یہ ہے) کہ وہ بھیڑیئے کی دم کی طرح ہے۔"

لغوی تحقیق: ذنب: ذال اور نون مفتوح۔ السرحان: سین مکسور اور راء ساکن یعنی بھیڑیا۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث میں رحمت عالم ﷺ نے صبح کاذب اور صبح صادق کے درمیان فرق کو واضح فرمایا ہے، صبح صادق کی نشانی یہ بتائی گئی ہے کہ وہ آسمان کے مشرقی کنارے پر دائیں بائیں پھیل جاتی ہے۔امام بخاری کی بیان کردہ حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے باقاعدہ اپنے ہاتھوں کو دائیں بائیں پھیلا کر وضاحت فرمائی اور فرمایا جب یہ نشانی ظاہر ہو جائے تو اس وقت سحری کھانا ممنوع اور نماز فجر پڑھنا درست ہو جاتا ہے۔صبح کاذب کی علامت یہ بتائی کہ بھیڑیئے کی دم کی طرح ہوتی ہے یعنی وہ آسمان کے مشرقی کنارے پر نیچے سے اوپر کی طرف ایک ستون کی شکل میں دکھائی دیتی ہے، اس وقت سحری کھانا درست اور نماز فجر پڑھنا ممنوع ہے۔امام دارقطنی اس روایت کو **کتاب الصلاۃ** میں تقریباً انہیں الفاظ کے ساتھ مرسل لائے ہیں۔امام بیہقی کے نزدیک اس روایت کا مرفوع ہونا درست نہیں۔البتہ اس روایت کی تائید آثار صحابہ سے بھی ہوتی ہے۔

فقہی احکام: (۱) حرام اشیاء یا ان کے کسی ایک حصہ کے ساتھ کسی چیز کو تشبیہ دینا درست ہے۔

(۲) صبح صادق کے نمودار ہونے سے قبل فجر کی نماز پڑھنا درست نہیں۔

۱۷۰: وَعَنِ اِبْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اَللَّهِ ﷺ " أَفْضَلُ الْأَعْمَالِ اَلصَّلَاةُ فِي أَوَّلِ وَقْتِهَا " رَوَاهُ اَلتِّرْمِذِيُّ, وَالْحَاكِمُ وَصَحَّحَاهُ وَأَصْلُهُ فِي اَلصَّحِيحَيْنِ.

الحاكم: ۱۸۸/۱، ابن خزيمة: ۱۶۹/۱، ابن حبان: ۳۳۹/۴، البخاري: ۲۷۸۲، النسائي: ۲۹۲/۱، الدارقطني: ۲۴۶/۱، الترمذي: ۱۷۳، التلخيص: ۱۸۱/۱، مسلم: ۸۵

تنبیہ: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے ان الفاظ کے ساتھ مروی روایت کو ترمذی کی طرف منسوب کیا ہے۔جبکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن

مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت ترمذی میں نہیں ہے، ترمذی میں اُم فروہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تسامح کسی نساخ سے ہوا ہے کیونکہ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے تلخیص اور فتح الباری میں اس روایت کو ترمذی کی طرف منسوب نہیں کیا۔

۱۷۰: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اول وقت میں نماز پڑھنا تمام اعمال سے افضل عمل ہے۔" اسے ترمذی اور حاکم نے بیان کیا ہے اور دونوں نے صحیح کہا ہے اور اس حدیث کی اصل بخاری و مسلم میں ہے۔

تشریح: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی یہ حدیث متعدد طرق سے دو طرح کے الفاظ سے مروی ہے، بعض طرق میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے سوال کرنے پر فرمایا کہ تمام اعمال میں افضل عمل، نماز کو اس کے اول وقت پر پڑھنا ہے، ان الفاظ کو امام شعبہ سے علی بن حفص نے براہ راست اور حسن بن علی المعمر ی نے محمد بن مثنیٰ سے غندر کے واسطے سے نقل کیا ہے۔ یہی الفاظ امام شعبہ کے معاصر اور ہم جماعت مالک بن مغول نے ولید بن عیزار سے نقل کیے ہیں۔

ان الفاظ سے مروی حدیث کو امام حاکم، امام ابن خزیمہ اور امام ابن حبان نے نقل کیا ہے، جبکہ بعض طرق میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے سوال کرنے پر فرمایا "نماز کو اس کے وقت پر پڑھنا ہے۔" ان الفاظ کے ساتھ اس روایت کو امام بخاری اور امام مسلم نے نقل کیا، اور بعض طرق میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "نماز کو اس کے اوقات میں پڑھنا ہے۔" ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت امام ابن حبان نے بیان کی ہے۔

مقدم الذکر الفاظ (الصلوة لاول وقتها) سے مروی روایت کو حضرت ام فروۃ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت کی تائید بھی حاصل ہے، حضرت ام فروۃ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ تمام اعمال میں افضل عمل کونسا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" نماز کو اس کے اول وقت پر پڑھنا۔"

حضرت عبداللہ بن مسعود اور ام فروہ رضی اللہ عنہما سے مروی احادیث سے یہ واضح ہوا کہ نماز کو اول وقت پر پڑھنا تمام اعمال سے افضل ہے، جبکہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے یہ واضح ہورہا ہے کہ ایمان تمام اعمال سے افضل عمل ہے، کسی روایت میں جہاد کو افضل عمل اور کسی میں صدقہ کو افضل عمل قرار دیا گیا ہے۔ ان روایات میں بظاہر تعارض نظر آرہا ہے لیکن درحقیقت ان میں کوئی تعارض نہیں۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم بے مثل مردم شناس تھے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بھی عمل کو افضل اس کی کمیت کی وجہ سے قرار نہیں دیا بلکہ عامل کی کیفیت کے پیش نظر عمل کو افضل قرار دیا ہے، یعنی ایک کافر کے لیے سب سے افضل عمل ایمان ہے اور ایمان لانے کے بعد سب سے افضل عمل نماز کو اول وقت پر پڑھنا ہے، اگر رزم حق و باطل ہے تو پھر جہاد افضل عمل ہے اور اگر معاشی اصلاح کی ضرورت ہے تو پھر صدقہ افضل عمل ہے، جب کہ علامہ ابن دقیق العید فرماتے ہیں کہ اعمال قلبیہ میں سے سب سے افضل عمل ایمان ہے لیکن دیگر احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ عشاء کی نماز کو تاخیر سے پڑھنا افضل ہے۔ ان تمام روایات کی روشنی میں یہ کہا جائے گا کہ عشاء کے علاوہ دیگر نمازوں کو اول وقت پر پڑھنا افضل عمل ہے۔

فقہی احکام: (ا) نماز کو اول وقت پر پڑھنا ایمان لانے کے بعد سب سے افضل عمل ہے۔

۱۷۱: **وَعَنْ أَبِي مَحْذُورَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ" أَوَّلُ الْوَقْتِ رِضْوَانُ اللَّهُ ,وَأَوْسَطُهُ رَحْمَةُ اللَّهِ; وَآخِرُهُ عَفْوُ اللَّهِ " أَخْرَجَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ بِسَنَدٍ ضَعِيفٍ جِدًّا.**

الدارقطنی: ۲۴۹/۱، ۲۵۰، البیھقی: ۴۳۵/۱، الجرح والتعدیل: ۱۵۱/۲، الکامل لابن عدی: ۲۵۶/۱، التلخیص: ۱۸۱/۱

تنبیہ: مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے دارقطنی کے حوالہ سے اس روایت کا آغاز "ان النبی ﷺ" سے کیا ہے جبکہ دارقطنی کے مطبوعہ نسخہ میں اس روایت کا آغاز "قال قال رسول اللہ ﷺ" سے ہے۔

۱۷۱: حضرت ابومحذورۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "اول وقت اللہ تعالیٰ کی خوشنودگی کے حصول کا، دوسرا اس کی رحمت اور آخری وقت اس کی معافی کا سبب ہے۔" اسے دارقطنی نے نہایت ضعیف سند سے روایت کیا ہے۔

لغوی تحقیق: رضوان: خوشنودگی، رضامندی۔ عفو: معافی، درگزر۔

تشریح: اس روایت کا مرکزی راوی ابراہیم بن زکریا ہے۔ امام ابوحاتم نے اسے مجہول اور اس کی مرویات کو منکر قرار دیا ہے۔ حافظ ابن عدی فرماتے ہیں کہ ابراہیم بن زکریا ثقہ رواۃ کی طرف باطل روایات منسوب کرتا تھا۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تلخیص میں اسے **متھم بالکذب** قرار دیا ہے۔ اس طرح اس کی یہ روایت موضوع کے قریب تر ہے۔

۱۷۲: وَلِلتِّرْمِذِيِّ مِنْ حَدِيثِ اِبْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما نَحْوُهُ ,دُونَ اَلْأَوْسَطِ ,وَهُوَ ضَعِيفٌ أَيْضًا.

الترمذی، ابواب الصلاۃ، باب ماجاء فی الوقت الاول من الفضل: ۱۷۱، الکامل لابن عدی: ۲/۷۷، الدارقطنی: ۱/۲۴۹، التحقیق لابن جوزی: ۱/۲۸۷، العلل: ۱۳۰۵، الجرح و التعدیل: ۹/۲۱۶، التلخیص: ۱/۱۸۰

تنبیہ: علامہ عبدالحق اشبیلی احکام الوسطی: ۱/۲۶۶ میں اس روایت کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ اس روایت کو عبداللہ بن عمر العمری نے نقل کیا ہے اور وہ متکلم فیہ ہے، بلا شبہ عبداللہ بن عمر العمری متکلم فیہ لیکن اس روایت کی سند میں ایک بہت بڑی آفت یعقوب بن ولید مدنی ہے، اس کی نشاندہی نہ تو شیخ عبدالحق اشبیلی نے کی ہے اور نہ امام ابن قطان نے (بیان الوھم والایھام: ۴/۱۹۴ میں) کی ہے۔

۱۷۲: ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث بھی اسی طرح ہے، مگر اس میں "درمیانہ حصہ حصول رحمت کا ہے۔" مذکور نہیں اور یہ روایت بھی ضعیف ہے۔

تشریح: اس روایت کا مرکزی راوی یعقوب بن الولید ہے، امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ اس کا شمار نامور خود ساختہ روایات بنانے والوں میں ہوتا ہے، امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ یہ خود روایات تیار کرتا، پھر انہیں ثقہ رواۃ کی طرف منسوب کر دیتا تھا۔ نیز اس روایت کا ایک راوی عبداللہ بن عمر بن حفص العمری بھی ضعیف ہے۔ اسی طرح کی ایک روایت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے وہ روایت بھی حسین بن حمید اور عبید بن قاسم کے کذاب ہونے کی وجہ سے موضوع ہے۔ اس طرح کی ایک روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے لیکن وہ روایت عبداللہ مولیٰ عثمان اور عبدالعزیز کے مجہول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

۱۷۳: وَعَنْ اِبْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُولَ اَللَّهِ ﷺ قَالَ " لَا صَلَاةَ بَعْدَ اَلْفَجْرِ إِلَّا سَجْدَتَيْنِ " أَخْرَجَهُ اَلْخَمْسَةُ ,إِلَّا النَّسَائِيُّ وَفِي رِوَايَةِ عَبْدِ اَلرَّزَّاقِ " لَا صَلَاةَ بَعْدَ طُلُوعِ اَلْفَجْرِ إِلَّا رَكْعَتَيْ اَلْفَجْرِ "

الترمذی، ابواب الصلاۃ، باب ماجاء صلوۃ بعد طلوع الفجر الارکعتین: ۴۲۰، ابوداود: ۱۲۷۶، ابن ماجۃ: ۲۳۵، مسنداحمد: ۲/۲۳، الدارقطنی: ۱/۴۱۹، البیھقی: ۲/۴۶۵، مصنف عبد الرزاق: ۴۷۶۰، المعجم الاوسط للطبرانی: ۱۸۳، ۱۸۵۷

۱۷۳: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "فجر کے بعد دو رکعات کے علاوہ کوئی نماز نہیں۔" اسے نسائی کے علاوہ پانچوں نے نقل کیا ہے اور مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ "طلوع فجر کے بعد دو سنتوں کے علاوہ اور کوئی نماز نہیں۔"

لغوی تحقیق: سجدتین: یہ بمعنی رکعتیں ہے جیسا کہ مصنف عبدالرزاق کی روایت میں صراحتاً مذکور ہے۔

تشریح: یہ روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے متعدد طرق سے مروی ہے، ان میں سے بعض طرق متکلم فیہ بھی ہیں۔امام ترمذی نے اس روایت کو بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس بات پر تمام اہل علم کا اجماع ہے کہ طلوع فجر کے بعد نفلی نماز صرف دو رکعات ہیں اور اس روایت میں مذکور سجدتین سے مراد فجر کی دو سنتیں ہیں، تفصیلی بحث کے لیے محدث العصر علامہ شمس الحق عظیم آبادی کی کتاب " **اعلام اهل العصر فی احکام رکعتی الفجر** کا مطالعہ کریں۔

فقہی احکام: فجر کی نماز سے پہلے اگر کوئی شخص دو سنتیں نہ پڑھ سکا ہوتو وہ فرض نماز پڑھنے کے فوراً بعد پڑھ سکتا ہے۔

۱۷۴: وَمِثْلُهُ لِلدَّارَقُطْنِیّ عَنِ ابْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاص رضی اللہ عنہما

الدارقطنی: ۱/۴۱۹، البیهقی: ۲/۴۶۵، ۴۶۶، المعجم الاوسط: ۱۵۴۴

۱۷۴: دارقطنی میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے بھی اس طرح کی ایک روایت مروی ہے۔

تشریح: یہ روایت عبدالرحمٰن بن زیاد افریقی کی وجہ سے ضعیف ہے، اس کی مؤید ایک روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے مگر وہ روایت بھی احمد بن عبدالصمد اور اسماعیل بن قیس کی وجہ سے ضعیف ہے، اس کی مؤید ایک مرسل روایت حضرت سعید بن مسیّب سے بھی منقول ہے، یہ روایت سند کے اعتبار سے صحیح ہے۔

فقہی احکام: فجر کی دو سنتیں فجر کے دو فرضوں کے فوراً بعد پڑھی جا سکتی ہیں۔

۱۷۵: وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رضی اللہ عنہا **قَالَتْ صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ** ﷺ **الْعَصْرَ ,ثُمَّ دَخَلَ بَيْتِي ,فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ,فَسَأَلْتُهُ ,فَقَالَ "شُغِلْتُ عَنْ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الظُّهْرِ ,فَصَلَّيْتُهُمَا الْآنَ" قُلْتُ أَفَنَقْضِيهِمَا إِذَا فَاتَتْنَا؟ قَالَ "لَا" أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ.**

مسند احمد: ۶/۳۰۶، ۳۱۱، ۳۱۵، ابن حبان: ۴/۴۴۱، الطبرانی: ۲۳/۲۷۳، البخاری: ۱۲۳۳، مسلم: ۱/۵۷۱، النسائی: ۱/۲۸۱، ۲۸۲، الاحکام الوسطی: ۱/۲۶۲، مسلم: ۲۹۷-۳۰۱/۸۳۴-۸۳۵

۱۷۵: اُم سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھی پھر میرے حجرے میں تشریف لائے اور دو رکعات نماز پڑھی، میں نے عرض کیا، یہ کونسی نماز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "میں ظہر کے فرضوں کے بعد کی دو رکعات نہیں پڑھ سکا تھا اور وہ میں نے ابھی پڑھی ہیں۔" انہوں نے عرض کیا: جب یہ دونوں رکعات مجھ سے رہ جائیں تو کیا میں بھی پڑھ لیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "نہیں۔" اسے احمد نے روایت کیا ہے۔

لغوی تحقیق: شغلت: شین مضموم، غین مکسور یعنی میں مشغول کر دیا گیا۔

تشریح: رحمت عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں قبیلہ عبدالقیس حاضر ہوا اور آپ ﷺ ظہر کے فرائض کے بعد ان سے گفتگو کرنے لگے، گفتگو کا یہ سلسلہ عصر کی جماعت تک چلا، اس طرح آپ ﷺ ظہر کے فرائض کے بعد کی دو رکعات نہ پڑھ سکے، اور وہ دو رکعات آپ ﷺ نے نماز عصر کے بعد، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں آ کر ادا فرمائیں، اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ عصر کی نماز کے بعد اگرچہ عام نفلی نماز کی اجازت نہیں تاہم ایسی نفلی نماز کی قضا دی جا سکتی ہے جو رہ گئی ہو لیکن اس روایت کے آخر کے الفاظ ظاہر کر رہے ہیں کہ امت کے افراد کو ایسا کرنے کی اجازت نہیں، اسی بنا پر امام طحاوی حنفی کا کہنا ہے کہ یہ فقط رسول اللہ ﷺ کے لیے روا تھا، کیونکہ یہ آپ ﷺ کا خاصہ تھا۔امام طحاوی کی یہ بات تب درست ہوتی اگر آخری جملہ محفوظ ہوتا، ماہرین فن رجال وعلل کے نزدیک یہ جملہ محفوظ نہیں۔ کیونکہ زیر مطالعہ الفاظ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے حضرت ذکوان نقل کرتے ہیں، ان کا حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے سماع ثابت نہیں لہٰذا یہ روایت

منقطع ہے امام احمد نے عبداللہ بن عتبہ اور عبداللہ بن حارث کے واسطے سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے جو حدیث نقل کی ہے، اس میں آخری الفاظ نہیں ہیں۔ امام ابن حبان اور امام طبرانی نے بھی یہ روایت ان الفاظ کی زیادتی کے بغیر نقل کی ہے، امام بخاری اور امام مسلم نے کریب عن ام سلمہ کے طریق سے یہ روایت نقل کی ہے، اس میں بھی یہ آخری الفاظ نہیں ہیں۔

فقہی احکام: عصر کی نماز کے بعد عام نفلی نماز درست نہیں البتہ نفلوں کی قضا دی جاسکتی ہے۔

١٧٦: وَلِأَبِي دَاوُدَ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا بِمَعْنَاهُ.

ابوداود، کتاب الصلاۃ، باب من رخص فیھا اذا کانت الشمس مرتفعۃ: ١٢٨٠ ، البخاری: ٥٩١، مسلم: ٥٧٢/١ (٨٣٥)

١٧٦: ابوداؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسی کے ہم معنی روایت مذکور ہے۔

تشریح: اس روایت کے اگرچہ تمام رواۃ ثقہ ہیں تاہم یہ روایت محمد بن اسحاق کی عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے جبکہ صحیحین میں یہ روایت ممانعت کے ذکر کے بغیر مذکور ہے۔

٢: بَابُ الاذان — اذان کا بیان

١٧٧: عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَبْدِ رَبِّهِ رضی اللہ عنہ قَالَ طَافَ بِي وَأَنَا نَائِمٌ رَجُلٌ فَقَالَ تَقُولُ "اَللّٰهُ أَكْبَرَ اَللّٰهِ أَكْبَرُ ,فَذَكَرَ الْآذَانَ بِتَرْبِيعِ التَّكْبِيرِ بِغَيْرِ تَرْجِيعٍ ,وَالْإِقَامَةَ فُرَادَى ,إِلَّا قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ ، قَالَ فَلَمَّا أَصْبَحْتُ أَتَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ "إِنَّهَا لَرُؤْيَا حَقٌّ"... اَلْحَدِيثُ أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ ,وَأَبُو دَاوُدَ ,وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ ,وَابْنُ خُزَيْمَةَ.

ابوداود، کتاب الصلاۃ، باب کیف الآذان: ٤٩٩ ، مسند احمد: ٤٣/٤، الترمذی: ١٨٩، ابن خزیمۃ: ١٩٧/١، الدارقطنی: ٢٤١/١، عبد الرزاق: ٤٥٧/١ ، البخاری: ٦٠٣

١٧٧: حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں، مجھے خواب میں ایک شخص ملا، اس نے مجھے کہا: تم کہو کہ اللہ بہت بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے، پھر اس نے چار مرتبہ اللہ اکبر کہنے کے ساتھ ساتھ ساری اذان بغیر ترجیع کے کہی، اور اقامت کے کلمات ماسوا **قد قامت الصلوۃ** کے ایک ایک بار کہے، میں جب صبح کے وقت بیدار ہوا تو رحمت عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ نے فرمایا: "یقیناً یہ خواب سچا ہے۔" اختصاراً، اس حدیث کو امام احمد اور امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے، امام ترمذی اور امام ابن خزیمۃ نے صحیح کہا ہے۔

لغوی تحقیق: **اذان:** اس کے لغوی معنی اعلان کرنے کے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں لوگوں کو نماز کیلئے بلانے کیلئے مخصوص کلمات کا مخصوص اوقات میں با آواز بلند کہنا اذان کہلاتا ہے۔ **بتربیع التکبیر:** اللہ اکبر چار بار کہنا۔ **بغیر ترجیع:** شہادتین کو دوبارہ کہنے کے بعد دوبارہ نہ لوٹانا۔ **فرادی:** ایک ایک بار۔ **رؤیا:** خواب۔

تشریح: اذان کا آغاز ہجرت کے پہلے سال مدینہ منورہ میں ہوا، اس کا شمار شعائر اسلام میں ہوتا ہے، زیر مطالعہ حدیث میں اس اذان کا تذکرہ ہے جو حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما نے خواب میں ایک شخص کی زبانی سنی تھی، اس اذان میں اللہ کی بڑائی و کبریائی کا اعلان چار بار، اس کی الوہیت کا اقرار دوبار، دوبار رسالت مآب ﷺ کی رسالت کا اقرار، دوبار نماز کیلئے حاضر ہونے کی دعوت اور دوبار فوز فلاح کی ضمانت، آخر میں پھر دوبار اللہ کی کبریائی اور ایک بار اس کی الوہیت کا اعلان ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اسی اذان کے الفاظ سکھائے گئے تھے۔ یہ روایت عبداللہ بن زید سے مختلف طرق سے منقول ہے، ان میں سے سب سے صحیح طریق یہی ہے، امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں کہ محمد

بن اسحاق نے محمد بن ابراہیم تیمی سے سماع کی صراحت کی ہے لہٰذا یہ روایت تدلیس سے پاک ہے، یہ روایت حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت انس رضی اللہ عنہما سے بھی منقول ہے۔

فقہی احکام: (۱) غیر نبی کا خواب بھی سچا ہوسکتا ہے۔(۲) غیر نبی کے خواب سے اس وقت تک کوئی شرعی مسئلہ ثابت نہیں ہوتا جب تک نبی اس خواب کی تصدیق نہ فرمادیں۔(۳) اذان بغیر ترجیع کے کہنا بھی درست ہے۔(۴) **قدقامت الصلاۃ** کے علاوہ دیگر تمام کلمات تکبیر ایک ایک بار کہنے چاہئیں۔

۱۷۸: وَزَادَ أَحْمَدُ فِي آخِرِهِ قِصَّةَ قَوْلِ بِلَالٍ فِي آذَانِ اَلْفَجْرِ، اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ اَلنَّوْمِ .

مسند احمد: ۴۲/۴ ، ۴۳

۱۷۸: امام احمد نے اس حدیث کے آخر میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا فجر کی اذان میں "**الصلاۃ خیر من النوم**" کہنے کا واقعہ بھی بیان کیا ہے

تشریح: حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کیلئے مامور کیا گیا تھا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان دینے کے بعد آپ ﷺ کو بلانے کیلئے حاضر ہوتے، ایک دن وہ فجر کی اذان کے بعد آپ ﷺ کو بلانے کیلئے گئے تو انہیں بتایا گیا کہ رسول اللہ ﷺ سو رہے ہیں، چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اس مقام پر بلند آواز سے؛ **الصلوۃ خیر من النوم**؛ کہا۔ سعید بن مسیّب کہتے ہیں، اس کے بعد اس کلمہ کو فجر کی اذان میں شامل کر دیا گیا۔ اس روایت کے ضعیف ہونے کی دو علتیں ہیں۔(۱) محمد بن اسحاق نے یہ روایت عن سے نقل کی ہے اور سماع کی صراحت نہیں کی۔ محمد بن اسحاق چونکہ معروف مدلس ہے اس لیے اس کی عنعنہ ضعیف ہے۔(۲) سعید بن مسیّب اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے درمیان انقطاع ہے۔

۱۷۹: وَلِابْنِ خُزَيْمَةَ عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ ، مِنَ اَلسُّنَّةِ إِذَا قَالَ اَلْمُؤَذِّنُ فِي اَلْفَجْرِ حَيٌّ عَلَى اَلْفَلَاحِ قَالَ اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ اَلنَّوْمِ

صحیح ابن خزیمة ،کتاب الصلاة، باب التثویب فی اذان اصبح: ۳۸۶، الدارقطنی: ۲۴۳/۱، ابوداود: ۵۰۰، البیهقی: ۴۲۳/۱، المعجم الاوسط للطبرانی: ۷۰۱۴، ۷۵۷۹، الترمذی: ۱۹۸، مجمع الزوائد: ۳۳۰/۱، ابن ماجة: ۷۰۷، عبد الرزاق: ۴۷۲/۱

۱۷۹: صحیح ابن خزیمۃ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ جب مؤذن فجر کی اذان میں **حی علی الصلاۃ** کہہ لے تو اس کے لیے **الصلاۃ خیر من النوم** کہنا سنت ہے۔"

تشریح: صحابی جب کسی مقام پر لفظ سنت استعمال کرتا ہے تو اس سے مراد رحمت عالم ﷺ کا طریقہ ہی مراد ہوتا ہے، یعنی صبح کی اذان میں **حی علی الفلاح** کے بعد **الصلاۃ خیر من النوم** کہنے کی تعلیم رسول اللہ ﷺ نے فرمائی ہے، اس حقیقت کا اظہار حضرت ابومحذورہ، حضرت عائشہ، حضرت بلال اور حضرت ابوہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی احادیث سے بھی ہوتا ہے۔

حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے اذان سکھائی اور فرمایا: "اگر آپ صبح کی اذان دیں تو اس میں ؛**حی علی الفلاح**؛ کے بعد دو مرتبہ **الصلاۃ خیر من النوم** بھی کہیں۔" یہ روایت حارث بن عبید کے مضطرب الحدیث ہونے، حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے اور پوتے کے مجہول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث کے آخر میں ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ صبح کی اذان دینے کیلئے آئے تو انہوں نے آپ ﷺ کو سویا ہوا دیکھ کر **الصلاۃ خیر من النوم** کہا ، اس کے بعد یہ کلمہ صبح کی اذان میں جاری ہوگیا۔ یہ روایت صالح بن ابی الاخضر کی وجہ سے ضعیف ہے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں صبح کی اذان میں الصلاۃ خیر من النوم بھی کہوں۔ یہ روایت ابواسرائیل کی وجہ سے ضعیف ہے نیز یہ منقطع بھی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ صبح کی اذان کیلئے حاضر ہوئے تو انہوں نے آپ ﷺ کو سوئے ہوئے دیکھ کر بلند آواز سے؛ الصلاۃ خیر من النوم ؛ کہا۔ آپ ﷺ نے نہ صرف اس پر کسی قسم کی ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا بلکہ اسے صبح کی اذان میں داخل کر دیا۔ علامہ ہیثمی نے اس روایت کو معلول قرار دیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں بھی اس طرح کا واقعہ منقول ہے مگر یہ روایت بھی محمد بن خالد واسطی کی وجہ سے ضعیف ہے لیکن ان سے مروی موقوف روایت صحیح سند سے مروی ہے، اسی طرح حضرت سعید بن مسیّب سے مروی مرسل روایت بھی صحیح سند سے مروی ہے۔

فقہی احکام: فجر کی اذان میں؛ الصلاۃ خیر من النوم؛ کہنا سنت ہے۔

۱۸۰: عَنْ أَبِي مَحْذُورَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ عَلَّمَهُ الْآذَانَ ,فَذَكَرَ فِيهِ التَّرْجِيعَ أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ . وَلَكِنْ ذَكَرَ التَّكْبِيرَ فِي أَوَّلِهِ مَرَّتَيْنِ فَقَطْ وَرَوَاهُ الْخَمْسَةُ فَذَكَرُوهُ مُرَبَّعًا.

مسلم، كتاب الصلاة، باب صفة الآذان: ۳۷۹، ابو داود: ۵۰۲، الترمذی: ۱۹۲، ابن ماجة: ۷۰۹، النسائی: ۴/۲،
احمد: ۴۰۱/۶ ، فتح العلام: ۱۲۳/۱

۱۸۰: ابومحذورۃ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے انہیں اذان سکھائی، اس میں انہوں نے ترجیع کا ذکر بھی کیا ہے۔ اسے مسلم نے بیان کیا ہے، لیکن اس میں انہوں نے اذان کے شروع میں الله اکبر صرف دو بار کہنے کا ذکر ہے، اس روایت کو پانچوں نے بھی روایت کیا ہے اور انہوں نے الله اکبر چار مرتبہ کہنے کا ذکر کیا ہے۔

لغوی تحقیق: ترجیع: شہادتین کو پہلے دو دو بار پست آواز سے کہنا پھر دو دو بار بلند آواز سے کہنا۔ التکبیر: اللہ اکبر۔

تشریح: اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ اذان ترجیع سے کہنا بھی درست ہے، بعض احباب کا کہنا ہے کہ ترجیع بوجہ تعلیم تھا، اس لیے اب یہ درست نہیں، احباب کا یہ قول بلا دلیل ہے، کیونکہ مکہ مکرمہ میں یہ عمل نہ صرف حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ بار بار دہراتے رہے بلکہ ان کے بعد آنے والے مؤذن بھی مکہ مکرمہ میں اذان ترجیع ہی سے کہتے رہے۔ مسلم کے معروف نسخہ میں ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ اذان کے آغاز میں اللہ اکبر دو بار کہنے کا ذکر ہے لیکن ایک نسخہ میں چار بار کہنا بھی مذکور ہے۔ امام ابن تیمیہ نے المنتقی میں مسلم کے جس نسخہ سے اذان نقل کی ہے اس میں اللہ اکبر چار بار کہنا ہی مذکور ہے، اور چار بار کہنا ہی درست ہے، کیونکہ حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث جسے امام احمد، امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے نقل کیا ہے، اس میں بھی اللہ اکبر چار بار کہنا ہی مذکور ہے، اسی طرح حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں بھی اللہ اکبر چار بار کہنا مذکور ہے۔

فقہی احکام: (۱) کسی بھی اذان میں شہادتین دو دو بار بھی کہے جا سکتے ہیں اور چار چار بار بھی۔ (۲) اذان اگر ترجیع کے ساتھ ہو تو اقامت دوہری ہی کہنی ہے (۳) اذان دینے کیلئے ایسے شخص کو مقرر کیا جائے جو خوش الحان اور بلند آواز ہو۔

۱۸۱: وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ أُمِرَ بِلَالٌ أَنْ يَشْفَعَ الْآذَانَ وَيُوتِرَ الْإِقَامَةَ ,إِلَّا الْإِقَامَةَ ,يَعْنِي قَوْلَهُ قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ,وَلَمْ يَذْكُرْ مُسْلِمٌ الِاسْتِثْنَاءَ وَلِلنَّسَائِيِّ ،أَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ بِلَالاً.

البخاری، کتاب الآذان، باب الآذان مثنیٰ مثنیٰ: ۶۰۵ ، مسلم، کتاب الصلاۃ، باب الامر بشفع الآذان و ایتار الاقامۃ: ۳۷۸، النسائی: ۳/۲، ابو داود: ۵۰۸ ، الدارقطنی: ۱/۲۴۰، ابن خزیمۃ: ۱/۱۹۰

۱۸۱: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا گیا کہ وہ اذان کے کلمات دو دو بار اور تکبیر **قد قامت الصلاۃ** کے علاوہ ایک ایک بار کہے۔ متفق علیہ، مسلم میں **قد قامت الصلاۃ** کا استثنا بھی نہیں ہے، اور نسائی میں ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا۔

لغوی تحقیق: امر: ہمزہ مضموم اور میم مکسور، حکم دیا گیا۔ یشفع: یاء مفتوح۔

تشریح: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے حدیث کے مختلف طرق کو واضح کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ اذان کے کلمات دو دو بار اور کلمات تکبیر کو ایک ایک بار کہنا سنت ہے، کیونکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے یہی تعلیم فرمائی تھی۔ البتہ ؛**قد قامت الصلاۃ** ؛ کے بارے میں صحیح مسلم میں دو طرح کی روایات ہیں۔ ایک میں ہے کہ ؛**قد قامت الصلاۃ** ؛ کے علاوہ باقی اقامت اکہری کہی جائے اور ایک میں ؛**قد قامت الصلاۃ** ؛ کی استثناء بھی موجود نہیں، اسی بنا پر بعض کا خیال ہے کہ پوری اقامت اکہری کہی جائے، جبکہ جمہور اہل علم کا مؤقف یہ ہے کہ ؛**قد قامت الصلاۃ** ؛ کے علاوہ باقی اقامت اکہری کہی جائے۔ یہی درست ہے، کیونکہ ایسا کرنا نہ صرف حدیث انس سے ثابت ہے ، بلکہ حدیث ابن عمر، حدیث عبداللہ بن زید اور حدیث سلمہ بن اکوع سے بھی ثابت ہے۔

فقہی احکام: **قدقامت الصلاۃ** کے علاوہ تکبیر کے دیگر کلمات ایک ایک بار کہنا سنت ہے۔

۱۸۲: وَعَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ رَأَيْتُ بِلَالاً يُؤَذِّنُ وَأَتَتَبَّعُ فَاهُ ,هَاهُنَا وَهَاهُنَا ,وَإِصْبَعَاهُ فِي أُذُنَيْهِ رَوَاهُ أَحْمَدُ , وَالتِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ وَلِابْنِ مَاجَهْ ، وَجَعَلَ إِصْبَعَيْهِ فِي أُذُنَيْهِ وَلِأَبِي دَاوُدَ ، لَوَى عُنُقَهُ ,لَمَّا بَلَغَ "حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ " يَمِينًا وَشِمَالاً وَلَمْ يَسْتَدِرْ وَأَصْلُهُ فِي الصَّحِيحَيْنِ.

احمد: ۴/۳۰۸، الترمذی، ابواب الصلاۃ، باب ماجاء فی ادخال الاصبع فی الآذان عند الآذان: ۱۹۷، ابن ماجۃ: ۷۱۰، ۷۱۱ ، البخاری: ۶۳۴، مسلم: ۵۰۳ ، ابوداود: ۵۲۰، البیہقی: ۱/۳۹۶

۱۸۲: حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے بلال رضی اللہ عنہ کو اذان دیتے ہوئے دیکھا وہ منہ ادھر اُدھر پھیرتے تھے اور ان کی دونوں انگلیاں ان کے دونوں کانوں میں تھیں، اسے احمد اور ترمذی نے بیان کیا ہے اور ترمذی نے صحیح کہا ہے جبکہ ابن ماجہ میں ہے کہ انہوں نے اپنی دونوں انگلیاں اپنے دونوں کانوں میں ڈال رکھی تھیں، اور ابوداؤد میں ہے کہ جب وہ **حی علی الصلاۃ** پر پہنچے تو انہوں نے اپنی گردن کو دائیں، بائیں پھیرا، لیکن خود نہیں گھومتے تھے۔ اس حدیث کی اصل بخاری و مسلم میں ہے۔

لغوی تحقیق: اتتبع: ہمزہ اور تائین مفتوح اور باء مشدد مفتوح، میں بغور ملاحظہ کررہا تھا۔ **فاہ** : اس کی اصل فوہ ہے، تخفیف کے پیش نظر واؤ اور ہاء کو حذف کر کے اس کی جگہ میم لائی گئی اور یہاں اضافت کی وجہ سے میم ساقط ہوگئی، اور یہ اسمائے ستہ مکبرہ میں سے ہے، یعنی اس کا منہ۔ ھھنا: ادھر یعنی دائیں طرف۔ ھھنا: اُدھر، بائیں طرف۔ عنق: عین اور قاف مضموم، گردن۔

تشریح: مؤلف رحمہ اللہ نے حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے مختلف طرق نقل کر کے آداب اذان واضح کیے ہیں۔ اذان دیتے وقت ایک انگلی ایک کان میں ہونی چاہیے۔ لیکن حدیث میں یہ صراحت نہیں ہے کہ وہ انگلی کونسی تھی۔ امام نووی نے اس انگلی سے مراد انگشت شہادت مراد لی ہے۔ فطرت بھی اسی کی مؤید ہے، ؛**حی علی الصلاۃ** ؛اور ؛**حی علی الفلاح** ؛ کے وقت چہرا دائیں بائیں پھیرا

جائے تا کہ دائیں بائیں طرف رہنے والے افراد تک بھی نماز کی منادی پہنچ سکے۔

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ایک طریق میں ہے کہ میں نہ پوری طرح بیدار تھا اور نہ نیند میں تھا، اس دوران میں نے ایک شخص کو مسجد کے صحن میں کھڑے ہو کر اذان دیتے دیکھا درآنحالیکہ اس کی انگلیاں اس کے کانوں میں تھیں۔ یہ روایت یزید بن ابی زیاد کی وجہ سے ضعیف ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "اے بلال! اذان دیتے وقت اپنی انگلیاں کانوں میں رکھنا، اس طرح تیری آواز مزید بلند ہو جائے گی۔" یہ روایت عبدالرحمٰن بن سعد کی وجہ سے ضعیف ہے۔ بیہقی میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ انہوں نے ایک شخص کو دیکھا جس نے سبز رنگ کی دو چادریں پہن رکھی تھیں، اس نے قبلہ رخ کھڑے ہو کر پوری اذان کہی۔ یہ روایت منقطع ہے۔ یہ روایات اگرچہ ضعیف ہیں مگر شواہدات اس کے مؤید ہیں، یعنی یہ حقیقت ہے کہ کانوں میں انگلیاں رکھ کر اذان دینے سے آواز بلند ہو جاتی ہے، بہرہ اور دور سے مشاہدہ کرنے والا انسان سمجھ جاتا ہے کہ یہ شخص لوگوں کو نماز کیلئے بلا رہا ہے۔

فقہی احکام: (۱) اذان قبلہ رخ کھڑے ہو کر کانوں میں انگلیاں رکھ کر کہی جائے۔

(۲) حی علی الصلاۃ؛ اور حی علی الفلاح؛ کے وقت چہرہ دائیں اور بائیں پھیرا جائے۔

۱۸۳: وَعَنْ أَبِي مَحْذُورَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَعْجَبَهُ صَوْتُهُ ,فَعَلَّمَهُ الْآذَانَ . رَوَاهُ اِبْنُ خُزَيْمَةَ.

صحيح ابن خزيمة ،كتاب الصلاة، باب ترجيع في الآذان مع تثنية الاقامة: ۳۷۷، الدارمي: ۱/۲۱۷

۱۸۳: ابو محذورہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ کو ان کی آواز پسند آئی اور آپ ﷺ نے انہیں خود اذان کی تعلیم فرمائی۔ اسے ابن خزیمہ نے بیان کیا ہے۔

تشریح: اس مفصل حدیث کا خلاصہ اس طرح ہے کہ آپ ﷺ فتح مکہ کے بعد حنین کی طرف تشریف لے جا رہے تھے، اسی دوران ابو محذورہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے اذان کی آواز سنی، اور اسی انداز سے بلند آواز سے نقل اتارنے لگے، ان میں سے ایک کی آواز آپ ﷺ کو بہت پسند آئی، آپ ﷺ نے ان بیس افراد کو طلب فرمایا اور ان سے اذان سنی، آپ ﷺ کو حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کا انداز پسند آیا، اس بنا پر آپ ﷺ نے انہیں اذان سکھائی اور مسجد حرام کا مؤذن مقرر فرمایا۔ اس روایت کے جملہ رواۃ ماسوا عامر الاحول کے، تمام کے ماہرین فن کے نزدیک ثقہ ہیں، عامر کے بارے میں ماہرین فن مختلف آراء رکھتے ہیں۔

۱۸۴-۱۸۵: وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ الْعِيدَيْنِ ,غَيْرَ مَرَّةٍ وَلَا مَرَّتَيْنِ ,بِغَيْرِ أَذَانٍ وَلَا إِقَامَةٍ . رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَنَحْوُهُ فِي الْمُتَّفَقِ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما ,وَغَيْرُهُ .

صحيح مسلم، كتاب صلاة العيدين: ۸۸۶، ۸۸۷، ابو داود: ۱۱۴۷-۱۱۴۸، الترمذي: ۵۳۲، البخاري: ۹۵۹، ۹۶۰، البزار: ۶۵۷

۱۸۴-۱۸۵: حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی مکرم ﷺ کی معیت میں متعدد بار عیدین کی نماز بغیر اذان اور اقامت کے پڑھی۔ (مسلم) بخاری اور مسلم میں اسی کی مثل حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے بھی مروی ہے۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ عیدین کی نماز با جماعت ادا کی جائے لیکن لوگوں کو جمع کرنے کیلئے اذان اور اقامت کا اہتمام نہ کیا جائے۔

فقہی احکام: (۱) عیدین کی نماز باجماعت ادا کرنی چاہیے۔(۲) اذان اور اقامت کا اہتمام نہیں کرنا چاہیے۔

۱۸۶: **وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ فِي الْحَدِيثِ الطَّوِيلِ فِي نَوْمِهِمْ عَنِ الصَّلَاةِ ثُمَّ أَذَّنَ بِلَالٌ ,فَصَلَّى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ كَمَا كَانَ يَصْنَعُ كُلَّ يَوْمٍ . رَوَاهُ مُسْلِمٌ .**

مسلم، كتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب قضاء الصلاة الفائتة: ۶۸۱، ابوداود: ۴۳۷، ابن ماجة: ۶۹۸

۱۸۶: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے جس میں لشکر اسلام کے نیند سے اٹھنے کا ذکر ہے (جب وہ نیند سے بیدار ہوئے تو) حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی اور آپ ﷺ نے اسی طرح نماز پڑھی جس طرح آپ ﷺ ہر روز پڑھتے تھے۔(مسلم)

تشریح: غزوہ خیبر سے واپسی پر آپ ﷺ نے لشکر اسلام سمیت رات کے آخری حصہ میں پڑاؤ فرمایا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو جاگتے رہنے کا حکم دیا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کچھ دیر نفلی عبادت میں مصروف رہے بالآخر نیند ان پر بھی غالب آ گئی درآنحالیکہ سورج کی شعائیں رخ انور پر پڑنے لگیں، رسالت مآب ﷺ گھبرا کر اٹھے اور صحابہ کو رخت سفر باندھنے کا حکم دیا، تھوڑا سفر کرنے کے بعد قیام کیا، بلال نے اذان اور اقامت کہی، آپ ﷺ نے معمول کے مطابق نماز ادا فرمائی۔

اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ اگر کسی وجہ سے نماز کا وقت گزر بھی جائے تب بھی نماز کیلئے اذان اور اقامت کا اہتمام کیا جائے اور اگر ایک سے زائد نمازیں رہ جائیں تو پھر اذان کا اہتمام ایک بار کیا جائے ،لیکن اقامت ہر نماز کیلئے کہی جائے جیسا کہ آپ ﷺ نے غزوہ خندق کے موقع پر کیا تھا۔

فقہی احکام: (۱) فوت شدہ نماز کیلئے اذان اور اقامت کا اہتمام کیا جائے۔(۲) ایک سے زائد نمازیں فوت ہونے کی صورت میں اذان صرف ایک بار کہی جائے اور تکبیر ہر نماز کے شروع میں کہی جائے (۳) وہ مقام جہاں شیطان کا غلبہ ہوا سے چھوڑ کر کہیں اور چلے جانا چاہیے۔

۱۸۷: **وَلَهُ عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَتَى الْمُزْدَلِفَةَ فَصَلَّى بِهَا الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ ,بِأَذَانٍ وَاحِدٍ وَإِقَامَتَيْنِ .**

مسلم، كتاب الحج، باب حجة النبي: ۱۲۱۸، ابوداود: ۱۹۰۵، احمد: ۳۲۰/۳

۱۸۷: مسلم ہی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ مزدلفہ تشریف لائے، وہاں آپ ﷺ نے مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک اذان اور دو اقامتوں سے ادا فرمائیں۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ حج کے موقع پر مقام مزدلفہ پر پہنچ کر مغرب اور عشا کی نمازیں ایک ساتھ ادا کی جائیں۔ان دونوں کیلئے اذان ایک ہی ہو جبکہ تکبیر ہر ایک کیلئے الگ الگ ہونی چاہیے۔مزید تفصیل کتاب الحج میں ملاحظہ فرمائیں۔

فقہی احکام: (۱) مغرب اور عشا کی نمازیں مزدلفہ پہنچ کر ایک ساتھ ادا کی جائیں۔

(۲) جمع بين الصلاتين کیلئے اذان ایک ہی ہونی چاہیے اور اقامت ہر ایک کیلئے الگ الگ ہونی چاہیے۔

۱۸۸: **وَلَهُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِإِقَامَةٍ وَاحِدَةٍ . زَادَ أَبُو دَاوُدَ لِكُلِّ صَلَاةٍ وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ وَلَمْ يُنَادِ فِي وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا .**

مسلم، كتاب الحج، باب حج النبي ﷺ : ۱۲۱۸، باب الافاضة من عرفات الى المزدلفة: ۱۲۸۸، البخاري، كتاب الحج، باب من اذن و اقام لكل واحد منهما: ۱۶۷۵، كتاب الحج، باب من جمع بينهما و لم يتطوع: ۱۶۷۳، ابوداود: ۱۹۲۸، ۱۹۳۱، تهذيب السنن: ۴۰۱/۲

۱۸۸: مسلم ہی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک ہی اقامت سے ادا فرمائیں، ابوداؤد نے یہ اضافہ نقل کیا ہے کہ ہر نماز کے لیے (ایک تکبیر) اور ابوداؤد ہی کی ایک روایت میں ہے کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کے لیے اذان نہیں کہی گئی۔

تشریح: اس مسئلہ کے بارے میں تین طرح کی احادیث منقول ہیں۔(۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی روایت میں ہر نماز کیلئے الگ الگ اذان اور الگ اقامت کا ذکر ہے، امام مالک نے اسی کو اختیار کیا ہے۔(۲) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے دونوں نمازیں ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ ادا کیں۔(۳) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت دو طرق سے مروی ہے، ایک طریق میں کہ اقامت ہر ایک کیلئے الگ الگ کہی گئی اور اذان کسی ایک کیلئے بھی نہیں کہی گئی، جبکہ دوسرے طریق میں فقط ایک ہی تکبیر کے ساتھ دونوں نمازیں ادا کی گئیں۔ صاحب سبل السلام کا کہنا ہے کہ مثبت کو منفی پر تقدیم دی جائے تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث راجح ہوگی۔ عصر حاضر میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت پر عمل ہو رہا ہے اور جمہور کا عمل بھی اسی پر ہے۔

علامہ ابن قیم نے اس کے راجح ہونے کے دو سبب نقل کیے ہیں (۱) ابن عمر سے مروی روایات مضطرب ہیں اس لیے صحیح الاسناد ہونے کے باوجود ساقط العمل ہے، جبکہ حدیث ابن مسعود موقوف ہے، حدیث ابن عباس میں اذان کی نفی کے ساتھ ساتھ دو اقامتوں کا ذکر ہے، جبکہ حدیث جابر میں دو اقامتوں کے ساتھ اذان کا بھی ذکر ہے گویا ان کے پاس ایک چیز کا زائد علم ہے لہٰذا اسے قبول کیا جائے گا۔ (۲) حدیث جابر سے یہ واضح ہوا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ اس دوران آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔

۱۸۹: **وَعَنِ اِبْنِ عُمَرَ ,وَعَائِشَةَ رضی اللہ عنہما قَالَا، قَالَ رَسُولُ اَللَّهِ ﷺ " إِنَّ بِلَالاً يُؤَذِّنُ بِلَيْلٍ ,فَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يُنَادِيَ اِبْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ ,وَكَانَ رَجُلاً أَعْمَى لَا يُنَادِي ,حَتَّى يُقَالَ لَهُ أَصْبَحْتَ ,أَصْبَحْتَ " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي آخِرِهِ إِدْرَاجٌ .**

البخاري، كتاب الآذان، باب الآذان قبل الفجر: ۶۲۲، ۶۲۳، مسلم: ۱۰۹۲، الترمذي: ۲۰۳، النسائي: ۱۰/۲، احمد: ۱۲۳/۲، ابن خزيمة: ۴۰۱

۱۸۹: حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بلال رات میں اذان کہتے ہیں اس لیے تم اس وقت تک خورد و نوش کو جاری رکھ سکتے ہو، جب تک ابن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ اذان نہ دیں۔" ابن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ نابینا تھے وہ اس وقت تک اذان نہیں دیتے تھے جب تک انہیں یہ نہیں کہا جاتا تھا کہ تم نے تو صبح کر دی۔ (بخاری و مسلم) اس کے آخر میں ادراج ہے۔

لغوی تحقیق: اعمی: نابینا۔ ادراج: حدیث رسول کے ساتھ راوی کا اپنے الفاظ بیان کرنا ادراج کہلاتا ہے۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ فجر کی نماز سے پہلے دو دفعہ اذان دینا مسنون ہے لیکن دونوں اذانیں ایک شخص نہ دے بلکہ دو مختلف شخص دیں اور لوگوں کو بھی اس بات کی خبر ہو کہ پہلی اذان کون دیتا ہے اور دوسری کون دیتا ہے، تاکہ وہ آواز پہچان کر اپنے معمول کے کام کرتے رہیں۔ پہلی اور دوسری اذان کے درمیان بہت زیادہ وقفہ نہیں ہونا چاہیے

اس حدیث میں مذکور؛ اصبحت ، اصبحت ؛ آپ نے صبح کر دی، صبح کر دی، اس سے ہرگز یہ مراد نہیں کہ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ دیر سے اذان دیتے تھے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ صبح صادق نمودار ہونے پر خبر دینے والا خبر دیتا تھا کہ صبح صادق نمودار ہو چکی ہے اور وہ یہ خبر سنتے ہی اذان شروع کر دیتے تھے اور ان کی اذان سنتے ہی سحری کھانے والے سحری کھانا ترک کر دیتے تھے، اس روایت میں جو یہ کہا گیا ہے کہ عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نابینا شخص تھے، یہ اور اس کے بعد والے الفاظ آپ ﷺ کے نہیں بلکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے

یاامام زہری کے ہیں،اس لیے مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ کو مدرج قرار دیا ہے۔

فقہی احکام: (۱) فجر کی نماز سے پہلے ہر روز دو اذانیں دی جاسکتی ہیں۔(۲) ایک شخص ایک ہی اذان دے۔(۳) عوام کو اس بات کی اطلاع دی جائے، فجر کی اذان فلاں شخص دیتا ہے۔(۴) فجر کی اذان سنتے ہی سحری کھانے کا عمل ترک کر دینا چاہیے۔(۵) نابینا آدمی اذان دے سکتا ہے۔(۶) ایک مسجد میں ایک سے زائد مؤذن بھی مقرر کیے جاسکتے ہیں۔

۱۹۰: وَعَنِ اِبْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَنَّ بِلالاً أَذَّنَ قَبْلَ اَلْفَجْرِ ,فَأَمَرَهُ اَلنَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنْ يَرْجِعَ ,فَيُنَادِيَ أَلا إِنَّ اَلْعَبْدَ نَامَ . رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَضَعَّفَهُ .

ابو داود، کتاب الصلاۃ، باب الاذان قبل دخول الوقت: ۵۳۲، الدارقطنی: ۲۴۴/۱، البیھقی، کتاب الصلاۃ، باب روایۃ من روی النھی عن الآذان قبل الوقت: ۱۸۳۸

تنبیہ: ابوداؤد کے ایک نسخہ میں الاان العبد نام اور دوسرے میں الاان العبد قد نام ہے۔

۱۹۰: حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے صبح صادق کے نمودار ہونے سے پہلے اذان کہہ دی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ وہ واپس جا کر یہ اعلان کرے کہ بندہ نیند میں تھا۔

تشریح: یہ روایت حماد بن سلمہ سے متعدد طرق سے مختلف الفاظ سے منقول ہیں اور اس کے تین مفہوم ہو سکتے ہیں۔(۱) حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے وقت سے قبل اذان کہہ دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دوبارہ اذان کہنے کا حکم دیا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے دوبارہ اذان کہنے کے ساتھ ساتھ با آواز بلند از خود یہ منادی بھی کر دی کہ بندے سے ایسا اس لیے ہوا کہ وہ نیند میں تھا۔اس مفہوم کو موسیٰ بن اسماعیل سے مروی الفاظ مستر دکرتے ہیں، کیونکہ موسیٰ بن اسماعیل سے مروی روایت میں ؛**فرجع فنادیٰ الا ان العبد نام**؛ ہے،اس سے یہ واضح ہوا کہ ؛**الاان العبد نام**؛ کے الفاظ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے از خود نہیں کہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ الفاظ کہنے کا حکم دیا تھا۔(۲) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے کہا کہ دوبارہ اذان کہو، اور یہ اعلان بھی کرو کہ خوب غور سے سنو! بندہ نیند میں تھا۔(۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دوبارہ اذان کا حکم نہیں دیا بلکہ انہیں یہ حکم فرمایا کہ دوبارہ اسی مقام پر جا کر تین بار یہ اعلان کرو کہ بندہ نیند میں تھا جیسا کہ حمید سے مروی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا:"**راجع الی مقامک فناد ثلاثا الاان العبد قدنام**؛ راقم کے نزدیک یہ مفہوم درست ہے،اس لیے راقم نے یہی ترجمہ کیا ہے۔

امام ابوداؤد نے ؛**لم یرو الاحماد بن سلمة**؛ کہہ کر اس روایت کے ضعیف ہونے کا عندیا دیا ہے۔اس جملے سے اگر امام ابوداؤد کی مراد یہ ہے کہ کوئی ثقہ راوی حماد بن سلمہ کا متابع نہیں، تو پھر یہ جملہ بلا شبہ درست ہے، اور اگر اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ ایوب سے یہ روایت کوئی اور نقل نہیں کرتا، تو پھر یہ درست نہیں، کیونکہ سعید بن زربی نے بھی ایوب سے یہی الفاظ نقل کیے ہیں۔سعید بن زربی چونکہ ایوب سے مرویات میں ضعیف ہے اس لیے یہ متابعت مفید نہیں۔

امام علی بن مدینی فرماتے ہیں کہ اس روایت کے بیان کرنے میں حماد بن سلمہ سے غلطی ہوئی ہے۔امام بیہقی فرماتے ہیں کہ حماد بن سلمہ کا آخری عمر میں حافظہ کمزور ہو گیا تھا، اس لیے امام بخاری نے اس کی روایات کو (بطور حجت لینے سے) اجتناب کیا ہے۔ماہرین فن کے انہیں بیانات کی وجہ سے مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔واضح رہے کہ اس روایت کے جمیع طرق ضعیف ہیں۔

۱۹۱: وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ اَلْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اَللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم " إِذَا سَمِعْتُمُ اَلنِّدَاءَ ,فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ اَلْمُؤَذِّنُ "

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

البخاری، کتاب الاذان، باب ما یقول اذا سمع المنادی: ۶۱۱، مسلم: ۳۸۳، الترمذی: ۲۰۸، ابوداود: ۵۲۲، النسائی: ۲۳/۲، ابن خزیمة: ۲۱۵/۱

۱۹۱: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تم اذان سنو تو تم بھی وہی کلمات کہو جو کلمات مؤذن کہتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث میں اذان سننے والے کو ان تمام کلمات کے اعادہ کا حکم دیا گیا ہے، جو مؤذن کہتا ہے جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ؛**حی علی الصلاۃ** ؛اور **حی علی الفلاح**؛ کے جواب میں؛**لاحول ولاقوۃ الاباللہ** ؛ کہا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے مؤذن کے؛**اللہ اکبر اللہ اکبر** ؛کے جواب میں فرمایا:"**علی الفطرۃ** "اور **اشہد ان لا الہ الااللہ** " کے جواب میں فرمایا"**خرج من النار** "۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں ہے کہ مؤذن جب شہادتین کا اعلان کرتا تو آپ ﷺ سن کر فرماتے "انا ،انا"۔

اہل علم نے ان روایات کے مابین مختلف انداز سے تطبیق (موافقت پیدا کرنے) دینے کی کوشش فرمائی ہے۔ ابن منذر کا کہنا ہے کہ ؛**حی علی الصلاۃ** ؛اور **حی علی الفلاح**؛ کے جواب میں کبھی یہی کلمات دہرائے جائیں اور کبھی ان کے جواب میں؛**لا حول ولاقوۃ الاباللہ**؛ کہا جائے۔ بعض حنابلہ کا کہنا ہے کہ چونکہ یہاں خاص اور عام دونوں کو جمع کرنا ممکن ہے، لہٰذا ان کا جواب پہلے انہیں کلمات سے دیا جائے، پھر؛**لاحول ولاقوۃ الاباللہ** ؛کہا جائے۔ جبکہ جمہور اہل علم کا کہنا ہے، خاص کو عام پر ترجیح ہوگی یعنی دیگر کلمات تو وہی کہے جائیں گے مگر؛**حی علی الصلاۃ** ؛اور **حی علی الفلاح** ؛کے جواب میں؛**لاحول ولاقوۃ الاباللہ** ؛کہا جائے۔ راقم کے نزدیک حنابلہ کی رائے **اقرب الی الصواب** ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے بھی صحیح سند سے وہی الفاظ مروی ہیں، جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں۔ حضرت انس اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہما سے بھی ضعیف سند سے اسی کی مثل مروی ہے۔

فقہی احکام: (۱) اذان خاموشی سے سننی چاہیے۔ (۲) اذان کا جواب دینا چاہیے۔

۱۹۲: **وَلِلْبُخَارِيِّ عَنْ مُعَاوِيَةَ رضی اللہ عنہ مِثْلُهُ .**

البخاری، کتاب الآذان، باب مایقول اذا سمع المنادی: ۶۱۲، ۶۱۳، باب یجیب الامام علی المنبر اذا سمع النداء: ۹۱۴

۱۹۲: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت بھی اسی کی مثل ہے۔

تشریح: حضرت سہل بن حنیف کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ منبر پر تشریف فرما تھے، مؤذن نے اذان کہنا شروع کی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے **اللہ اکبر** کے جواب میں **اللہ اکبر** کہا اور شہادتین کے جواب میں ؛انا؛ کہا۔ ایک روایت میں ہے کہ پورا جملہ کہا اور ایک روایت میں ؛**حی علی الصلاۃ**؛ کے جواب میں ؛**لاحول ولاقوۃ الاباللہ**؛ کہا۔

فقہی احکام: (۱) امام بھی اذان کا جواب دے خواہ وہ منبر پر ہی کیوں نہ بیٹھا ہو۔ (۲) جمعہ کی اذان اس وقت شروع کی جائے جب امام منبر پر بیٹھ جائے۔ (۳) خطبہ شروع کرنے سے پہلے امام بات کرسکتا ہے۔

۱۹۳: **وَلِمُسْلِمٍ عَنْ عُمَرَ رضی اللہ عنہ فِي فَضْلِ اَلْقَوْلِ كَمَا يَقُولُ اَلْمُؤَذِّنُ كَلِمَةً كَلِمَةً ,سِوَى اَلْحَيْعَلَتَيْنِ ,فَيَقُولُ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ .**

مسلم، کتاب الصلاۃ، باب استحباب القول مثل قول المؤذن: ۳۸۵، ابن خزیمۃ: ۲۱۸/۱، ابوداود: ۵۲۳، ابن ماجۃ: ۷۱۸،
مسند احمد: ۹/۲، المقصد العلی: ۲۱۵

۱۹۳: مسلم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اذان کے ہر ہر کلمہ کا وہی جواب دینے کی فضیلت کے بارے میں حدیث مروی ہے "**حی علی الصلاۃ**"اور"**حی علی الفلاح** "ان کے جواب میں سامع"**لا حول و لا قوۃ الا باللہ**" کہے۔

تشریح: **حی علی الصلاۃ** ؛اور؛**حی علی الفلاح** ؛کے جواب میں؛**لاحول و لاقوۃ الا باللہ**؛ کہنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح حدیث سے بھی ثابت ہے، اسی کی مؤید روایت حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔لیکن یہ روایت عاصم بن عبیداللہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

۱۹۴: **وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي الْعَاصِ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ اجْعَلْنِي إِمَامَ قَوْمِي قَالَ "أَنْتَ إِمَامُهُمْ ,وَاقْتَدِ بِأَضْعَفِهِمْ ,وَاتَّخِذْ مُؤَذِّنًا لَا يَأْخُذُ عَلَى أَذَانِهِ أَجْرًا " أَخْرَجَهُ الْخَمْسَةُ ,وَحَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ ,وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ .**

ابوداود، کتاب الصلاۃ، باب اخذ الاجر علی التاذین: ۵۳۱، ابن خزیمۃ: ۲۲۱/۱، النسائی: ۲۳/۲، احمد: ۲۱۷/۴، البیہقی: ۲۰۵۷، ۲۰۵۸، الحاکم: ۱۹۹/۱، الترمذی: ۲۰۹، محلی لابن حزم: ۱۴۵/۳، التنقیح: ۷۱۸/۱، ابن ماجۃ: ۷۰۸، ۷۱۴، ۹۸۷، ۹۸۸، عبد الرزاق: ۴۸۱/۱-۴۸۳، البخاری، کتاب الطب، باب الشروط فی الرقیۃ بفاتحۃ الکتاب: ۵۷۳۷

۱۹۴: حضرت عثمان بن ابی عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! مجھے میری قوم کا امام مقرر فرما دیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:" آپ ان کے امام ہو، ان کے کمزور لوگوں کا خیال رکھنا اور ایک ایسا مؤذن مقرر کر لینا جو اذان دینے کی اجرت نہ لے۔"اسے پانچوں نے روایت کیا ہے امام ترمذی نے اسے حسن اور امام حاکم نے صحیح کہا ہے۔

لغوی تحقیق: **اجعلنی**: اجعل فعل امر ہے، آخر میں یائے متکلم ہے، یاءِ متکلم کا ماقبل مکسور ہونا چاہیے تھا جبکہ فعل کے آخر میں کسرہ بطور اعراب آنا ممنوع ہے، اس لیے فعل اور یائے متکلم کے درمیان نون وقایہ لے آئے۔ اسے نون وقایہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ فعل کو جر سے بچاتا ہے۔**اقتد**: فعل امر ہے، اس کے لفظی معنی پیروی کرنے کے ہیں لیکن یہاں اس سے مراد کمزور حضرات کے جذبات کا احترام کرنا ہے۔

تشریح: اس روایت کو امام حاکم نے صحیح قرار دیا ہے اور امام ذہبی نے امام حاکم کے فیصلے پر مہر تصدیق ثبت کی ہے۔ اسے امام ابوداؤد، امام ابن خزیمہ، امام نسائی اور امام احمد نے حماد بن سلمہ عن الجریری کے طریق سے نقل کیا ہے، حماد بن سلمہ اور سعید بن ایاس الجریری دونوں بزرگ آخری عمر میں اختلاط کا شکار ہو گئے تھے۔ اس بات کی صراحت تو اہل فن نے کی ہے کہ حماد بن سلمہ کا سعید بن ایاس الجریری سے سماع قدیم ہے، لیکن اس بات کی صراحت راقم کو بسیار کوشش کے نہیں مل سکی کی حماد بن سلمہ کے کن کن تلامذہ کا سماع ان سے قدیم ہے، لہٰذا جب تک یہ صراحت نہ ہو جائے اس وقت تک اس روایت پر صحیح یا حسن کا حکم لگانا درست نہیں، کیونکہ اس روایت کے بیان کرنے میں حماد بن سلمہ کا کوئی متابع نہیں۔

امام ابوداؤد نے قبل از فجر اذان کہنے سے متعلق حماد بن سلمہ سے مروی حدیث کو؛**لم یرو الاحماد بن سلمۃ**؛ کہہ کر اس کے ضعیف ہونے کا عندیہ دیا ہے ۔امام ابن ماجہ اور امام ترمذی نے یہی حدیث اشعث عن الحسن کے طریق سے نقل کی ہے اور امام ترمذی نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے، اشعث بن سوار اور اشعث بن عبدالملک نام کے دو معاصر گزرے ہیں، دونوں کے مشائخ بھی تقریباً مشترک ہیں، اس لیے یہ تعین کرنا خاصا مشکل ہے کہ یہاں اشعث سے مراد کونسا اشعث ہے، امام ابن حزم نے اسے اشعث بن عبدالملک قرار دیا

ہے جبکہ حافظ عبد الھادی نے اشعث بن سوار کہا ہے، مقدم الذکر ثقہ ہے اور دوسرا ضعیف ہے، اس لیے اس روایت پر بھی حکم لگانے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

امام ابن ماجہ نے عثمان بن ابی العاص سے مروی اس روایت کو مزید اور دو طرق سے نقل کیا ہے، ان طرق کے الفاظ اس سے بالکل مختلف ہیں۔ اشعث کے طریق میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے آخری عہد یہ لیا کہ میں ایسے آدمی کو مؤذن مقرر کروں جو اذان کی اجرت کا طالب نہ ہو، جبکہ شعبہ اور سعید بن ابی ہند کے طریق میں ہے کہ آپ ﷺ نے مجھ سے آخری عہد یہ لیا کہ جب میں امامت کے فرائض ادا کرو تو انہیں مختصر نماز پڑھاؤ۔

اس کی مؤید ایک موقوف روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے امام عبدالرزاق اور امام طحاوی نے یحییٰ بن مسلم البکاء کے طریق سے نقل کی ہے، یہ روایت بھی ضعیف ہے۔ کیونکہ یحییٰ بن مسلم البکاء تمام نامور ماہرین فن کے نزدیک ضعیف ہے۔ جس طرح اذان کی اجرت لینے کے عدم جواز کے بارے میں روایات ہیں اسی طرح اذان کی اجرت لینے کے بارے میں بھی روایات موجود ہیں۔

(۱) امام بیہقی اور امام ابن ماجہ نے عبدالعزیز بن عبدالملک کے طریق سے حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ سے یہ نقل کیا ہے کہ جب میں اذان سے فارغ ہوا تو آپ ﷺ نے مجھے ایک تھیلی عطا فرمائی، جس میں چاندی کی کوئی چیز تھی۔ یہ روایت عبدالعزیز بن عبدالملک کی وجہ سے ضعیف ہے۔

(۲) اس کی مؤید ایک موقوف روایت امام عبدالرزاق نے بیان کی ہے۔ جس میں یہ صراحت ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مؤذن کو وظیفہ دیا کرتے تھے۔ یہ روایت اسحاق بن عبداللہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

امام شافعی مؤذن کو وظیفہ دینے کے قائل ہیں۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ امام شافعی نے اس کے جواز کیلئے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جس میں یہ مرقوم ہے کہ آپ ﷺ نے ایک خاتون کا نکاح قرآن حکیم کی ایک سورۃ کی تعلیم دینے کے عوض میں پڑھا تھا۔

امام بیہقی نے صحیح بخاری میں مروی اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "سب سے زیادہ اجرت لینے کے لائق تو اللہ کی کتاب ہے۔"

فقہی احکام: (۱) اذان دینے پر وظیفہ لینا ممنوع نہیں۔ البتہ بغیر معاوضہ کے اذان دینا مستحسن ہے۔

(۲) امام کی تقرری کیلئے درخواست دینا جائز ہے۔ (۳) کمزور اور بیمار لوگوں کا خیال رکھنا امام کے فرائض میں شامل ہے۔

۱۹۵: وَعَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ لَنَا اَلنَّبِيُّ ﷺ " إِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ " اَلْحَدِيثَ أَخْرَجَهُ اَلسَّبْعَةُ .

البخاری، كتاب الاذان، باب من قال ليؤذن في السفر مؤذن واحد: ٦٢٨، ٦٣٠، ٦٣١، مسلم، كتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب من احق بالامامة: ٦٧٤، ابوداود: ٥٨٩، الترمذی: ٢٠٥، النسائی: ٢/٨، ٩، ابن ماجة: ٩٧٩، احمد: ٥/٥٣

۱۹۵: حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں ہدایت فرمائی کہ جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے کوئی ایک تمہارے لیے اذان کہہ دے۔ مختصراً۔ اسے ساتوں نے بیان کیا ہے۔

تشریح: مالک بن حویرث چند نوجوانوں کے ساتھ تعلیم دین کیلئے رحمت عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیس دن تک تعلیم دین میں مصروف رہے۔ نوجوانوں کا یہ قافلہ جب واپس جانے لگا تو رحمت عالم ﷺ نے انہیں نماز سے متعلق چند ہدایات

فرمائیں۔(۱) نماز ہمیشہ اسی طرح پڑھنا جس طرح تم نے مجھے پڑھتے دیکھا ہے۔(۲) اپنے علاقہ والوں کو نماز کی تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ انہیں اپنے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم دینا۔(۳) جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے کوئی ایک اذان کہہ دے لیکن امامت کے فرائض وہ سرانجام دے جو تم میں سے عمر میں زیادہ ہو۔

اس قسم کی روایات حضرت ابوذر، حضرت ابوقتادہ، حضرت ابی جحیفہ، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عمرو بن ابی امیہ ضمری رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم آپ ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے، مؤذن نے ظہر کی اذان دینے کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے فرمایا "موسم ٹھنڈا ہونے دو۔"

فقہی احکام: (۱) دوران سفر نماز کا وقت ہو جائے تو اذان کہہ کر باجماعت نماز ادا کرنا مسنون ہے۔

(۲) اذان کوئی بھی کہہ سکتا ہے لیکن امامت کا حق سب سے بڑے کا ہے۔

۱۹۶: وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اَللَّهِ ﷺ قَالَ لِبِلَالٍ " إِذَا أَذَّنْتَ فَتَرَسَّلْ ,وَإِذَا أَقَمْتَ فَاحْدُرْ ,وَاجْعَلْ بَيْنَ أَذَانِكَ وَإِقَامَتِكَ قَدْرَ مَا يَفْرُغُ اَلْآكِلُ مِنْ أَكْلِهِ " اَلْحَدِيثَ رَوَاهُ اَلتِّرْمِذِيُّ وَضَعَّفَهُ .

الترمذی ،ابواب الصلاۃ، باب ماجاء فی ترسیل فی الاذان: ۱۹۵، البیھقی: ۲۰۴۷ - ۲۰۵۱، الدارقطنی: ۲۳۸/۱،

المعجم الاوسط للطبرانی: ۵۰۲۶، میزان الاعتدال: ۳۳۹/۵

۱۹۶: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "جب تم اذان کہو تو ٹھہر ٹھہر کر کہو اور اقامت تیزی سے کہو، اذان اور اقامت کے درمیان اتنا وقفہ کرنا جتنے وقفہ میں کھانا کھانے والا کھانا کھا کر فارغ ہو جاتا ہے۔" مختصراً۔ اسے ترمذی نے بیان کیا ہے اور اسے ضعیف کہا ہے۔

تشریح: اس روایت کا مرکزی راوی عبدالمنعم بن نعیم ہے۔ اسے متعدد ماہرین فن نے ضعیف کہا ہے۔ عبدالمنعم یہ روایت یحیٰ بن مسلم سے کبھی براہ راست نقل کرتا ہے اور کبھی عمرو بن فائد کے واسطے سے نقل کرتا ہے، عبدالمنعم کے یہ دونوں شیخ بھی ضعیف ہیں اور یہ خود متروک ہے، اسی بنا پر اس روایت کو امام نووی اور حافظ ابن عبدالھادی نے ضعیف قرار دیا ہے۔ اسی مفہوم کی روایت حضرت علی، حضرت ابوہریرہ، حضرت جابر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کو امام دارقطنی نے سوید بن غفلہ کے طریق سے نقل کیا ہے۔ اس سند میں واقع عمرو بن شمر نامی راوی کے بارے میں امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ یہ من گھڑت روایات کو ثقہ رواۃ کی طرف منسوب کر دیتا تھا۔

امام طبرانی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہی روایت سعید بن علقمہ کے طریق سے نقل کی ہے۔ امام طبرانی کی سند میں دو مقامات پر تصحیف ہوئی ہے۔(۱) سوید بن غفلہ کی جگہ سعید بن علقمہ درج ہو گیا ہے۔ جبکہ عمرو بن شمر کی جگہ عمر بن بشیر لکھ دیا گیا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سعید بن علقمہ نام کا کوئی راوی روایت بیان نہیں کرتا۔(۲) عمرو بن شمر ہی وہ راوی ہے جو عمران بن مسلم عن سوید بن غفلہ عن علی کے طریق سے روایات نقل کرتا ہے۔(۳) امام طبرانی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت فقط اسی ایک سند سے منقول ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کو امام بیہقی نے صبیح بن عمر کے طریق سے نقل کیا ہے، اسے امام ازدی نے لین (ضعیف) قرار دیا ہے اور امام بیہقی نے مجہول ہونے کا عندیہ دیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو امام بیہقی اور امام الدارقطنی نے عبدالعزیز

بن مہران کے طریق سے نقل کیا ہے اور یہ شخص مجہول ہے۔حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کو امام بیہقی نے عبدالمنعم کے طریق سے نقل کیا ہے۔عبدالمنعم بھی ضعیف ہے۔

۱۹۷: وَلَهُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ " لَا يُؤَذِّنُ إِلَّا مُتَوَضِّىءٌ " وَضَعَّفَهُ أَيْضًا .

الترمذی ، ابواب الصلاة، باب ما جاء فی کراھیة الاذان بغیر وضوء: ۲۰۰ ، ۲۰۱، البیھقی: ۳۹۲/۱، ۳۹۷،

نصب الرایة: ۲۹۲/۱ ، الخلاصة للنووی: ۲۸۱/۱، الجرح والتعدیل: ۱۹۴/۵

۱۹۷: ترمذی ہی میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا:"وضو کے بغیر کوئی شخص اذان نہ کہے۔"اس روایت کو بھی امام ترمذی نے ضعیف قرار دیا ہے۔

تشریح: زیر مطالعہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع اور موقوف دونوں طرح سے منقول ہے۔مرفوع طریق کے الفاظ تو وہی ہیں جو مؤلف رحمہ اللہ نے نقل کئے ہیں جبکہ موقوف روایت میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا،اذان فقط باوضو آدمی کہے۔امام ترمذی نے موقوف طریق کو مرفوع کے مقابلے میں زیادہ صحیح قرار دیا ہے۔

مرفوع روایت کے ضعیف ہونے کے اسباب درج ذیل ہیں۔

(۱)امام زہری کا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں۔(۲) معاویہ بن یحییٰ کو بعض نامور ماہرین فن نے ضعیف قرار دیا ہے۔(۳) ولید بن مسلم مدلس راوی ہے، اس نے یہ روایت عن سے نقل کی ہے۔

موقوف روایت میں اگرچہ مرفوع روایت کے مقابلے میں ضعف کے علل کم ہیں تاہم وہ بھی ضعیف ہے۔اس کی مؤید ایک مرفوع روایت حضرت وائل رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے مگر وہ روایت بھی ضعیف ہے کیونکہ عبدالجبار بن وائل نے اپنے باپ سے کچھ نہیں سنا۔اسی مضمون کی ایک مرفوع روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے اور یہ روایت عبداللہ بن ہارون کی وجہ سے ضعیف ہے کیونکہ امام دارقطنی نے اسے متروک اور امام حاکم نے منکر الحدیث کہا ہے۔امام عبدالرحمٰن بن ابی حاتم کا کہنا ہے کہ وہ متکلم فیہ ہے۔

فقہی احکام: اذان کہنے والے کیلئے باوضو ہونا ضروری نہیں البتہ باوضو ہو کر اذان کہنا مستحب ہے۔

۱۹۸: وَلَهُ عَنْ زِيَادِ بْنِ الْحَارِثِ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ " وَمَنْ أَذَّنَ فَهُوَ يُقِيمُ "وَضَعَّفَهُ أَيْضًا.

الترمذی ، ابواب الصلاة، باب ما جاء ان من اذان فھو یقیم: ۱۹۹ ، ابوداود: ۵۱۴، ابن ماجة: ۷۱۷، احمد: ۱۶۹/۴ ،مصنف عبد الرزاق: ۴۷۵/۴، البیھقی: ۱۵۲/۲ ، الطبرانی: ۳۳۲/۱۲

۱۹۸: ترمذی میں حضرت زیاد بن حارث رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"جو اذان کہے، اقامت بھی وہی کہے۔"اس روایت کو بھی امام ترمذی نے ضعیف کہا ہے۔

تشریح: اس روایت کا مرکزی راوی عبدالرحمٰن بن زیاد افریقی ہے، اسے نامور ماہرین فن نے ضعیف قرار دیا ہے۔تاہم بعض نے اس کی توثیق بھی کی ہے بنابریں امام حازمی نے اس روایت کو حسن کہا ہے،لیکن زیادہ تر اہل علم نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

اسی مفہوم کی ایک روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے، اس روایت کا مرکزی راوی سعید بن راشد ہے، اس حدیث کو امام ابو حاتم رازی نے منکر اور سعید کو ضعیف قرار دیا ہے۔

امام بخاری نے اس پر سخت جرح فرمائی ہے۔اسی طرح کی ایک روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے، اس روایت کا

مرکزی راوی محمد بن فضل بن عطیہ ہے، اس پر جھوٹا ہونے کا الزام ہے، اس لئے اس کی مرویات موضوع کے قریب تر ہیں۔

زیر بحث مسئلہ مختلف فیہ ہے، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اکثر اہل علم کا اس پر عمل ہے کہ جواذان کہے، تکبیر وہی کہے، اور بعض کا خیال ہے کہ دوسرا شخص تکبیر کہہ سکتا ہے، اس سلسلے میں بھی ایک ضعیف روایت منقول ہے۔ روایات چونکہ دونوں طرف ضعیف ہیں اگر چہ ایک موقف کی مؤید روایت زیادہ موجود ہیں تاہم یہی کہا جاسکتا ہے کہ دونوں صورتیں جائز ہیں۔

فقہی احکام: بہتر یہی ہے کہ جواذان کہے وہی تکبیر کہے لیکن اگر کوئی دوسرا شخص کہہ دے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

۱۹۹: وَلِأَبِي دَاوُدَ فِي حَدِيثِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ رضی اللہ عنہما أَنَّهُ قَالَ أَنَا رَأَيْتُهُ يَعْنِي الْأَذَانَ وَأَنَا كُنْتُ أُرِيدُهُ قَالَ فَأَقِمْ أَنْتَ وَفِيهِ ضَعْفٌ أَيْضًا.

ابوداود، کتاب الصلاۃ، باب فی الرجل یؤذن و یقیم آخر: ۵۱۲، مسنداحمد: ۴۲/۴، البیھقی: ۱۵۲/۱، التنقیح: ۲۹۰/۱، الاحکام الوسطیٰ: ۸۳/۲، ۸۴، بیان الوھم والایھام: ۳۴۸/۳

۱۹۹: ابوداؤد میں حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے اذان کوخواب میں دیکھا اور میری تمنا تھی، کہ اذان میں کہوں، لیکن آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ:"تم اقامت کہہ لینا۔" اس روایت میں بھی کمزوری ہے۔

تشریح: اس روایت کا مرکزی راوی محمد بن عمرو الانصاری ہے، اسے محمد بن عمرو الواقفی بھی کہا جاتا ہے۔ اسے اگر چہ امام ابن حبان نے ثقہ کہا ہے، تاہم متعدد ماہرین فن کے نزدیک ضعیف ہے۔ عبدالحق اشبیلی نے اس روایت کو معلول قرار دیا ہے، اور امام ابن قطان نے اس کے مختلف طرق نقل کر کے اسے ضعیف کہا ہے۔

۲۰۰: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ "الْمُؤَذِّنُ أَمْلَكُ بِالْأَذَانِ ,وَالْإِمَامُ أَمْلَكُ بِالْإِقَامَةِ" رَوَاهُ ابْنُ عَدِيٍّ وَضَعَّفَهُ.

الکامل لابن عدی: ۱۲/۴، العلل للدارقطنی: ۱۹۶۸، البیھقی: ۲۰۶۱، مشکل الآثار: ۵۵/۳، التلخیص: ۲۱۱/۱، کنز: ۲۰۹۶۳

۲۰۰: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"مؤذن اذان کہنے کا زیادہ حق دار ہے اور امام اقامت کا زیادہ حق دار ہے۔ اس روایت کو ابن عدی نے بیان کیا ہے اور ضعیف کہا ہے۔

لغوی تحقیق: املک: ملک سے اسم تفضیل کا صیغہ ہے یعنی زیادہ حقدار ہے۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث میں مؤذن کو اذان کہنے پر مکمل اختیار دیا گیا ہے۔ یعنی جیسے ہی اذان کا وقت ہو جائے وہ اذان کہہ دے، اس سلسلہ میں اسے کسی سے اجازت لینے یا کسی کا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں، البتہ اس کی اذان پر سحری وافطاری کا انحصار بھی ہے، اس لئے اس سلسلہ میں اسے خوب محتاط ہونا چاہیے۔

اس روایت کا مرکزی راوی شریک بن عبداللہ القاضی ہے، موصوف اگر چہ ثقہ ہیں، تاہم عہدہ قضا پر فائز ہونے کے بعد ان سے اکثر اغلاط کا صدور ہونے لگا تھا، اس لئے بعض ماہرین فن نے اس کی مرویات کو اس وقت تک قبول کرنے سے احتراز کیا ہے جب تک اس کا کوئی متابع انہیں نظر نہیں آتا۔ زیر مطالعہ روایت کے ضعیف ہونے کی علت بھی حافظ ابن عدی نے یہی لکھی ہے۔ امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ شریک بن عبداللہ نے اعمش سے الفاظ حدیث نقل کرنے میں اپنے ساتھیوں کی مخالفت کی ہے۔ امام بیہقی نے بھی اس حدیث کو غیر محفوظ قرار دیا ہے۔ یہ روایت اعمش سے ابی صالح کے طریق سے مختلف الفاظ سے منقول ہے۔

اس روایت کے ضعیف ہونے کی علت یہ بھی ہے کہ امام اعمش نے اسے معنعن نقل کیا ہے اور اعمش تدلیس میں معروف ہیں، یہاں بھی اعمش نے تدلیس سے کام لیا ہے کیونکہ انہوں نے یہ روایت براہ راست ابوصالح سے نہیں سنی بلکہ ایک مجہول شخص کے واسطہ سے سنی ہے، جیسا کہ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ یہ بات یقینی ہے کہ اعمش نے یہ حدیث براہ راست ابوصالح سے نہیں سنی۔

۲۰۱: **وَلِلْبَيْهَقِيِّ نَحْوُهُ عَنْ عَلِيٍّ** رضی اللہ عنہ **مِنْ قَوْلِهِ .**

البيهقى: ۱۹/۲ ، عبدالرزاق: ۱/۴۷۶، التلخيص: ۱/۲۱۱

۲۰۱: امام بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اسی طرح کی ایک موقوف روایت نقل کی ہے۔

تشریح: امام بیہقی نے اس روایت کو صحیح سند سے نقل کیا ہے

فقہی احکام: (۱) مؤذن کو اذان دینے سے پہلے کسی سے اجازت لینا ضروری نہیں۔ (۲) اذان وقت پر دے گا۔ (۳) کسی کا انتظار نہیں کرے گا۔ (۴) اقامت امام کی اجازت یا اسے دیکھے بغیر کہنا درست نہیں۔ (۵) امام اگر چاہے تو مؤذن کے علاوہ کسی اور کو بھی اقامت کہنے کا حکم دے سکتا ہے۔

۲۰۲: **وَعَنْ أَنَسٍ** رضی اللہ عنہ **قَالَ، قَالَ رَسُولُ اَللَّهِ** ﷺ **" لَا يُرَدُّ اَلدُّعَاءُ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ " رَوَاهُ النَّسَائِيُّ ,وَصَحَّحَهُ اِبْنُ خُزَيْمَةَ .**

عمل اليوم و الليلة للنسائى: ۶۸، ابوداود، كتاب الصلاة، باب ماجاء فى الدعاء بين الاذان والاقامة: ۵۲۱، الترمذى: ۲۱۲، احمد: ۱۱۹/۳، ۱۵۵، الاحكام الاوسطى: ۱/۳۰۶، بيان الوهم والايهام: ۵/۲۲۷، ابن خزيمة: ۱/۲۲۲، الحاكم: ۱/۱۹۹، المقصد العلىٰ: ۲۱۸، مجمع الزوائد: ۱/۳۳۹، البيهقى: ۱۹۷۵

۲۰۲: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اذان اور اقامت کے مابین کی گئی دعا مسترد نہیں ہوتی۔ اسے نسائی نے بیان کیا ہے اور امام ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مختلف طرق سے مروی ہے، مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے جو الفاظ ذکر کئے ہیں ان الفاظ کے ساتھ اس روایت کو امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام احمد، امام بیہقی اور امام نسائی نے عمل الیوم واللیلۃ میں زید العمی کے طریق سے نقل کیا ہے۔ امام ترمذی نے ترمذی کے ایک نسخہ میں اس روایت کو فقط حسن لکھا ہے اور ایک میں حسن صحیح لکھا ہے۔ امام عبدالحق اشبیلی نے امام ترمذی کی تحسین سے اتفاق کیا ہے۔ علامہ ناصر الدین البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی اس روایت کا ایک طریق بلاشبہ صحیح ہے لیکن جس طریق سے درج بالا ائمہ نے اسے نقل کیا ہے، وہ طریق ضعیف ہے کیونکہ اس طریق کا مرکزی راوی زید العمی ہے۔ اسے بیشتر نامور ماہرین فن نے ضعیف قرار دیا ہے۔

حافظ ابن قطان اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ روایت زید العمی کی وجہ سے ضعیف ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا ضعیف کہنے والوں کے قول کے ساتھ اتفاق ہے۔ امام ابن خزیمہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کو برید بن ابی مریم کے طریق سے نقل کیا ہے۔ اس طریق کو امام ابن قطان نے صحیح قرار دیا ہے۔ امام حاکم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی اس روایت کو حمید الطّویل کے طریق سے نقل کیا ہے۔ اس طریق کا مرکزی راوی فضل بن مختار ہے۔ امام ابوحاتم رازی نے اس کی مرویات کو باطل اور امام ابن عدی اور رازی نے منکر قرار دیا ہے۔ امام ابویعلی نے اسے یزید الرقاشی کے طریق سے نقل کیا ہے۔ یہ طریق یزید الرقاشی کی وجہ سے ضعیف ہے۔

فقہی احکام: (۱) اذان اور اقامت کے دوران دعا قبول ہوتی ہے۔

(۲) بنابریں اس دوران اللہ تعالیٰ سے خصوصاً گناہوں کی بخشش اور دارین کی عافیت کا سوال کرنا چاہیے

۲۰۳: وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اَللَّهِ ﷺ قَالَ "مَنْ قَالَ حِينَ يَسْمَعُ اَلنِّدَاءَ ، اَللَّهُمَّ رَبَّ هَذِهِ اَلدَّعْوَةِ اَلتَّامَّةِ , وَالصَّلَاةِ اَلْقَائِمَةِ ,آتِ مُحَمَّدًا اَلْوَسِيلَةَ وَالْفَضِيلَةَ ,وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُودًا اَلَّذِي وَعَدْتَهُ ,حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ اَلْقِيَامَةِ " أَخْرَجَهُ اَلْأَرْبَعَةُ .

البخاری، کتاب الاذان، باب الدعاء عند النداء: ۶۱۴، ابوداود: ۵۲۹، الترمذی: ۲۱۱، النسائی: ۱/۲۷،ابن خزیمة: ۱/۲۲۰، ابن ماجة: ۷۲۲، مسنداحمد: ۳۵۴/۳، صحیح مسلم: ۳۸۶/۱۳

تنبیہ: (۱) یہ حدیث بلوغ المرام کے بعض نسخوں میں موجود نہیں۔(۲) بعینہٖ انہی الفاظ کے ساتھ یہ حدیث بخاری، مسلم اور مسند احمد میں بھی ہے، معلوم نہیں کی یہاں تسامح مؤلف رحمہ اللہ سے ہوا ہے یا کسی کاتب یا ناسخ سے تصحیف ہوئی ہے کہ اس نے السبعۃ کی جگہ الاربعہ لکھ دیا ہے۔

۲۰۳: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " جس شخص نے اذان سن کر یہ کہا، اے اللہ! اس مکمل دعا اور قائم رہنے والی نماز کے رب! محمد ﷺ کو وسیلہ اور فضیلت عطا فرما، اور جس مقام محمود کا آپ نے وعدہ کیا ہے اس پر محمد ﷺ کا فائز فرما، قیامت کے روز اس کے لیے شفاعت جائز ہو جائے گی۔" اسے چاروں نے روایت کیا ہے۔

لغوی تحقیق: **النداء**:اذان۔رب: منادی سے بدل ہونے کی وجہ سے باء منصوب ہے۔ **الدعوة**:دال مفتوح اور عین ساکن، یہاں اس سے مراد اذان ہے، لیکن دعوت توحید بھی مراد ہو سکتی ہے کیونکہ توحید ہی بغیر کسی تغیر وتبدل کے ازل سے ابد تک رہے گی۔ جبکہ شرک سراپا نقصان ہے۔**الوسیلة**: جس کے ذریعے کسی بڑے کا تقرب حاصل کیا جائے، جنت کے ایک عالی شان محل کا نام بھی ہے، بعض کا خیال ہے کہ اس سے مراد شفاعت کبری ہے، جو آپ ﷺ روز محشر فرمائیں گے۔**الصلاة القائمة** :اس سے مراد نماز بھی ہو سکتی ہے اور دائمی دعا بھی ہو سکتی ہے۔**مقاما محموداً** :وہ مقام جہاں سجدہ زن ہو کر رحمت عالم ﷺ شفاعت کبریٰ فرمائیں گے۔**الذی وعدته**: جس کا تو نے وعدہ کیا ہے، اس وعدہ سے مراد وہ وعدہ بھی ہو سکتا ہے جو سورۃ اسراء کی آیت ۷۹ میں مذکور ہے۔حلت: حلال ہو جائے گی یعنی واجب ہو جائے گی۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث سے واضح ہوا کہ اذان سننے کے بعد یہ دعا پڑھی جائے، یہ دعا اگرچہ نہایت مختصر ہے مگر اس قدر جامع ہے کہ اس میں کسی قسم کے اضافہ کی ضرورت نہیں، مگر اس کے باوجود فہم وفراست سے عاری حضرات نے اس دعا میں ؛**الدرجةالرفيعة**؛ کا جملہ شامل کر دیا ہے حالانکہ یہی مفہوم لفظ ؛**الفضيلة**؛ مکمل طور پر ادا کر رہا ہے۔ یہ دعا جامع ہونے کا ساتھ ساتھ باعث فضیلت ہے، جیسا کہ خود رحمت عالم ﷺ کا فرمان ہے کہ "جو مؤمن یہ دعا، اذان سننے کے بعد پڑھے گا اس کیلئے روز محشر میری شفاعت مؤثر ہوگی۔"

اذان کے بعد دعا سے متعلق متعدد احادیث مذکور ہیں اور بعض کے الفاظ قدر مختلف ہیں اور بعض طرق ضعیف بھی ہیں۔اس لئے ان طرق میں مذکور الفاظ کو پڑھنے سے گریز کرنا چاہیے۔البتہ صحیح طرق میں جو الفاظ موجود ہیں وہ ضرور پڑھنے چاہیے مثلاً اذان کے بعد رحمت عالم ﷺ پر درود پڑھنا بھی مسنون ہے اور بعض طرق میں درج ذیل کلمات پڑھنے کی تعلیم بھی دی گئی ہے؛**اشهد ان لا اله الاالله وحده لاشريک له و اشهدان محمداً عبده ورسوله ،رضيت بالله رباً وبمحمد رسولاً وبالاسلام ديناً** ؛یہ کلمات

کہنے والے کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں لیکن ان کلمات کو شھادتین کے جواب میں پڑھنا زیادہ اولیٰ ہے، کیونکہ صحیح مسلم کے ایک طریق سے یہی اشارہ ملتا ہے۔

فقہی احکام: (۱)اذان کے بعد کا وقت دعا کی قبولیت کا وقت ہے۔(۲)اذان کے بعد درود اور دعا پڑھنا مسنون ہے۔(۳) آپ ﷺ کیلئے اذان کے بعد وسیلۃ کا طلب کرنا مؤمن پر واجب ہے۔(۴) دعا پڑھنے والے کیلئے آپ ﷺ سفارش فرمائیں گے۔ (۵) آپ ﷺ کی سفارش یقیناً مؤثر ہوگی۔(۶) ادنیٰ، اعلیٰ کیلئے دعا کرسکتا ہے۔

۳۔ بَابُ شُرُوْطِ الصَّلَاةِ نماز کی شرائط کا بیان

۲۰۴: عَنْ عَلِيِّ بْنِ طَلْقٍ رضي الله عنه قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ " إِذَا فَسَا أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلْيَنْصَرِفْ ,وَلْيَتَوَضَّأْ ,وَلْيُعِدِ الصَّلَاةَ " رَوَاهُ الْخَمْسَةُ ,وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ .

ابوداود، کتاب الطهارة، باب من يحدث في الصلاة: ۲۰۵، الترمذی: ۱۱۸۱، ۱۱۸۰، الدارقطنی: ۱۵۳/۱، البيهقی: ۲۵۴/۲، ابن حبان: ۲۲۳۷، النسائی فی الکبری: ۳۲۴/۵

تنبیہ: مؤلف رحمہ اللہ نے اس روایت کو ابن ماجہ کی طرف منسوب کیا ہے، لیکن ابن ماجہ میں یہ روایت موجود نہیں۔(۲) امام احمد نے اس روایت کو **مسند علی بن ابی طالب** میں شامل کیا ہے حالانکہ یہ روایت علی بن طلق سے مروی ہے۔ علامہ زیلعی نے **نصب الرایہ ۶۲/۲** میں ابن قطان کے حوالے سے مسلم بن سلام کو مجہول الحال لکھا ہے۔

۲۰۴: حضرت علی بن طلق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:" جب دوران نماز کسی کی ہوا خارج ہو جائے تو وہ نماز منقطع کر کے دوبارہ وضو بنائے پھر از سرنو نماز پڑھے۔" اسے خمسہ نے بیان کیا ہے۔

لغوی تحقیق: **شـــروط:** شین اور راء مضموم، شرط کی جمع ہے، اس کے لغوی معنی علامت ہے اور فقہی اصطلاح میں شرط سے مراد وہ چیز ہے جس کے فقدان سے دوسری چیز معدوم ہو جائے۔ شرط اگرچہ مشروط کا رکن یا جز نہیں ہوتی تاہم مشروط کا وجود اسی پر قائم ہوتا ہے۔ **فسا:** دبر سے بغیر آواز ہوا خارج ہونے والی ہوا کو **فسو** کہتے ہیں اور آواز سے خارج ہونے والی ہوا کو ضراط کہتے ہیں۔ **فلینصرف:** نماز منقطع کر کے واپس چلا جائے۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ ہوا کا خروج ناقض وضو ہے اور وضو کے ٹوٹنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے یعنی وضو ٹوٹنے سے پہلے جو نماز پڑھی تھی وہ فاسد ہو جائے گی لہٰذا دوبارہ وضو کر کے از سرنو نماز پڑھنا ہوگی، پہلے پڑھی ہوئی نماز پر بنا رکھنا درست نہیں کیونکہ جس حدیث میں ایسا مذکور ہے وہ حدیث ضعیف ہے۔ اس روایت کو اگرچہ امام ترمذی نے حسن اور امام ابن حبان نے صحیح کہا ہے، لیکن یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس روایت کا مرکزی راوی مسلم بن سلام ہے۔ اسے مؤلف رحمہ اللہ نے تقریب میں مقبول قرار دیا ہے۔ مؤلف رحمہ اللہ نے تقریب میں اپنی اصطلاح کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس قسم کے راوی کا اگر متابع موجود ہو تو پھر اس کی حدیث قابل عمل ہوگی۔ ورنہ وہ راوی لین الحدیث ہوگا۔ یعنی اس کی روایت ضعیف ہوگی۔ اس روایت کے بیان کرنے میں چونکہ مسلم بن سلام کا متابع نہیں لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں نماز توڑ کر صفوں سے باہر نکلنے کی یہ کیفیت بیان کی گئی ہے کہ وہ آدمی اپنی ناک پکڑ کر باہر نکلے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اس کا وضو ٹوٹ گیا ہے۔ اس حدیث سے یقیناً واضح ہوا کہ ہوا خارج ہونے پر نماز منقطع کر کے دوبارہ

وضو بنا کر نماز پڑھنی چاہیے۔اب رہا یہ اختلاف کہ سابقہ نماز پر بنا رکھی جائے یا ازسرنو نماز کا آغاز کیا جائے؟ تو یہ درج بالا حدیث سے واضح نہیں ہوتا اور جن احادیث سے واضح ہوتا ہے وہ دونوں قسم کی ضعیف ہیں۔سابقہ نماز پر بنا رکھنے کے بارے میں جو روایت اسماعیل بن عیاش کے طریق سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے اس کے ضعیف ہونے پر بقول امام نووی تمام محدثین کا اتفاق ہے۔جبکہ مسلم بن سلام کے طریق سے مروی اس روایت کو امام ترمذی نے حسن اور امام ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔لہٰذا اس روایت کو ترجیح حاصل ہے اور احتیاط بھی اسی میں ہے، امام ابن حبان نے بھی اسی حدیث کی روشنی میں سابقہ نماز پر بنا رکھنے کو ناجائز کہا ہے۔

فقہی احکام: (۱) ہوا خارج ہونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔(۲) وضو ٹوٹنے کے بعد نماز کا جاری رکھنا ممنوع ہے۔(۳) وضو ٹوٹنے کی صورت میں ناک پر ہاتھ رکھ کر باہر نکلنا چاہیے۔(۴) دوبارہ وضو بنا کر ازسرنو نماز پڑھنی چاہیے۔

۲۰۵: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ " مَنْ أَصَابَهُ قَيْءٌ ,أَوْ رُعَافٌ ,أَوْ مَذْيٌ ,فَلْيَنْصَرِفْ ,فَلْيَتَوَضَّأْ, ثُمَّ لِيَبْنِ عَلَى صَلَاتِهِ ,وَهُوَ فِي ذَلِكَ لَا يَتَكَلَّمُ " رَوَاهُ ابْنُ مَاجَهْ ,وَضَعَّفَهُ أَحْمَدُ .

تنبیہ: یہ روایت حامد الفقی کے مطبوعہ نسخہ میں نہیں۔الشیخ خالد بن ضیف اللہ الشلاحی نے اس باب میں یہ روایت الشیخ سمیر الزہیری کے مطبوعہ نسخہ کے حوالہ سے نقل کی ہے، جبکہ الشیخ عصام موسیٰ ھادی نے امام محمد بن احمد الشفیع کے قلمی نسخہ کے حوالہ سے درج کی ہے۔یہ روایت مع تخریج کتاب الطهارة، باب نواقض الوضوء حدیث رقم ۷۴ کے تحت گزر چکی ہے۔

۲۰۵: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:" جسے نماز میں قے آجائے یا نکسیر پھوٹ پڑی یا مذی خارج ہو جائے وہ نماز توڑ کر وضو بنائے اور سابقہ نماز پر بنا رکھ لے بشرطیکہ اس نے کسی سے بات نہ کی ہو۔اسے ابن ماجہ نے بیان کیا ہے اور امام احمد نے اسے ضعیف کہا ہے۔

ب۲۰۵:وَعَنْهَا ,عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ " لَا يَقْبَلُ اللَّهُ صَلَاةَ حَائِضٍ إِلَّا بِخِمَارٍ " رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا النَّسَائِيُّ ,وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ .

ابن خزيمة،كتاب الصلاة، باب نفى قبول صلاة الحرة المدركة بغير خمار: ۷۷۵، ابوداود: ۶۴۱،الترمذي: ۳۷۸، ابن ماجة: ۶۵۵، مسند احمد: ۶/ ۱۵۰، نصب الراية: ۱/ ۲۹۶، الاحكام الوسطىٰ: ۱/ ۳۱۶، المحلىٰ: ۲/ ۲۱۹، المعجم الاوسط: ۴۳۳/۶ ، ۲۹۴/۸، المجموع: ۱۷۲/۳

ب۲۰۵: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:" اللہ تعالیٰ بالغہ عورت کی نماز بغیر دوپٹہ کے قبول نہیں فرماتا۔" اسے ابوداود، ترمذی، ابن ماجہ اور احمد نے نقل کیا ہے اور ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے۔

لغوی تحقیق: **حائض:** وہ لڑکی جسے حیض آنا شروع ہو جائے ،لڑکیوں میں حیض کی آمد، بلوغت کی نشانیوں میں سے ایک اہم علامت ہے۔ یہاں اس سے مراد بالغ لڑکی ہے۔ **خمار:** خاء مکسور،اس کپڑے کو کہتے ہیں جس سے خواتین اپنا سر، گردن اور سینہ ڈھانپتی ہیں،اس کے لغوی معنی ڈھانپنے والی چیز کے ہیں،خمر (شراب) بھی اسی سے ماخوذ ہے،شراب بھی چونکہ عقل کو ڈھانپ لیتی ہے،اس لیے اسے خمر سے تعبیر کیا گیا ہے۔

تشریح: اس روایت کو قتادہ کے تلامذہ نے مرفوع ،موقوف اور مرسل ہر تین طرق سے نقل کیا ہے۔حماد بن سلمہ نے قتادہ سے اس روایت کو مرفوع بیان کیا ہے جبکہ شعبہ اور سعید نے موقوف ،ایوب سختیانی اور ہشام بن حسان نے مرسل بیان کیا ہے۔امام دارقطنی نے

مرسل طریق کوصحیح کے قریب تر قرار دیا ہے۔عبدالحق اشبیلی نے **الاحکام الوسطی** میں یہ واضح کیا ہے کہ مرفوع روایت بیان کرنے میں حماد بن سلمہ نے شعبہ اور سعید کی مخالفت کی ہے۔علامہ ابن حزم نے **المحلی** میں عفان بن مسلم کے طریق سے حماد بن زید کو حماد بن سلمہ کا متابع قرار دیا ہے۔مگر یہ کسی راوی کا یا خود ابن حزم کا وہم ہے یا کسی نساخ سے تسامح ہوا ہے کیونکہ امام احمد نے عفان بن مسلم کے طریق سے حماد بن سلمہ سے یہ روایت بیان کی ہے۔

اسی مفہوم کی روایت حضرت علی، حضرت ابوقتادہ، حضرت عمر اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کو امام طبرانی نے **المعجم الاوسط** میں قیس بن ربیع کے طریق سے نقل کیا ہے۔قیس بن ربیع کو امام یحییٰ بن معین اور علی بن مدینی نے ضعیف قرار دیا ہے نیز اس پر دیگر ائمہ نے بھی کلام کیا ہے لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔

ابوقتادہ سے مروی روایت کو بھی امام طبرانی نے **المعجم الاوسط** میں عمرو بن ہاشم البیروتی کے طریق سے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اوزاعی سے یہ روایت فقط عمرو بن ہاشم ہی نقل کرتا ہے۔عمرو بن ہاشم اگر چہ ثقہ ہے تاہم ابن وارۃ (**میزان الاعتدال ٦٤٦٨**) نے اس پر اوزاعی کی مرویات میں نقد کیا ہے۔راقم کو امام طبرانی کے شیخ محمد بن ابی حرملہ کا ترجمہ نہیں مل سکا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی موقوف روایت کو مؤلف رحمہ اللہ نے **المطالب العالیہ** میں ابن ابی شیبہ کے طریق سے نقل کیا ہے، یہ سند ہر قسم کے غبار سے پاک ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت کو امام ابوداؤد نے نقل کیا ہے، یہ روایت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مرفوع اور موقوف ہر دو طرح سے منقول ہے، امام نووی اور علامہ عبدالحق نے موقوف طریق کو صحیح قرار دیا ہے۔

حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما سے مروی روایات کا اگر چہ موقوف ہونا زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے تاہم یہ روایات حکماً مرفوع ہیں، کیونکہ حضرت عائشہ، حضرت ام سلمہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم اپنی مرضی سے ایسا حکم نہیں لگا سکتے تھے۔

فقہی احکام: (١) بالغ خواتین کیلئے ضروری ہے کہ وہ نماز دوپٹہ اوڑھ کر پڑھیں۔

(٢) مردوں کیلئے نماز میں سر ڈھانپنا شروط صلاۃ میں سے نہیں ہے۔

تنبیہ: التبیان (مؤلف خالد بن ضیف اللہ) میں عمرو بن ہشام کتابت کی غلطی سے طبع ہو گیا ہے۔صحیح نام عمرو بن ہاشم۔

٢٠٦: وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ اَلنَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَهُ " إِنْ كَانَ اَلثَّوْبُ وَاسِعًا فَالْتَحِفْ بِهِ" يَعْنِي فِي اَلصَّلَاةِ وَلِمُسْلِمٍ "فَخَالِفْ بَيْنَ طَرَفَيْهِ وَإِنْ كَانَ ضَيِّقًا فَاتَّزِرْ بِهِ " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

البخاری، کتاب الصلاۃ، باب اذا کان الثوب ضیقا: ٣٦١، صحیح مسلم: ٧٦٦، ابو داود: ٦٣٤

٢٠٦: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ " اگر بڑا کپڑا ایک ہی ہو اسے اپنے جسم پر اچھی طرح لپیٹ لیں" مسلم میں ہے کہ " کپڑے کے دائیں کنارے کو بائیں کندھے پر اور بائیں کنارے کو دائیں کندھے پر ڈال لیں، اور اگر کپڑا چھوٹا ہو تو پھر اسے فقط بطور تہبند استعمال کریں۔" (بخاری ومسلم)

لغوی تحقیق: **واسعا:** کشادہ یعنی بڑا۔ **التحف:** امر کا صیغہ ہے یعنی کپڑے سے جسم کو اچھی طرح لپیٹ لو۔ **ضیقاً:** تنگ یعنی چھوٹا کپڑا۔ **خالف بین طرفیه:** دائیں کنارے کو بائیں کندھے پر اور بائیں کنارے کو دائیں کندھے پر ڈال دیں، اس طرح ڈالنے سے کپڑا گرتا نہیں۔ **فاتزر:** امر کا صیغہ ہے یعنی بطور تہبند استعمال کریں۔

تشریح: اس حدیث مبارکہ میں اس شخص کی راہنمائی کی گئی ہے جونماز پڑھنا چاہتا ہے مگر اس کے پاس ایک ہی کپڑا ہے، اگر کپڑا بڑا ہوتو اس کے بیشتر حصہ کو بطور تہبند اور کناروں کو مخالف سمت کندھوں پر ڈالنے کا حکم دیا گیا ہے۔اور اگر چھوٹا ہے تو پھر اسے صرف تہبند کے طور پر استعمال کرلیا جائے اور کندھوں پر کوئی اور چیز ڈال لی جائے ،اگر کچھ بھی نہ میسر آئے تو کندھوں پر تلی ہی ڈال لی جائے جیسا کہ آئندہ حدیث سے واضح ہورہا ہے۔

فقہی احکام: سب سے پہلے ستر کوڈھانپنا ضروری ہے پھر کندھوں کو۔

۲۰۷: وَلَهُمَا مِنْ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ " لا يُصَلِّي أَحَدُكُمْ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ لَيْسَ عَلَى عَاتِقِهِ مِنْهُ شَيْءٌ "

البخاری، کتاب الصلاۃ، باب اذا صلیٰ فی الثوب الواحد فلیجعل علی عاتقیه: ۳۵۹، صحیح مسلم: ۵۱۶، ابو داود: ۶۲۶، النسائی: ۲/۷۱، فی احمد: ۲/۲۴۳

۲۰۷: بخاری ومسلم میں ابو ہریرۃ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:" کوئی بھی شخص ایک کپڑے میں اس طرح نماز نہ پڑھے کہ اس کے کندھوں پر کچھ نہ ہو۔"

لغوی تحقیق: عاتق: کندھا۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ نماز میں کندھوں کا ڈھانپنا بھی ضروری ہے، اگر کپڑا وغیرہ نہ ہوتو پھر کندھوں پر تلی وغیرہ ڈال لی جائے۔احناف کے نزدیک کندھوں کا ڈھانپنا ضروری نہیں، فقط ستر ڈھانپنا ضروری ہے۔ان کا موقف زیر مطالعہ حدیث سے مسترد ہوتا ہے

فقہی احکام: بنیان پہن کر نماز ہوسکتی ہے۔

۲۰۸: وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّهَا سَأَلَتِ النَّبِيَّ ﷺ أَتُصَلِّي الْمَرْأَةُ فِي دِرْعٍ وَخِمَارٍ ,بِغَيْرِ إِزَارٍ؟ قَالَ "إِذَا كَانَ الدِّرْعُ سَابِغًا يُغَطِّي ظُهُورَ قَدَمَيْهَا " أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَصَحَّحَ الْأَئِمَّةُ وَقْفَهُ .

ابو داود، کتاب الصلاۃ، باب فی کم تصلی المرأۃ: ۶۳۹، الحاکم: ۱/۲۵۰ ، المؤطا: ۱/۱۴۲

تنبیہ: (۱)ابوداؤد(لولوی نسخہ)اورحاکم میں" بغیر ازار " کی جگہ" لیس علیها ازار " ہے۔(۲):الحاکم کے مطبوعہ نسخہ میں محمد بن زید عن ابیہ ہے جب کہ ابوداؤد میں محمد بن زید عن اُمہ ہی ہے،اور یہی درست ہے۔

۲۰۸: حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا، کیا عورت تہبند کے بغیر فقط قمیص اور دوپٹے میں نماز پڑھ سکتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:" جب قمیص اس قدر لمبی ہو کہ پاؤں کی پشت کو ڈھانپ لے۔" اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور ائمہ نے اس کے موقوف ہونے کو صحیح کہا ہے۔

لغوی تحقیق: درع: دال مکسور اور راء ساکن۔سابغاً: قمیص کا خوب لمبا ہونا۔یغطی: ڈھانپ لے۔ظهور قدمیها: پاؤں کی بالائی سطح۔

تشریح: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے زیر مطالعہ روایت مرفوع اور موقوف ہر طرح سے مروی ہے، امام ابوداؤد نے اس روایت کو عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن دینار کے طریق سے مرفوع روایت کیا ہے جبکہ ان کے دوسرے ساتھیوں نے موقوف بیان کیا ہے۔عبدالرحمٰن اگر چہ صدوق ہے مگر اس سے اغلاط کا صدور ہوتا رہتا ہے۔یہاں اس نے ثقہ رواۃ کی مخالفت کی ہے، بنابریں امام ابوداؤد، علامہ عبدالحق اشبیلی اور امام ابن جوزی وغیرہم نے اس کے موقوف طریق کو درست قرار دیا ہے۔

جبکہ امام حاکم نے مرفوع طریق کو صحیح قرار دیا ہے اور امام ذہبی نے اس پر مہر تصدیق ثبت کی ہے۔مگر علامہ البانی نے دونوں طرق کو

ضعیف قرار دیا ہے۔ راقم کے نزدیک علامہ البانی کی تحقیق درست ہے کیونکہ محمد بن زید بن المہاجر کی والدہ کو امام ذہبی نے مجہولہ کہا ہے۔

۲۰۹: وَعَنْ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي لَيْلَةٍ مُظْلَمَةٍ ,فَأَشْكَلَتْ عَلَيْنَا الْقِبْلَةُ ,فَصَلَّيْنَا .فَلَمَّا طَلَعَتِ الشَّمْسُ إِذَا نَحْنُ صَلَّيْنَا إِلَى غَيْرِ الْقِبْلَةِ ,فَنَزَلَتْ ﴿فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ﴾ أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ وَضَعَّفَهُ .

الترمذی ، ابواب الصلاۃ، باب ما جاء فی الرجل یصلی بغیر القبلۃ فی الغیم: ۳۴۵، ابن ماجۃ: ۱۰۲۰، البیھقی: ۲۲۷۷، ۲۲۸۵ ـ ۲۲۸۷، بیان الوھم والایھام: ۳/۳۵۸، ابوداؤد الطیالسی: ۱۱۴۵، المعجم الاوسط للطبرانی: ۱/۱۸۴، الدارقطنی: ۱/۲۷۲

۲۰۹: حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک تاریک رات میں نبی مکرم ﷺ کے ساتھ تھے، ہمارے لئے قبلہ کی شناخت مشتبہ ہوگئی، ہم نے نماز پڑھ لی لیکن جب (صبح) سورج طلوع ہوا تو ہمیں معلوم ہوا کہ ہم نے نماز قبلہ سمت ادا نہیں کی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی" پس تم جس طرف رُخ کرو گے اسی طرف اللہ کا چہرہ ہے۔" اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور ضعیف قرار دیا ہے۔

لغوی تحقیق: مظلمة: میم مضموم اور لام مکسور، تاریک۔ فاشکلت: مشتبہ ہوگئی۔ فثم: ثاء مفتوح اور میم مشدد مفتوح، یہ اسم اشارہ ہے اور دور کیلئے استعمال ہوتا ہے، یعنی وہاں۔

تشریح: اس روایت کو امام ترمذی، امام ابن ماجہ، امام دارقطنی اور امام بیہقی وغیرہم نے اشعث بن سعید کے طریق سے نقل کیا ہے، اسے ماہرین فن نے ضعیف قرار دیا ہے۔ امام ابوداؤد الطیالسی نے یہی روایت عمرو بن قیس کی متابعت کے ساتھ نقل کی ہے، اس طرح اشعث کا ضعیف ہونا تو غیر مؤثر ہوگیا مگر یہ روایت پھر بھی درجہ حسن وصحت سے محروم ہے، کیونکہ اشعث کا شیخ عاصم بن عبید اللہ کو امام یحییٰ بن معین اور ابن حبان وغیرہما نے ضعیف قرار دیا ہے، البتہ علامہ ناصر الدین البانی نے الارواء میں اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔

امام ابن قطان اس روایت کے بارے میں عبدالحق اشبیلی پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں؛ **وموضع العلة منه عاصم بن عبيدالله فانه مضطرب الحديث تنكر عليه احاديث و اشعث السمان سئ الحفظ يروى المنكرات عن الثقات وقال فيه عمرو بن علي متروك** ؛ اس روایت کے ضعیف ہونے کی ایک علت یہ ہے کہ عاصم بن عبید اللہ مضطرب ہے اور دوسری علت یہ ہے کہ اشعث انتہائی کمزور حافظہ والا ہے اور تیسری علت یہ ہے کہ عمرو بن علی متروک ہے۔

اس کی مؤید روایت امام بیہقی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے، امام ابن قطان فرماتے ہیں کہ یہ روایت بھی دو علتوں کی وجہ سے معلول ہے (۱) احمد اور اس کے والد عبید اللہ کے درمیان انقطاع ہے۔ (۲) احمد مجہول الحال ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت محمد بن سالم عن عطاء اور محمد بن عبید اللہ عن عطاء کے طریق سے بھی مروی ہے، امام بیہقی نے ان دونوں کو ضعیف قرار دیا ہے، امام بیہقی حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی روایات کو مختلف طرق سے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ہم اس سلسلے میں مروی صحیح حدیث سے آگاہ نہیں، کیونکہ عاصم بن عبید اللہ، محمد بن عبید اللہ العزرمی اور محمد بن سالم کوفی سب ضعیف رواۃ ہیں۔ اس مضمون کی ایک روایت حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے مگر وہ روایت بھی احمد بن محمد بن الحجاج کی وجہ سے ضعیف ترین ہے۔

فقہی احکام: (۱) اس حدیث میں مذکور آیت کا شان نزول کوئی خاص واقعہ سے متعلق نہیں ہے۔

(۲) قرآن حکیم کی اس آیت کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر غلطی سے غیر قبلہ رخ فرض نماز پڑھی گئی تو ادا ہو جائے گی۔

۲۱۰: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ " مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ قِبْلَةٌ " رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ ,وَقَوَّاهُ

اَلْبُخَارِيُّ .

الترمذی ، ابواب الصلاۃ، باب ماجاء ان بین المشرق و المغرب قبلۃ: ۳۴۲ ، ۳۴۴، ابن ماجۃ: ۱۰۱۱ ، الحاکم: ۲۰۵/۱ ، البیھقی: ۲۲۷۳

۲۱۰: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " قبلہ مشرق اور مغرب کے مابین ہے۔" اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور امام بخاری نے قوی کہا ہے۔

تشریح: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت متعدد طرق سے مروی ہے، امام بخاری نے عبداللہ بن جعفر المخزومی سے مروی طریق کو ابو معشر سے مروی طریق سے زیادہ قوی قرار دیا ہے۔ نیز حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی روایت اس کی مؤید ہے۔

اس روایت کا اطلاق فقط ان علاقوں پر ہوتا ہے جو مدینہ کی طرح مکہ کے شمال میں واقع ہیں، جب ان علاقوں کے لوگ اپنا رخ جنوب کی طرف کرتے ہیں تو اس وقت مشرق ان کے بائیں طرف اور مغرب دائیں طرف پڑتا ہے۔

فقہی احکام: (۱) دور دراز علاقوں میں رہنے والے لوگوں کیلئے ضروری نہیں کہ ان کا چہرہ عین قبلہ کی طرف ہو کر کیونکہ ایسا تقریباً ناممکن ہے (۲) یہ حضرات اپنے چہرے قبلہ کی سمت کر لیں یہی ان کیلئے کافی ہے۔

۲۱۱: وَعَنْ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اَللَّهِ ﷺ يُصَلِّي عَلَى رَاحِلَتِهِ حَيْثُ تَوَجَّهَتْ بِهِ . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ . زَادَ اَلْبُخَارِيُّ، يُوْمِئُ بِرَأْسِهِ ,وَلَمْ يَكُنْ يَصْنَعُهُ فِي اَلْمَكْتُوبَةِ .

البخاری، کتاب تقصیر الصلوۃ، باب صلوۃ التطوع علی الدواب وحیثما توجھت بہ: ۱۰۹۳ ، ۱۰۹۷ ، مسلم: ۷۰۱، البیھقی: ۲۲۵۱، احمد: ۴۴۴/۳ ۔ ۴۴۶

تنبیہ: مطبوعہ صحیح بخاری کی دوسری روایت کے الفاظ اس طرح ہیں: و لم یکن رسول اللہ ﷺ یصنع ذالک فی الصلاۃ المکتوبۃ۔

۲۱۱: حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو ان کی اُونٹنی پر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، جبکہ اونٹنی کسی بھی طرف رُخ کر رہی تھی (بخاری ومسلم) امام بخاری نے یہ الفاظ مزید بیان کیے ہیں کہ آپ ﷺ سجدہ اشارے سے فرماتے تھے اور فرض نماز سواری پر ادا نہیں فرماتے تھے۔

لغوی تحقیق: المکتوبۃ: فرض نماز۔

تشریح: بخاری کی ایک دوسری روایت میں اس بات کی صراحت ہے، کہ آپ ﷺ سواری پر فقط نفل نماز پڑھتے تھے اور سر سے اشارہ فرماتے تھے، حالت نماز میں سواری کو قبلہ رخ رکھنے کا اہتمام نہیں فرماتے تھے اور فرض نمازوں کیلئے ایسا نہیں کرتے تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ سجدہ کیلئے جب سر کا اشارہ فرماتے تو رکوع سے قدر زیادہ سر نیچا فرماتے۔

فقہی احکام: (۱) نفلی نماز سواری پر بھی ہو جاتی ہے خواہ سواری کا منہ غیر قبلہ رخ ہی کیوں نہ ہو۔ (۲) فرائض کیلئے قبلہ رخ ہونا ضروری ہے اس لئے فرض نماز سواری پر نہیں ہوتی۔ (۳) کسی شرعی عذر کی وجہ سے اشارے سے نماز پڑھنا جائز ہے۔

۲۱۲: وَلِأَبِي دَاوُدَ مِنْ حَدِيثِ أَنَسٍ كَانَ إِذَا سَافَرَ فَأَرَادَ أَنْ يَتَطَوَّعَ اِسْتَقْبَلَ بِنَاقَتِهِ اَلْقِبْلَةَ ,فَكَبَّرَ ,ثُمَّ صَلَّى حَيْثُ كَانَ وَجْهُ رِكَابِهِ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ .

ابوداود، کتاب الصلاۃ، باب التطوع علی الراحلۃ و الوتر: ۱۲۲۵ ، مسنداحمد: ۲۰۳/۳، الدارقطنی: ۳۹۶/۱، البیھقی: ۲۲۴۹ ،

البخاری: ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، التلخیص: ۲۲۵/۱

۲۱۲: امام ابوداوٗد حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت لائے ہیں کہ آپ ﷺ جب سفر فرماتے اور اثناء سفر نماز پڑھنے کا ارادہ فرماتے تو پہلی بار اونٹنی کا رُخ قبلہ کی طرف فرمالیتے اور اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کردیتے، خواہ بعد میں سواری کا رُخ کسی طرف بھی ہوتا۔ اس کی سند حسن ہے۔

لغوی تحقیق: یتطوع: نفلی نماز پڑھتے۔ رکاب: راء مکسور سواری۔

تشریح: اس روایت کو امام ابوداوٗد، امام احمد، امام دارقطنی اور امام بیہقی نے ربعی بن عبداللہ کے طریق سے نقل کیا ہے، مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے التلخیص الحبیر ۲۱۴/۱ میں امام ابن سکن کے حوالے سے اس کی تصحیح بھی نقل کی ہے۔ البتہ ان احادیث میں نفلی نماز کے آغاز میں سواری کا منہ قبلہ رخ کرنے کا ذکر نہیں، حضرت جابر، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی حدیث میں یہ صراحت ہے کہ آپ ﷺ جب فرض نماز پڑھنا چاہتے تو سواری سے نیچے اتر جاتے اور قبلہ رخ منہ کر کے نماز پڑھتے۔

۲۱۳: **وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ "اَلْأَرْضُ كُلُّهَا مَسْجِدٌ إِلَّا الْمَقْبَرَةَ وَالْحَمَّامَ" رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ ,وَلَهُ عِلَّةٌ .**

الترمذی، ابواب الصلاۃ، باب ماجاء ان الارض کلها مسجد الاالمقبرة و الحمام: ۳۱۷، ابوداود: ۴۹۲، احمد: ۸۳/۳، ابن ماجة: ۷۴۵، التحقیق: ۴۱۹، الخلاصة: ۳۲۱/۱، التنقیح: ۷۳۱/۱، الاحکام الوسطیٰ: ۲۸۸/۱، الارواء: ۳۲۰/۱

۲۱۳: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "قبرستان اور بیت الخلا کے سوا ساری زمین سجدہ گاہ ہے۔" اسے ترمذی نے بیان کیا ہے اور اس میں کمزوری ہے۔

لغوی تحقیق: المقبرۃ؛ میم مفتوح، کاف ساکن اور باء مفتوح، قبرستان۔ الحمام: حاء مفتوح اور میم مشدد مفتوح، بیت الخلا۔ علۃ: عین مکسور، لام مشدد مفتوح، کمزوری۔

تشریح: اس روایت کو امام ترمذی، امام ابوداوٗد، امام احمد، امام ابن ماجہ اور امام حاکم وغیرہم نے روایت کیا ہے۔ یہ روایت آپ ﷺ سے مرفوع اور مرسل ہر دو طرح سے مروی ہے۔ جیسا کہ علامہ عبدالحق اشبیلی فرماتے ہیں کہ بعض نے اسے مسند بیان کیا ہے اور بعض نے مرسل، مرسل بیان کرنے والوں میں سفیان ثوری ہے۔ امام ترمذی اس روایت کو مضطرب قرار دیتے ہیں اور العلل میں مرسل طریق کو محفوظ قرار دیتے ہیں، امام نووی نے الخلاصہ میں موصول طریق کی تضعیف کی ہے۔ علامہ ابن عبدالھادی نے امام الدارقطنی کے حوالے سے مرسل طریق کو محفوظ قرار دیا ہے۔ علامہ ناصر الدین البانی نے مرفوع طریق کو صحیح قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ بعض نے اسے معلول کہا ہے، مگر وہ علت مؤثر نہیں۔

فقہی احکام: (۱) قبرستان یا قبروں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا ممنوع ہے۔

(۲) ناپاک مقامات پر نماز پڑھنا ممنوع ہے خواہ وہ طہارت خانوں کی صورت میں ہو یا کسی اور وجہ سے ناپاک ہوں۔

۲۱۴: **وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما نَهَى النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يُصَلَّى فِي سَبْعِ مَوَاطِنَ اَلْمَزْبَلَةِ ,وَالْمَجْزَرَةِ ,وَالْمَقْبَرَةِ ,وَقَارِعَةِ الطَّرِيقِ ,وَالْحَمَّامِ ,وَمَعَاطِنِ الْإِبِلِ ,وَفَوْقَ ظَهْرِ بَيْتِ اللَّهِ . رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَضَعَّفَهُ .**

الترمذی، ابواب الصلاۃ، باب ماجاء فی کراهیة ما یصلی الیه و فیه: ۳۴۶، الاحکام الوسطیٰ: ۲۸۸/۱، التنقیح: ۷۲۸/۱، ابن ماجة: ۷۴۶

۲۱۴: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سات مقامات پر نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے، کچرا کنڈی، مذبح

خانہ، قبرستان، حمام، اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ، شارع عام، اور بیت اللہ کی چھت پر۔" اسے امام ترمذی نے بیان کیا ہے اور ضعیف کہا ہے۔

لغوی تحقیق: **المزبلة:** میم اور باء مفتوح، کچرا کنڈی۔ **المجزرة:** میم اور زاء مفتوح، وہ مقام جہاں جانور ذبح کئے جاتے ہیں۔ **قارعة الطريق:** عام گزرگاہ۔ **معاطن:** میم مفتوح اور طاء مکسور، **معطن** کی جمع ہے۔

تشریح: اس حدیث کو امام ترمذی نے زید بن جبیرہ کے طریق سے نقل کیا ہے اور اسے غیر قوی قرار دیا ہے اور اس کے حافظہ کے بارے میں کلام کیا ہے۔ علامہ ابن عبدالھادی نے زید بن جبیرہ کے ضعیف ہونے پر اتفاق نقل کیا ہے۔

امام ابن ماجہ نے اس روایت کو ایک دوسری سند سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے لیکن وہ طریق اس سے بھی زیادہ کمزور ہے، کیونکہ اس کی سند میں عبداللہ العمری اور عبداللہ بن صالح ہیں، عبداللہ بن عمر العمری کو بعض ماہرین فن نے ان کے حافظے کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے، اسی طرح عبداللہ بن صالح بھی ضعیف ہیں۔ امام ابو حاتم نے دونوں طرق کو ضعیف قرار دیا ہے۔ یہ روایت اگرچہ ضعیف ہے تاہم ان مقامات میں سے بعض مقامات پر نماز پڑھنے کی ممانعت دیگر احادیث سے ثابت ہے۔ (۱) قبرستان کو مسجد بنانے کی ممانعت حضرت عائشہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں مذکور ہیں۔ (۲) اونٹوں کے باڑے میں نماز پڑھنے کی ممانعت حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں مذکور ہے۔

۲۱۵: وَعَنْ أَبِي مَرْثَدٍ الْغَنَوِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتَ رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ "لَا تُصَلُّوا إِلَى الْقُبُورِ ,وَلَا تَجْلِسُوا عَلَيْهَا" رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب النهى عن الجلوس على القبر و الصلاة عليه: ۹۷۲، ابو داود: ۳۲۲۹، الترمذی: ۱۰۶۱، النسائی: ۲/۶۷، البخاری: ۴۳۲، ۴۳۵، ۴۳۶، المعجم الاوسط: ۷۷۳۰

۲۱۵: حضرت ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے " قبروں کی طرف منہ کر کے نماز مت پڑھو اور ان پر مت بیٹھو۔" (مسلم)

تشریح: رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک کے شجرہ خبیثہ کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے بعد امت مرحومہ کو ان امور سے سختی سے منع فرمایا جو کسی طرح بھی شرک کو رواج دینے کا سبب بن سکتے تھے، شرک کی مذمت کا سلسلہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت تک جاری رکھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں فرمایا "یہود و نصاری پر اللہ کی لعنت ہو، انہوں نے انبیا کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنالیا تھا" محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، یہ جملہ کہہ کر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت مرحومہ کو خبردار فرمایا ہے۔ حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے "میں تمہیں ایسا کرنے سے منع کرتا ہوں۔" اسی مضمون کی احادیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ سے بھی مروی ہے۔

فقہی احکام: (۱) مسجد میں قبر نہ بنائی جائے۔ (۲) قبرستان میں مسجد نہیں بنانی چاہیے۔
(۳) قبروں کو سجدہ کرنے والوں پر اللہ کی لعنت ہے۔ (۴) نفلی عبادت گھروں میں کرنی چاہیے۔

۲۱۶: وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخدری رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم "إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ ,فَلْيَنْظُرْ ,فَإِنْ رَأَى فِي نَعْلَيْهِ أَذًى أَوْ قَذَرًا فَلْيَمْسَحْهُ ,وَلْيُصَلِّ فِيهِمَا" أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ ,وَصَحَّحَهُ اِبْنُ خُزَيْمَةَ .

ابو داود، کتاب الصلاة، باب الصلاة فی النعل: ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۵، مسند احمد: ۳/۲۰، الحاکم: ۱/۲۶۰، ابن خزیمة: ۱/۳۸۴، ۲/۱۰۷، المعجم الاوسط: ۸۷۳۰

تنبیہ: ابوداؤد(لؤلؤی نسخہ)میں الی المسجد ہے۔

۲۱۶: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے کوئی ایک مسجد آئے تو اُسے چاہیے کہ وہ اپنے جوتے اچھی طرح دیکھے، اگر اس کے جوتوں میں غلاظت وغیرہ لگی ہو تو اسے صاف کر کے نماز پڑھے۔" اسے ابوداؤد نے بیان کیا ہے اور ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے۔

لغوی تحقیق: اذًی: ہر وہ چیز جس سے طبعی طور پر نفرت کی جائے۔ قذراً: غلاظت وغیرہ۔

تشریح: اس حدیث کو امام ابوداود، امام ابن خزیمہ، امام حاکم اور امام البیہقی وغیرہم نے حماد بن سلمہ کے طریق سے نقل کی ہے، یہ حدیث مرفوع اور مرسل ہر دو طرق سے مروی ہے۔ ماہرین کی اکثریت نے اس کے مرفوع طریق کو راجح قرار دیا ہے کیونکہ مرفوع بیان کرنے میں محمد بن عقیل نے حماد بن سلمہ کی متابعت کی، جبکہ ایک طریق میں حماد بن زید بھی حماد بن سلمہ کے متابع نظر آرہے ہیں لیکن یہاں حماد بن زید کی موجودگی کو امام ابوداؤد، امام حاکم اور امام بیہقی وغیرہ نے راوی کا وہم قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ اصل میں حماد بن سلمہ ہی ہے۔ اسی مفہوم کی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔ ان احادیث سے یہ حقیقت عیاں ہو رہی ہے کہ جوتا پہن کر نماز پڑھی جا سکتی ہے بشرطیکہ جوتا پاک ہو اور اگر جوتے کو غلاظت وغیرہ لگی ہو تو پھر جوتے کو مٹی پر رگڑ کر غلاظت دور کی جائے، غلاظت کے دور ہوتے ہی جوتا پاک ہو جائے گا، کیونکہ مٹی میں مکمل طور پر نجاست کو پاک کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ اگر آغاز نماز میں نجاست کا علم نہ ہو سکے اور دوران نماز کوئی آگاہ کر دے کہ آپ کے جوتے ناپاک ہیں، تو جوتے فوراً اتار دیئے جائیں اور نماز کو معمول کے مطابق جاری رکھا جائے، نماز کو لوٹانے کی ضرورت نہیں، حضرت شداد رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے جوتے پہن کر نماز پڑھنے کا حکم فرمایا

فقہی احکام: (۱) جوتے پہن کر نماز پڑھنا مسنون ہے۔ (۲) ناپاک جوتوں کو مٹی پر رگڑ کر پاک کیا جا سکتا ہے۔ (۳) دوران نماز جوتے اتارے جا سکتے ہیں۔ (۴) مٹی حصول طہارت کا مکمل ذریعہ ہے۔ (۵) جوتے کو اگر دوران جماعت اتارنے کی ضرورت پیش آجائے تو اتار کر اپنے پاؤں کے مابین رکھا جائے۔ (۶) عصر حاضر میں چونکہ مساجد میں ٹائل اور پتھر لگا ہوا ہے اس لئے نماز بغیر جوتوں کے ادا کی جائے

۲۱۷: **وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ "إِذَا وَطِئَ أَحَدُكُمُ ٱلْأَذَى بِخُفَّيْهِ فَطَهُورُهُمَا اَلتُّرَابُ" أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَصَحَّحَهُ اِبْنُ حِبَّانَ .**

ابوداود، كتاب الصلاة، باب في الاذى يصيب الذيل: ۳۸۸-۳۸۵، ابن حبان: ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، المعجم الاوسط: ۴۳۰۵، ۵۰۱۳، ۸۷۳۰، الدارقطنی: ۳۸۳/۱، ۳۹۹، الحاكم: ۴۸۶، ۵۹۰، ۹۵۵، البيهقی: ۴۳۰/۲، (۴۱۹۳)

۲۱۷: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "آپ میں سے کوئی ایک جب گندگی کو اپنے موزوں سے روندلے تو مٹی انہیں پاک کرنے کے لیے کافی ہے۔" اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔

لغوی تحقیق: وطی: کسی چیز کو پامال کرنا۔ خفیه: خف کا تثنیہ ہے، نون اضافت کی وجہ سے ساقط ہو گیا ہے، موزے۔

تشریح: اس روایت کو امام ابوداود، امام ابن خزیمہ، امام بیہقی نے محمد بن کثیر کے طریق سے نقل کیا ہے، امام علی بن مدینی فرماتے ہیں کہ مجھے محمد بن کثیر سے ملنے کا بڑا اشتیاق تھا، لیکن اب میں اسے دیکھنا بھی نہیں چاہتا۔ امام بخاری نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ امام بیہقی نے اس روایت کو ولید بن مزید عن ابیہ کے طریق سے نقل کیا ہے۔ ولید بن مزید اگرچہ ثقہ ہے لیکن اس کے باپ کی توثیق نہیں ملتی البتہ امام ابن حبان نے یہ روایت صحیح سند سے نقل کی ہے، اس مضمون کی روایت حضرت ابوسعید خدری، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ

بن عباس، حضرت انس، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے بھی منقول ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث کو امام طبرانی نے الاوسط میں ابوحمزہ میمون کے طریق سے نقل کیا ہے، موصوف کو نامور ماہرین فن نے ضعیف قرار دیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث کو امام دارقطنی نے فرات بن سائب کے طریق سے نقل کیا ہے، علامہ عبدالحق اشبیلی وغیرہ نے فرات کو ضعیف قرار دیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کو امام حاکم، امام بیہقی اور امام طبرانی نے عبداللہ بن مثنیٰ کے طریق سے نقل کیا ہے، امام حاکم نے اس حدیث کو بخاری کی شرط کے مطابق صحیح قرار دیا ہے، امام ذہبی اور علامہ ناصر الدین البانی نے اس پر مہر تصدیق ثبت کی ہے، اس حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ صراحت کی ہے کہ آپ ﷺ نے بغیر جوتا پہنے فقط ایک ہی نماز پڑھی ہے وہ بھی اس لئے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو اطلاع دی تھی کہ آپ ﷺ کے جوتوں کو غلاظت لگی ہوئی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کو امام طبرانی نے **المعجم الاوسط** میں عباد بن کثیر کے طریق سے نقل کیا ہے، موصوف کو نامور ماہرین فن نے ضعیف کہا ہے جبکہ امام حاکم نے اسے محمد بن کثیر کے طریق سے نقل کیا ہے، امام حاکم نے اسے صدوق اور امام احمد نے ضعیف کہا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت کو امام ابوداؤد نے امام اوزاعی کے طریق سے نقل کیا ہے، امام بیہقی نے اس روایت کو منقطع قرار دیا ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو امام حاکم نے روایت کیا ہے اور اسے مسلم کی شرط کے مطابق قرار دیا ہے اور امام ذہبی نے اس پر مہر تصدیق ثبت کی ہے۔ درج بالا بیانات سے یہ واضح ہوا کہ ان میں سے دو احادیث قطعی طور پر صحیح ہیں اور باقی ان کی مؤید ہیں۔

فقہی احکام: (۱) جوتے پہن کر نماز ہو جاتی ہے۔ (۲) دوران نماز اگر اطلاع مل جائے کہ جوتے ناپاک ہیں تو انہیں اتار دینا چاہیے۔ (۳) مٹی ہر قسم کی نجاست کو دور کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ (۴) تنہا موزے پہن کر بھی چلا جا سکتا ہے۔

۲۱۸: وَعَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ "إِنَّ هَذِهِ الصَّلَاةَ لَا يَصْلُحُ فِيهَا شَيْءٌ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ, إِنَّمَا هُوَ التَّسْبِيحُ ,وَالتَّكْبِيرُ ,وَقِرَائَةُ الْقُرْآنِ " رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

مسلم، كتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب تحريم الكلام في الصلاة: ۵۳۷، ابو داود: ۹۳۱، احمد: ۵/۴۴۷، النسائي: ۳/۱۴

۲۱۸: حضرت معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "یہ نماز ہے اس میں انسانوں سے گفتگو کی کوئی گنجائش نہیں اس میں صرف تسبیح، تکبیر اور قرآن کی تلاوت ہونی چاہیے۔" (مسلم)

تشریح: آغاز اسلام میں دوران نماز باہمی گفتگو کی ممانعت نہیں تھی، بعد میں آنے والا نماز پڑھنے والوں سے ضرورت کی گفتگو کر لیتا تھا، اسی دوران حضرت معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ رحمت عالم ﷺ کی معیت میں نماز ادا کر رہے تھے، کسی نے چھینک مار کر **الحمد لله** کہا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب میں **يرحمك الله** کہا تو رحمت عالم ﷺ نے نماز سے فارغ ہو کر انہیں اس حدیث میں مذکور آداب نماز سے آگاہ فرمایا۔

فقہی احکام: (۱) نماز میں باہمی گفتگو ممنوع ہے۔ (۲) اس حدیث میں اگرچہ درود کا تذکرہ نہیں، تاہم دیگر احادیث میں صراحت ہے، اسی لئے درود پڑھنا بھی آداب نماز میں شامل ہے۔

۲۱۹: وَعَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ رضی اللہ عنہ قَالَ إِنْ كُنَّا لَنَتَكَلَّمُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ يُكَلِّمُ أَحَدُنَا صَاحِبَهُ بِحَاجَتِهِ,

حَتّٰى نَزَلَتْ ﴿حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ﴾[اَلْبَقَرَة: 238] فَأُمِرْنَا بِالسُّكُوتِ, وَنُهِينَا عَنِ الْكَلَامِ . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ,وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ .

مسلم، كتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب تحريم الكلام فى الصلاة: ۵۳۹، البخارى: ۱۲۰۰، الترمذى: ۴۰۵، ابو داود: ۹۴۹، البيهقى: ۲/۲۳۹، النسائى: ۳/۱۸، احمد: ۴/۳۶۸

تنبیہ: مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے زیر مطالعہ حدیث کے الفاظ کو مسلم کی طرف منسوب کیا ہے حالانکہ مذکورہ الفاظ صحیح بخاری میں مروی الفاظ کے قریب تر ہیں۔

۲۱۹: حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم عہد رسالت ﷺ میں دوران نماز گفتگو کرلیا کرتے تھے، اور اپنی ضرورت سے ایک دوسرے کو آگاہ کردیا کرتے تھے، یہاں تک کہ "نمازوں کی حفاظت کرو خصوصاً درمیانی نماز کی اور اللہ تعالیٰ کے حضور خاموشی کے ساتھ کھڑے ہوا کرو۔" نازل ہوئی تو ہمیں خاموش رہنے کا حکم دیا گیا، اور باہمی گفتگو سے منع کردیا۔ (بخاری و مسلم) یہ الفاظ مسلم کے ہیں۔

لغوی تحقیق: الوسطیٰ: درمیانی نماز، عصر۔ قانتین: یہ الفاظ گیارہ معانی میں مستعمل ہے، صحابہ نے اس کا معنی خاموش رہنا کیا ہے۔

تشریح: اس مضمون کی احادیث حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔ نماز میں گفتگو کرنے کی ممانعت مدینہ منورہ تشریف لیجانے کے بعد ہوئی۔ اس بات پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے کہ نماز میں باہمی گفتگو جائز نہیں۔

فقہی احکام: (۱) نماز میں باہمی گفتگو منع ہے۔ (۲) اشارے سے راہنمائی کی جاسکتی ہے۔

۲۲۰: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اَللَّهِ ﷺ " اَلتَّسْبِيحُ لِلرِّجَالِ ,وَالتَّصْفِيقُ لِلنِّسَاءِ " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ، زَادَ مُسْلِمٌ " فِي اَلصَّلَاةِ "

البخارى، كتاب العمل فى الصلاة، باب التصفيق للنساء: ۱۲۰۳، مسلم: ۴۲۲، ابو داود: ۹۳۹، النسائى: ۳/۱۱، ابن ماجة: ۱۰۳۴، احمد: ۲/۲۴۱، ابن الجارود: ۲۱۰، ابن حبان: ۲۲۶۲، ۲۲۶۳، المعجم الاوسط: ۵۲۱، ۵۸۴، ۱۲۷۷

۲۲۰: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "حضرات کیلئے تسبیح اور خواتین کے لیے تصفیق ہے۔" (بخاری و مسلم) مسلم نے "نماز میں" کے الفاظ بھی نقل کئے ہیں۔

لغوی تحقیق: تسبیح: سبحان اللہ۔ التصفیق: سیدھے ہاتھ کی دو انگلیوں کو الٹے ہاتھ کی پشت پر مارنا۔

تشریح: امام اگر بھول کر نماز میں تقدیم و تاخیر کرے تو پھر ایسی صورت میں مرد حضرات کو چاہیے کہ وہ امام کو متنبہ کرنے کیلئے سبحان اللہ کہیں اور اگر حضرات بھی وہم کا شکار ہو جائیں اور خواتین باخبر ہوں تو انہیں چاہیے کہ وہ دائیں ہاتھ کی دو انگلیوں کو بائیں ہاتھ کی پشت پر مار کر متنبہ کریں۔ اسی مفہوم کی احادیث حضرت ابوسعید اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہیں۔ ان احادیث سے بظاہر یہ واضح ہوا کہ عورت کی آواز بھی عورت کے اعضاء جسمانی ہی کے حکم میں ہے، یعنی جس طرح خواتین کو غیر مردوں سے اپنا جسم چھپانا ضروری ہے، اسی طرح انہیں اپنی آواز بھی چھپانی چاہیے، لیکن اس صورت میں یہ حدیث قرآنی آیت کے خلاف ہوگی، کیونکہ قرآن حکیم نے انہیں غیر مردوں کے سوال کا جواب معروف طریقے سے دینے کی اجازت دی ہے۔ جس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خواتین کی آواز ستر میں داخل نہیں، راقم کے نزدیک قرآن و حدیث کی ان ہدایات میں مطابقت کی صورت یہ ہے کہ خواتین کی آواز بلاشبہ ستر میں داخل نہیں لیکن چونکہ انکی آواز بھی فتنہ کا سبب بن سکتی ہے لہٰذا جہاں تک ممکن ہو خواتین کو اپنی آوز بھی چھپانی چاہیے، حالت نماز میں چونکہ امام کو اس کی غلطی پر متنبہ کرنا مقصود ہے اور یہ مقصود تصفیق سے حاصل ہوسکتا ہے، اس لئے انہیں آواز بلند کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

فقہی احکام: (۱) خواتین کی آواز ستر میں داخل نہیں، (۲) خواتین کو چاہیے کہ وہ فتنہ کے پھیلاؤ کے خوف سے اپنی آواز کو ممکن حد تک چھپانے کی کوشش کریں۔ (۳) شرعی ضرورت کے تحت نماز میں عمل کثیر کیا جا سکتا ہے۔

۲۲۱: **وَعَنْ مُطَرِّفِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الشِّخِّيرِ ,عَنْ أَبِيهِ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي ,وَفِي صَدْرِهِ أَزِيزٌ كَأَزِيزِ الْمِرْجَلِ ,مِنَ الْبُكَاءِ . أَخْرَجَهُ الْخَمْسَةُ ,إِلَّا ابْنَ مَاجَة ,وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ .**

النسائی، کتاب السهو، باب البکا فی الصلاة :۱۳/۳ (۱۲۱۵)، الترمذی فی الشمائل: ۳۱۵، ابو داود: ۹۰۴، مسند احمد: ۲۵/۴، صحیح ابن حبان: ۶۶۵، الحاکم: ۲۶۴/۱، البیهقی: ۲۵۱/۲

۲۲۱: حضرت عبداللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا، آپ ﷺ کے سینہ مبارک سے گریہ وزاری کی وجہ سے ایسی آوازیں آرہی تھیں جیسے جوش کھاتی ہوئی ہنڈیا کی آواز ہوتی ہے۔ اسے ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور احمد نے بیان کیا ہے اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔

لغوی تحقیق: ازیز: جوش مارتی ہوئی ہنڈیا کی آواز۔ المرجل: میم مکسور، راء ساکن اور جیم مفتوح، ہنڈیا۔

تشریح: اس روایت کو امام ابوداود، امام نسائی، امام ترمذی، امام ابن خزیمہ نے حماد بن سلمہ کے طریق سے بیان کیا ہے، اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ نماز میں اللہ تعالیٰ کے ڈر اور خوف کی وجہ سے رونا نماز کے حسن میں اضافہ کرتا ہے، ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ چکی کی آواز جیسی آواز تھی۔

فقہی احکام: (۱) حالت نماز میں اللہ تعالیٰ سے ڈر کر رونا مستحسن کام ہے۔
(۲) جاندار کے کسی وصف کو غیر جاندار چیز کے وصف سے تشبیہ دینا جائز ہے۔

۲۲۲: **وَعَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ لِي مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ مَدْخَلَانِ ,فَكُنْتُ إِذَا أَتَيْتُهُ وَهُوَ يُصَلِّي تَنَحْنَحَ لِي . رَوَاهُ النَّسَائِيُّ , وَابْنُ مَاجَة .**

ابن خزیمة، کتاب الصلاة، باب الرخصة فی التنحنح فی الصلاة عند الاستئذان علی المصلی ان صحت هذا اللفظة فقد اختلفوا فیها: ۹۰۲، النسائی: ۱۲/۳، ابن ماجة: ۳۷۰۸، مسند احمد: ۷۹/۱، تمام المنة: ۳۱۲

۲۲۲: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں دو دفعہ پیش ہوتا تھا، اور آپ ﷺ کی خدمت میں ایسے وقت حاضر ہوتا کہ آپ ﷺ نماز پڑھ رہے ہوتے تو آپ ﷺ کھنکار کے ذریعے مجھے مطلع کر دیتے۔ اسے نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

لغوی تحقیق: مدخلان: میم مفتوح، مدخل کا تثنیہ ہے، حاضر خدمت ہونے کے دو اوقات۔ تنحنح: یہ نح سے ماخوذ ہے، آواز کو حلق میں گردش دینا۔

تشریح: یہ روایت امام نسائی، امام ابن ماجہ، امام احمد اور امام ابن خزیمہ نے عبداللہ بن نجی کے طریق سے نقل کی ہے، عبداللہ یہ روایت کبھی براہ راست حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کرتا ہے اور کبھی اپنے والد کے واسطے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کرتا ہے، اسی طرح کبھی ؛تنحنح؛ کا لفظ نقل کرتا ہے اور کبھی ؛سبح؛ کا لفظ نقل کرتا ہے۔ ابن خزیمہ کی روایت میں منزلة کا ذکر ہے، لہٰذا یہ روایت متعدد علل کی وجہ سے ضعیف ہے۔

(۱) نجی مجہول ہے۔(۲) سند اور متن میں اضطراب ہے۔(۳) عبداللہ بن نجی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان انقطاع ہے۔
انہیں علل کی بنا پر امام بیہقی، امام نووی اور علامہ ناصر الدین البانی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

۲۲۳: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ قُلْتُ لِبِلَالٍ كَيْفَ رَأَيْتَ النَّبِيَّ ﷺ يَرُدُّ عَلَيْهِمْ حِينَ يُسَلِّمُونَ عَلَيْهِ ,وَهُوَ يُصَلِّي؟ قَالَ يَقُولُ هَكَذَا ,وَبَسَطَ كَفَّهُ . أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ ,وَالتِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ .

ابو داود، کتاب الصلاة، باب رد السلام فی الصلاة: ۹۲۷، الترمذی: ۳۶۸، النسائی: ۵/۳، الدارقطنی: ۸۴/۲، مسلم: ۵۴۰، احمد: ۱۲/۶ ، ابن الجارود: ۲۱۵ ، ۲۱۶

۲۲۳: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے بلالؓ سے دریافت کیا کہ آپ ﷺ کو جب صحابہ نماز کی حالت میں سلام کرتے تھے، تو اس وقت آپ ﷺ کیسے جواب دیتے تھے؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ پھیلا کر کہا اس طرح۔ اسے ابوداؤد اور ترمذی نے بیان کیا ہے اور ترمذی نے صحیح کہا ہے۔

لغوی تحقیق: یرد: سلام کا جواب دیتے۔ بسط: پھیلایا۔

تشریح: امام ابوداؤد اور امام ترمذی یہ روایت نافع مولی ابن عمر کے طریق سے لائے ہیں، اس میں وہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ قبا تشریف لے گئے اور وہاں آپ ﷺ نے نماز پڑھی، اسی دوران انصار کی ایک جماعت آئی، اس نے آپ ﷺ کو اسی حال میں سلام کہا۔ میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ ﷺ نے کیسے جواب دیا؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ہاتھ کا اشارہ کر کے فرمایا، ایسے۔

امام نسائی نے اس مضمون کی روایت زید بن اسلم کے طریق سے نقل کی ہے، اس میں یہی سوال حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا تو انہوں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی مثل جواب دیا۔ یہ دونوں طریق سند کے اعتبار سے قوی ہیں، اس سفر میں حضرت بلال اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہما رحمت عالم ﷺ کے ساتھ ساتھ تھے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بطور تسلی دونوں سے باری باری دریافت کیا۔ اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ نماز پڑھنے والا حالت نماز میں اشارے سے جواب دے سکتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو امام دارقطنی نے روایت کیا ہے، اس میں بھی اشارے سے جواب دینے کا ذکر ہے اگرچہ وہ اشارہ سلام کے جواب میں نہیں ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں اشارے سے منع کرنے کا ذکر موجود ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں سر کے اشارے کا ذکر ہے۔

فقہی احکام: (۱) نماز پڑھنے والے آدمی کو بھی سلام کہنا چاہیے۔ (۲) نماز پڑھنے والے کو ہاتھ کے اشارے سے جواب دینا چاہیے۔
(۳) نماز میں اشارہ موجب فساد نماز نہیں۔

۲۲۴: وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُصَلِّي وَهُوَ حَامِلٌ أُمَامَةَ بِنْتِ زَيْنَبَ ,فَإِذَا سَجَدَ وَضَعَهَا ,وَإِذَا قَامَ حَمَلَهَا . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَلِمُسْلِمٍ وَهُوَ يَؤُمُّ النَّاسَ فِي الْمَسْجِدِ .

البخاری، کتاب الصلاة، باب اذا حمل جاریة صغیرة علی عنقه فی الصلاة: ۵۱۶، مسلم: ۵۴۳، ابو داود: ۹۱۷، البیهقی: ۲۶۳/۲، النسائی: ۴۵/۲ ، ۴۶، احمد: ۲۹۵/۵، ابن خزیمة: ۸۶۸، المؤطا: ۱۷۰/۱، المعجم الاوسط: ۱۴۰

۲۲۴: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ امامہ بنت زینب کو حالت نماز میں اٹھائے ہوئے تھے۔ جب آپ ﷺ سجدہ فرماتے تو اسے بٹھا دیتے، اور جب کھڑے ہوتے تو اٹھا لیتے۔ (بخاری ومسلم) اور مسلم میں ہے اس وقت آپ ﷺ مسجد میں

امامت فرما رہے تھے۔

تشریح: امامہ بنت زینب رحمت عالم ﷺ کی نواسی تھیں، آپ ﷺ نے انہیں اٹھا کر امامت فرمائی۔

فقہی احکام: (۱) فرض نماز میں بھی بوقت ضرورت بچے کو اٹھایا جا سکتا ہے۔

(۲) خاص کر خواتین شیر خوار بچوں کو گود میں لے کر نماز پڑھ سکتی ہیں۔

۲۲۵: **وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ "اُقْتُلُوا الْأَسْوَدَيْنِ فِي الصَّلَاةِ الْحَيَّةَ ,وَالْعَقْرَبَ" أَخْرَجَهُ الْأَرْبَعَةُ ,وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ .**

ابو داود، کتاب الصلاة، باب العمل فی الصلاة: ۹۲۱، الترمذی: ۳۹۰، النسائی: ۱۰/۳، ابن ماجة: ۱۲۴۵، ابن حبان: ۲۳۵۲، احمد: ۲۳۳/۲، الحاکم: ۲۵۶/۱

۲۲۵: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "حالت نماز میں بھی دو سیاہ چیزوں یعنی سانپ اور بچھو کو قتل کر دو۔" اسے چاروں نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔

لغوی تحقیق: **اسودین:** اسود کا تثنیہ ہے، یہ لفظ واضع نے سیاہ سانپ کیلئے وضع کیا تھا، بعد میں ہر سیاہ چیز کیلئے استعمال ہونے لگا۔
الحیة: سانپ۔ **العقرب:** بچھو۔

تشریح: اس حدیث سے واضح ہوا کہ حالت نماز میں ہر قسم کے سانپ اور بچھو کو مارنا جائز ہے۔ اس مضمون کی ایک روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی منقول ہے، اس روایت کو امام ابن ماجہ نے ضعیف سند سے نقل کیا ہے۔

فقہی احکام: (۱) حالت نماز میں سانپ، بچھو اور اسی طرح کے دیگر موذی جانداروں کو مارنا درست ہے۔

(۲) اس قسم کے عمل کثیر سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

۴۔ بَابُ سُتْرَةِ الْمُصَلِّيْ — نمازی کے سترہ کا بیان

۲۲۶: **عَنْ أَبِي جُهَيْمِ بْنِ الْحَارِثِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ "لَوْ يَعْلَمُ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي مَاذَا عَلَيْهِ مِنَ الْإِثْمِ لَكَانَ أَنْ يَقِفَ أَرْبَعِينَ خَيْرًا لَهُ مِنْ أَنْ يَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ,وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ . وَوَقَعَ فِي الْبَزَّارِ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ. أَرْبَعِينَ خَرِيفًا .**

البخاری، کتاب الصلاة، باب اثم المار بین ید المصلی: ۵۰۹، ۵۱۰، مسلم: ۵۰۷، ابوداود: ۷۰۱، الترمذی: ۳۳۶، ابن خزیمة: ۱۴/۲، الدارمی: ۲۶۸/۱، نصب الرایة: ۷۹/۱، الاحکام الوسطی: ۱۳۳/۲، بیان الوهم والایهام: ۱۰۶/۲، ۱۰۷

تنبیہ: الاثم: فقط کشمهینی نے نقل کیا ہے۔

۲۲۶: حضرت ابوجہیم بن حارث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والے کو معلوم ہو جائے کہ ایسا کرنے پر کس قدر گناہوں کا بوجھ اٹھانا ہو گا تو اس کے لیے نمازی کے آگے سے گزرنے کے مقابلے میں چالیس (ماہ یا سال) تک کھڑے رہنا بہتر ہے (بخاری و مسلم) مذکورہ الفاظ بخاری کے ہیں، مسند بزار میں ایک دوسری سند سے سال کی صراحت بھی ہے

لغوی تحقیق: **سترة:** سین مضموم، تاء ساکن، ایسی رکاوٹ جو نمازی مقام سجدہ سے تھوڑا آگے نصب کرتا ہے، خواہ کسی بھی شکل میں ہو سترہ

کہلاتا ہے۔ خریف: موسم خزاں یعنی ۲۱ ستمبر سے شروع ہوکر ۲۰ دسمبر تک کے دورانیہ کو خریف کہتے ہیں لیکن یہاں اس سے مراد سال ہے۔

تشریح: زیرِ مطالعہ حدیث میں نمازی کے آگے سے گزرنے سے جو گناہ لازم آتا ہے اس کی شدت کا تذکرہ ہے، لیکن ابونضر نامی راوی کو یہ یاد نہیں رہ سکا کہ اس کے شیخ بسر بن سعید نے چالیس یوم، ماہ یا سال ذکر کیا تھا جبکہ ابن عیینہ کا کہنا ہے کہ انہیں ان کے شیخ ابونضر نے چالیس سال بتائے ہیں۔ علامہ ناصر الدین البانی نے چالیس سال کے تعین کو ابن عیینہ کا وہم قرار دیا ہے کیونکہ ابن عیینہ کے دیگر ساتھیوں مثلاً امام مالک اور سفیان ثوری نے بتایا کہ انہیں ان کے شیخ نے کہا کہ مجھے چالیس عدد یاد رہا، لیکن میں بھول گیا کہ وہ چالیس سال تھے یا چالیس ماہ تھے یا چالیس دن تھے۔

امام ابن قطان نے معاصرین کے اس اختلاف کو نہایت عمدگی سے حل کرنے کی سعی جمیلہ فرمائی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ابن عیینہ کی طرف خطا کی نسبت کرنا درست نہیں کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ خالد بن زید اور ابوجہیم بن الحارث دونوں نے آپ ﷺ سے زیرِ مطالعہ حدیث ایک ساتھ سنی ہو اور دونوں نے بسر بن سعید کو ایک دوسرے کی طرف بھیج کر اپنی یادداشت کی تصدیق چاہی ہو اور دونوں نے ایک دوسرے کو اپنی یادداشت سے مطلع کیا ہو، ان میں سے ایک نے حدیث کے آخری الفاظ میں شک کا اظہار کیا ہو اور دوسرے نے چالیس سال کا تعین بالجزم کیا ہو، اور ابونضر کے پاس یہ روایت دونوں طرق سے محفوظ ہو اور امام مالک نے ابونضر سے وہ الفاظ سنے ہوں جو ابوجہیم بیان کرتے ہوں اور امام ابن عیینہ نے وہ سنے ہوں جو زید بن خالد سے نقل کرتے ہیں۔

علامہ ابن عبدالبر اور علامہ ناصر الدین البانی نے ابن قطان کے اس موقف کو مسترد کیا ہے لیکن راقم کے نزدیک ابن قطان کا موقف درست ہے کیونکہ یہاں گزرنے والے کو اس کی اس مذموم حرکت سے روکنا مقصود ہے اور یہ مقصود ایام یا مہینوں کے مقابلے میں برسوں سے زیادہ حاصل ہوتا ہے۔ اس حقیقت کا اظہار دیگر احادیث سے بھی ہوتا ہے، جیسا کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر کوئی شخص نمازی کے سترہ رکھنے کے باوجود اس کے آگے سے گزرنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کے سینہ پر مار کر اسے روکا جائے، اگر وہ اس کے باوجود بھی باز نہیں آتا تو اس سے باقاعدہ لڑائی کی جائے، کیونکہ وہ شیطان ہے"

فقہی احکام: (۱) نمازی کو چاہیے کہ وہ سترہ کا اہتمام کرے۔ (۲) نمازی کے آگے سے گزرنا سخت گناہ ہے۔ (۳) ایسے شخص سے حالتِ نماز میں لڑائی لڑنا جائز ہے۔ (۴) سترہ کے باہر سے گزرنے کی اجازت ہے۔

۲۲۷: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ سُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ عَنْ سُتْرَةِ الْمُصَلِّي . فَقَالَ "مِثْلُ مُؤْخِرَةِ الرَّحْلِ" أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، کتاب الصلاۃ، باب سترۃ المصلی: ۵۰۰، النسائی: ۲/۶۲، البیهقی: ۳۵۴۴

تنبیہ: بلوغ المرام کے بعض مطبوعہ نسخہ میں سئل النبی ﷺ ہے اور بعض میں سئل رسول الله ﷺ ہے مؤخر الذکر درست ہے کیونکہ صحیح مسلم میں بھی سئل رسول الله ﷺ ہی ہے۔

۲۲۷: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے غزوہ تبوک کے موقع پر نمازی کے سترہ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا "اُونٹ کے پالان کے پچھلے حصہ کی اُونچائی کے برابر ہونا چاہیے۔" اسے مسلم نے بیان کیا ہے۔

لغوی تحقیق: مؤخر: میم مضموم، واؤ ساکن اور خاء مکسور۔ الرحل: پالان۔

تشریح: نمازی کو اپنے آگے سترہ رکھنا چاہیے کیونکہ اس بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ حضرت علی، حضرت ابوجحیفہ اور

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے سترہ رکھنے کے بارے میں احادیث مروی ہیں۔سترہ رکھنے سے نمازی اوراس کے سامنے سے گزرنے والا دونوں مشقت سے بچ جاتے ہیں۔

فقہی احکام: سترہ کی اونچائی تقریباً ایک فٹ کے برابر ہونی چاہیے۔

۲۲۸: وَعَنْ سَبْرَةَ بْنِ مَعْبَدٍ الْجُهَنِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ "لِيَسْتَتِرْ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاةٍ وَلَوْ بِسَهْمٍ " أَخْرَجَهُ الْحَاكِمُ.

الحاکم: ۱/۲۵۲ ، ۲۵۳، ابن خزیمة: ۲/۱۳، احمد: ۳/۴۰۴، البیهقی: ۳۵۵۵، الطبرانی: ۶۵۳۹ ۔ ۶۵۴۵

تنبیہ: مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو حاکم کی طرف منسوب کیا ہے، جبکہ بلوغ المرام میں مذکورالفاظ حاکم کی بجائے طبرانی کے ہیں۔

۲۲۸: حضرت سبرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:" آپ میں سے ہر ایک نماز پڑھتے وقت اپنے سامنے سترہ ضرور رکھے ،اگر چہ تیر ہی کیوں نہ ہو۔"اسے حاکم نے روایت کیا ہے۔

لغوی تحقیق: سھم: تیر۔

تشریح: اس روایت کوامام حاکم ،امام ابن خزیمہ،امام احمد،امام بیہقی اورامام طبرانی نے عبدالملک کے طریق سے نقل کیا ہے،علامہ ہیثمی نے رجال احمد کو رجال صحیح قرار دیا ہے۔راقم کے نزدیک ممدوح کا یہ کہنا درست نہیں، کیونکہ عبدالملک بن ربیع رجال بخاری میں سے نہیں ہے۔امام ابن قطان فرماتے ہیں کہ اس کی عدالت ثابت نہیں۔امام مسلم نے اگر چہ ان سے روایت لی ہے مگر اسے بطور حجت اختیار نہیں کیا۔امام یحییٰ بن معین نے اس طریق کوضعیف قرار دیا ہے۔امام ابن خزیمہ اورامام حاکم کی بیان کردہ روایت میں عبدالملک کی ولدیت عبدالعزیز مرقوم ہے جبکہ طبرانی اور بیہقی وغیرہ میں عبدالملک کی ولدیت ربیع مرقوم ہے۔

اس سلسلہ میں درست بات یہ ہے کہ عبدالملک کی ولدیت ربیع ہے کیونکہ عبدالملک اورعبدالعزیز دونوں بھائی ہیں،معلوم ہوتا ہے کہ یہ تسامح ابراہیم بن سعد سے ہوا ہے،واضح رہے کہ حرملہ بن عبدالعزیز کوعبدالملک بن ربیع کا متابع قرار دینا درست نہیں کیونکہ حرملہ سے مروی روایت مرسل ہے۔لہٰذاامام حاکم اورامام ذہبی کااس روایت کومسلم کی شرط پر صحیح قرار دینا درست نہیں۔

۲۲۹: وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ "يَقْطَعُ صَلَاةَ الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ إِذَا لَمْ يَكُنْ بَيْنَ يَدَيْهِ مِثْلُ مُؤْخِرَةِ الرَّحْلِ الْمَرْأَةُ ,وَالْحِمَارُ ,وَالْكَلْبُ الْأَسْوَدُ"... الْحَدِيثَ . وَفِيهِ "الْكَلْبُ الْأَسْوَدُ شَيْطَانٌ" أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ .

مسلم، کتاب الصلاة، باب قدر ما یستر المصلی: ۵۱۰، ابوداود: ۷۰۲، الترمذی: ۳۳۸، النسائی: ۲ /۶۳، ابن ماجة: ۹۵۱، ۹۵۲، ابن خزیمة: ۲/۲۱، عبد الرزاق: ۲ /۲۷، شرح المعانی الآثار: ۱ /۴۵۸، کشف الاستار: ۵۸۲، الطبرانی: ۳/۲۱۱ ، مسنداحمد: ۵/۱۵۱

۲۲۹: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:" مسلمان نمازی کے سامنے اگر کجاوے کے پچھلے حصہ کے برابر سترہ نہ ہواوراسی حالت میں اس کے سامنے سے عورت، گدھااور سیاہ کتا گزرجائے تووہ اس کی نماز توڑدے گا۔"اس حدیث میں یہ صراحت ہے کہ سیاہ کتا شیطان ہے۔(مسلم)

لغوی تحقیق: المرأة:عورت۔ الحمار: گدھا۔ الکلب الاسود: سیاہ کتا۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث میں سنداور متن کے اعتبار سے کوئی معمولی سی علت بھی موجود نہیں، نیز اس کی تائید حضرت ابوسعید خدری،

حضرت انس بن مالک، حضرت عبداللہ بن مغفل، حضرت حکم بن عمرو اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے منقول روایات سے بھی ہوتی ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کو امام عبدالرزاق نے ابو ہارون عبدی کے طریق سے نقل کیا ہے اور ابو ہارون کو تمام ماہرین فن نے ضعیف و متروک قرار دیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی روایات کو امام بزار نے شعبہ کے طریق سے صحیح سند سے نقل کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کو امام احمد اور امام ابن ماجہ وغیرہما نے قتادہ کے طریق سے نقل کیا ہے۔ اس روایت کو حافظ ابن عبدالهادی نے صحیح الاسناد کہا ہے۔ لیکن میری نظر میں جو طرق ہیں ان میں قتادہ اور حسن بصری نے سماع کی صراحت نہیں کی، جبکہ یہ دونوں بزرگ معروف مدلس ہیں لہٰذا سماع کی صراحت ملنے کی صورت میں یہ روایت صحیح ہے ورنہ ضعیف۔

حضرت حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کو امام طبرانی نے عمر بن ردیح کے طریق سے نقل کیا ہے اور عمر بن ردیح مختلف فیہ ہے اور حسن بصری مدلس ہے، واضح رہے کہ ان روایات میں کتے کی رنگت کی قید نہیں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت کو امام احمد نے نقل کیا ہے، یہ روایت سنداً تو درست ہے مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اپنے فتوی کے خلاف ہے، نیز اس میں گدھے کی جگہ کافر مذکور ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں، فقط کتے کے گزرنے سے نماز منقطع ہوگی، کیونکہ آپ ﷺ جب قیام اللیل فرماتے تھے تو بسا اوقات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے سامنے لیٹی ہوئی ہوتی تھیں، جب آپ ﷺ سجدہ فرماتے تو وہ اپنے پاؤں اکٹھے کر لیتی تھیں۔ جمہور کا خیال ہے کہ نماز منقطع نہیں ہوتی، بلکہ نماز میں نقص واقع ہو جاتا ہے کیونکہ ان چیزوں کے گزرنے کی وجہ سے خیالات پراگندہ ہو جاتے ہیں، بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔

اس روایت میں مذکور حکم کے بارے میں اہل علم میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے، بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ عورت اور سیاہ کتے کے گزرنے سے نماز ٹوٹ جائے گی، لیکن گدھے کے گزرنے سے نہیں ٹوٹے گی، کیونکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے کہ میں گدھے پر سواری کی حالت میں صف کے آگے سے گزر گیا تھا اور آپ ﷺ نے نماز کو نہیں توڑا۔ اس روایت کو بنیاد بنا کر گدھے کی استثنا کرنا درست نہیں کیونکہ نماز کیلئے آپ ﷺ سترہ تھے۔

فقہی احکام: فقہی احکام اور مزید تفصیل حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہما سے مروی احادیث رقم ۲۳۳، ۲۳۴ میں آئے گی۔

۲۳۰: وَلَهُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ نَحْوُهُ دُونَ الْكَلْبِ.

مسلم، کتاب الصلاة، باب قدر مايستر المصلى: ۵۱۱، ابن ماجة: ۹۵۰، احمد: ۴۲۵/۲

تنبیہ: مسلم کے تمام مطبوعہ نسخوں میں کتے کا ذکر ہے۔

۲۳۰: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کو امام مسلم نے اس کے مثل بیان کیا ہے، البتہ اس میں کتے کا ذکر نہیں ہوا۔

۲۳۱: وَلِأَبِي دَاوُدَ وَالنَّسَائِيِّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما نَحْوُهُ ,دُونَ آخِرِهِ .وَقَيَّدَ الْمَرْأَةَ بِالْحَائِضِ.

ابوداود، کتاب الصلاة، باب ما يقطع الصلاة: ۷۰۳، النسائی: ۶۴/۲، ابن ماجة: ۹۴۹، ابن خزيمة: ۸۳۲، البيهقي: ۳۵۷۷

۲۳۱: امام ابوداؤد اور امام نسائی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کی مثل لائے ہیں، مگر آخری حصہ اس جیسا نہیں اور انہوں نے عورت کے حائضہ ہونے کی قید ذکر کی ہے۔

تشریح: ؛نحوہ؛ اور ؛آخرہ؛ میں ضمیر کا مرجع حدیث حضرت ابو ہریرہ یا حدیث ابوذر رضی اللہ عنہما ہے؟ اس بارے میں اہل علم میں اختلاف

پایا جاتا ہے، ایک گروہ کا خیال ہے کہ حدیث ابوذر رہے، ان کا کہنا ہے کہ مؤلف ﷫ نے حدیث ابوذر کو اصـــــالۃ نقل کیا ہے۔ جبکہ حدیث ابو ہریرہ کو متابعۃ نقل کیا ہے، لہٰذا جو حدیث اصالۃ مذکور ہے وہی مرجع ہونی چاہیے، ان کے نزدیک ؛دون آخرہ ؛ کی نفی سے حدیث ابن عباس میں ؛الکلب الاسود شیطان ؛ کے عدم ذکر کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔ دوسرے گروہ کے نزدیک ان کا مرجع حدیث ابو ہریرہ ہے، ان کا کہنا ہے کہ ضمیر کا مرجع ہمیشہ قریب ہوتا ہے، ان کے نزدیک ؛دون آخرہ ؛ کی نفی سے ؛ذالک مثل موخر الرجل ؛ کا عدم ذکر مقصود ہے۔ راقم کے نزدیک مؤخر الذکر علماء کا موقف درست ہے کیونکہ ضمیر کا مرجع ہمیشہ قریب ہوتا ہے، کیونکہ مرجع کے تعین میں اصالۃ یا متابعۃ کی کوئی حیثیت نہیں۔ زیر مطالعہ حدیث کو امام شعبہ نے حضرت قتادہ ﷜ سے مرفوع جبکہ ان کے دیگر تلامذہ نے ان سے موقوف نقل کیا ہے۔

۲۳۲: وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ ﷜ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ " إِذَا صَلّٰى أَحَدُكُمْ إِلَى شَيْءٍ يَسْتُرُهُ مِنَ النَّاسِ , فَأَرَادَ أَحَدٌ أَنْ يَجْتَازَ بَيْنَ يَدَيْهِ فَلْيَدْفَعْهُ ,فَإِنْ أَبَى فَلْيُقَاتِلْهُ ,فَإِنَّمَا هُوَ شَيْطَانٌ "مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ " فَإِنَّ مَعَهُ الْقَرِينَ "

البخاری، کتاب الصلاۃ، باب یرد المصلی من مر بین یدیه: ۵۰۹، مسلم: ۵۰۵، ابو داود: ۷۰۰، البیهقی: ۳۵۳۸

تنبیہ: "فان معه قرین" یہ الفاظ حضرت عبداللہ بن عمر ﷠ سے مروی حدیث کے ہیں (البیهقی : ۳۵۴۰، مسلم ۵۰۶) صاحب سبل السلام نے مسلم کے حوالے سے ان الفاظ کو حدیث ابی ہریرہؓ کی طرف منسوب کیا ہے۔ یہ ان سے تسامح ہوا ہے یا پھر طباعت کی غلطی ہے، نورالحسن صاحب نے بھی سبل السلام کی پیروی کرتے ہوئے ان الفاظ کو صحیح مسلم کے حوالے سے حدیث ابی ہریرہ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

۲۳۲: حضرت ابوسعید خدری ﷜ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " آپ میں سے کوئی ایک جب نماز پڑھے تو سترہ سامنے رکھ کر نماز پڑھے، اس دوران کوئی شخص اس کے اور سترہ کے درمیان سے گزرنا چاہے تو نمازی کو چاہیے کہ وہ اسے روکے اور اگر وہ باز نہ آئے تو اس سے لڑائی کرے کیونکہ وہ شیطان ہے۔" (بخاری و مسلم) ایک روایت میں ہے کہ "اس کے ساتھ قرین (ساتھی) ہے۔"

۲۳۳: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷜ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ "قَالَ إِذَا صَلّٰى أَحَدُكُمْ فَلْيَجْعَلْ تِلْقَاءَ وَجْهِهِ شَيْئًا ,فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيَنْصِبْ عَصًا ,فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فَلْيَخُطَّ خَطًّا ,ثُمَّ لَا يَضُرُّهُ مَنْ مَرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ ". أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَة ,وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ ,وَلَمْ يُصِبْ مَنْ زَعَمَ أَنَّهُ مُضْطَرِبٌ ,بَلْ هُوَ حَسَنٌ .

ابن حبان ،کتاب الصلاۃ، باب وصف استتار المصلی فی صلاته: ۲۳۶۱، احمد: ۲ /۲۴۹، ابو داود: ۶۸۹، ۶۹۰، ابن ماجة: ۹۴۳، ابن خزیمة: ۸۱۱، ۸۱۲، البیهقی: ۳۵۵۷، ۳۵۶۲

۲۳۳: حضرت ابو ہریرہ ﷜ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " آپ میں سے جو بھی شخص نماز پڑھے اسے چاہیے کہ وہ اپنے سامنے کوئی چیز رکھ لے، اگر اسے کوئی چیز نہ ملے تو اسے اپنی لاٹھی کھڑی کر لینا چاہیے، اگر لاٹھی بھی نہ ہو تو پھر وہ اپنے سامنے خط کھینچ لے، پھر اس کے سامنے سے گزرنے والا اس کے لیے مضر نہیں ہوگا۔" اسے احمد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے جس نے اس حدیث کو مضطرب قرار دیا ہے اس کی تحقیق صائب نہیں کیونکہ یہ روایت حسن درجہ کی ہے۔

لغوی تحقیق: تلقا: سامنے۔ فلینصب: نصب سے فعل امر ہے، یعنی نصب کرے۔ لم یصب: اصاب سے فعل نفی جحد ہے، یعنی اس نے درست نہیں کیا۔

تشریح: اس روایت کو امام احمد، امام ابن ماجہ، امام ابوداؤد، امام ابن خزیمہ، امام ابن حبان، امام عبدالرزاق اور امام بیہقی نے اسماعیل

بن امیہ کے طریق سے نقل کی ہے۔اسماعیل بن امیہ اپنے شیخ کا نام کبھی ابوعمرو بن حریث نقل کرتے ہیں اور کبھی ابومحمد بن عمرو بن حریث اور کبھی ابوعمرو بن محمد بن حریث کبھی حریث بن عمار، اسی طرح کبھی وہ حدثنی ابوعمرو بن محمد عن جدہ حریث اور کبھی حدثنی ابوعمرو بن حریث عن ابیہ کبھی عن ابی عمرو بن محمد بن حریث عن ابیہ، کبھی عن ابی عمرو بن حریث عن جدہ اور کبھی عن حریث بن عمار کہتے ہیں۔اس روایت کو علی بن مدینی ،احمد، ابن خزیمہ، ابن حبان اور ابن منذر نے صحیح کہا ہے، جبکہ سفیان بن عیینہ، شافعی، بغوی، دارقطنی، طحاوی اور متاخرین میں نووی اور ابن عبدالھادی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

راقم کے نزدیک اس روایت کے ضعیف ہونے کی دو علتیں ہیں (۱) سند میں اضطراب ہے۔(۲) ابوعمرو بن محمد، ابن محمد بن عمرو، ابو محمد بن عمرو، اس نام کے تمام رواۃ مجہول ہیں نیز حریث بھی مجہول ہے۔

جن حضرات نے اس روایت کو صحیح کہا ہے، ان کے نزدیک خط کھینچنے کی کیفیت میں اختلاف پایا جاتا ہے۔امام احمد فرماتے ہیں کہ خط ہلالی شکل کا ہونا چاہیے، امام حمیدی کے نزدیک کمان نما ہونا چاہیے اور ابوداؤد کے نزدیک قبلہ رخ سیدھا ہونا چاہیے۔

سترہ کے وجوب اور عدم وجوب کے بارے میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔جن حضرات کے نزدیک سترہ کا ہونا ضروری ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر کچھ بھی میسر نہ آئے تو خط کھینچ لیا جائے، ان کے نزدیک جو نمازی اپنے آگے سترہ نہیں رکھتا اس کے آگے سے گزرنا جائز ہے۔

فقہی احکام: (۱) سترہ رکھنا مستحب ہے۔(۲) آگے سے گزرنے والے کو حتی الامکان روکنا چاہیے۔
(۳) اگر کچھ بھی میسر نہ آئے تو اطمینان قلب کیلئے خط کھینچ لینا بہتر ہے۔

۲۳۴: وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ " لَا يَقْطَعُ الصَّلَاةَ شَيْءٌ ,وَادْرَأْ مَا اسْتَطَعْتَ " أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ ,وَفِي سَنَدِهِ ضَعْفٌ .

ابو داود، کتاب الصلاۃ، باب من قال لا یقطع الصلاۃ شیء: ۷۱۹، الدارقطنی: ۱/ ۳۶۷ ، ۳۶۸، المطالب العالیۃ: ۳۵۲، المعجم الاوسط للطبرانی: ۷۷۷۰ ، ۱۹۸۶، التنقیح: ۱/ ۴۴۶، الاحکام الوسطی: ۱/ ۳۴۸، المیزان الاعتدال: ۲/ ۳۰۸

۲۳۴: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "نماز کو کوئی چیز نہیں توڑتی، البتہ آگے سے گزرنے والے کو حتی الوسع روکنے کی کوشش کرو۔" اسے ابوداؤد نے ضعیف سند سے روایت کیا ہے۔

لغوی تحقیق: ادرءْ: روکو۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث کو امام ابوداود، امام دارقطنی، امام بیہقی اور امام ابن ابی شیبہ نے مجاہد بن سعید کے طریق سے نقل کیا ہے، مجاہد کو نامور محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے، جبکہ اس کا شیخ ابوالوداک جبر بن نوف مختلف فیہ ہے، امام بیہقی نے مجاہد ہی کے طریق سے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ایک موقوف روایت نقل کی ہے، ظاہر ہے کہ اس قسم کی روایت بطور مؤید کچھ مفید نہیں۔اسی مضمون کی روایات حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابو ہریرہ، حضرت جابر، حضرت ابوامامہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو مؤلف رحمہ اللہ نے **المطالب العالیہ** میں، امام شعبہ کے طریق سے نقل کیا ہے، علامہ ہیثمی اور علامہ احمد شاکر نے اس روایت کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کو امام طبرانی نے حبان بن علی کے طریق سے نقل کیا ہے، حبان بن علی مختلف فیہ ہے، جبکہ اس کے استاد حصین بن منذر کو امام یحییٰ بن معین نے مجہول اور علامہ ہیثمی نے اس روایت کو معلول قرار دیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کو امام دارقطنی نے اسحاق بن ابی فروۃ کے طریق سے نقل کیا ہے، موصوف کو تقریباً تمام ماہرین فن نے سخت ضعیف قرار دیا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کو امام طبرانی نے یحییٰ بن میمون کے طریق سے نقل کیا ہے، اس پر بھی ماہرین فن نے سخت جرح کی ہے۔

حضرت ابو مامہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کو امام دارقطنی اور امام طبرانی نے عفیر بن معدان کے طریق سے نقل کیا ہے، یہ بھی محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کو امام بیہقی اور امام دارقطنی نے صخر بن عبداللہ کے طریق سے نقل کیا ہے۔ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے **فتح الباری** میں اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

درج بالا بیانات سے واضح ہوا کہ اس مسئلہ میں کوئی بھی مرفوع روایت اس قابل نہیں کہ اسے حضرت ابو ذر، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی صحیح مرفوع احادیث کے معارض قرار دیا جا سکے۔ بنا بریں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابو ذر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی صحیح احادیث کی ناسخ قرار دینا زیادتی ہے۔

راقم کے نزدیک جن احادیث میں یہ مذکور ہے کہ گدھی صف کے آگے سے گزر رہی تھی، اس میں یہ صراحت بھی ہے کہ وہ صف کے کچھ حصہ آگے سے گزر رہی تھی۔ لہٰذا اس روایت کو معارض قرار دینا بھی درست نہیں کیونکہ اس صف کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سترہ تھے۔ اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آرام فرمانا، یہ بھی ان احادیث کے معارض نہیں کیونکہ اس میں آگے سے گزرنے کا ذکر ہے۔ جبکہ حدیث عائشہ میں فقط لیٹنے کا ذکر ہے۔

فقہی احکام: (۱) نمازی کو اپنے سامنے سترہ رکھنا چاہیے۔ (۲) نمازی کے آگے سے گزرنا سخت گناہ ہے۔ (۳) پندرہ بیس فٹ کے فاصلے سے گزرنے میں کوئی مضائقہ نہیں (۴) غیر محرم عورت، سیاہ کتا اور گدھے کے گزرنے سے نماز ان گنت برکات سے محروم ہو جاتی ہے۔

۵ ۔ بَابُ الْحَثِّ عَلَى الْخُشُوْعِ فِی الصَّلَاةِ نماز میں خشوع کی ترغیب دینے کا بیان

۲۳۵: عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ ، نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَنْ يُصَلِّيَ الرَّجُلُ مُخْتَصِرًا . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ,وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ وَمَعْنَاهُ أَنْ يَجْعَلَ يَدَهُ عَلَى خَاصِرَتِهِ .

البخاری، کتاب العمل فی الصلوة، باب الخصر فی الصلاة: ۱۲۲۰، مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب کراهة الاختصار فی الصلاة: ۵۴۵، ابو داود: ۹۴۷، الترمذی: ۳۸۴، احمد: ۲۳۲/۲، النسائی: ۱۲۷/۲، الدارمی: ۱۴۳۵

۲۳۵: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کولہوں پر ہاتھ رکھ کر نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ (بخاری و مسلم) مذکورہ الفاظ مسلم کے ہیں، مختصر کا معنی کولہوں پر ہاتھ رکھنا ہے۔

لغوی تحقیق: **الحث**: رغبت دینا۔ **الخشوع**: عجز و انکساری۔ **مختصراً**: میم مضموم اور صاد مکسور۔ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا معنی کولہوں پر ہاتھ رکھنا کیا ہے۔

تشریح: نماز عجز و انکساری سے عبارت ہے، اس لئے ہر وہ کام جس سے تکبر و غرور کی بو آئے، وہ نماز میں ممنوع ہے، پہلو پر ہاتھ رکھ کر

کھڑے ہونا چونکہ تکبر کی علامت ہے اس لئے اس سے منع کیا گیا ہے۔

فقہی احکام: (۱) کولہوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہونا تکبر کی علامت ہے۔(۲) نماز عجز وانکساری سے عبارت ہے۔
(۳) کوئی بھی ایسی ادا جس سے تکبر کی بو آتی ہو وہ نماز میں خصوصاً ممنوع ہے۔

۲۳۶: وَفِي الْبُخَارِيِّ عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها أَنَّ ذٰلِكَ فِعْلُ الْيَهُودِ .

البخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب ما ذکر عن بنی اسرائیل: ۳۴۵۸، ابن ابی شیبة: ۴۹۸/۱، عبد الرزاق: ۲۷۳/۲ ، ۳۷۴

تنبیہ: مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت بالمعنی نقل کی ہے۔

۲۳۶: بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے، وہ فرماتی ہیں کہ اس طرح نماز پڑھنا یہود کا طریقہ ہے۔

تشریح: ابن ابی شیبہ میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک شخص کو کولہوں پر ہاتھ رکھے دیکھ کر فرمایا، جہنمی جہنم میں ایسے کھڑے ہونگے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شیطان ایسے کھڑا ہوتا ہے۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔آخری دونوں روایات صالح بن نبہان کی وجہ سے ضعیف ہیں۔

فقہی احکام: (۱) یہود کولہوں پر ہاتھ رکھ کر نماز پڑھتے تھے۔(۲) یہود کی مشابہت اختیار کرنا ممنوع ہے۔
(۳) کولہوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہونا دنیا میں تکبر اور جہنم میں رسوائی کی علامت ہے۔

۲۳۷: وَعَنْ أَنَسٍ رضي الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ " إِذَا قُدِّمَ الْعَشَاءُ فَابْدَأُوْا بِهِ قَبْلَ أَنْ تُصَلُّوا الْمَغْرِبَ " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

البخاری، کتاب الآذان، باب اذا حضر الطعام و اقیمت الصلاۃ: ۶۷۱ ـــ ۶۷۳، مسلم: ۵۵۷، الترمذی: ۳۵۳، النسائی: ۱۱۱/۲، مسند احمد: ۱۱۰/۳ ، ۱۶۱، المعجم الاوسط للطبرانی: ۸۱۸، ۷۴۴۷، ابن ماجة: ۹۳۳، ابن خزیمة: ۹۳۴

۲۳۷: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:" جب شام کا کھانا پیش کیا جائے تو وہ مغرب کی نماز سے پہلے کھانا کھالیں۔"(بخاری ومسلم)

لغوی تحقیق: **قدم:** قاف مضموم، دال مشدد مکسور، پیش کیا جائے۔ **العشاء:** عین مفتوح، شام کا کھانا۔

تشریح: مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو خشوع کے باب میں لا کر یہ واضح کیا ہے کہ اگر وہ کھانا چھوڑ کر نماز پڑھے گا تو یقیناً حالت نماز میں کھانے کے خیالات آتے رہیں گے۔جس کی وجہ سے خشوع میں کمی واقع ہوگی۔اسی مضمون کی احادیث حضرت عائشہ، حضرت ام سلمہ، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی منقول ہیں۔

رحمت عالم ﷺ سے ایسا عملاً بھی ثابت ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ اپنے کپڑے سمیٹ کر نماز کیلئے نکلے، اسی دوران رحمت عالم ﷺ کو گوشت اور روٹی بطور ہدیہ پیش کی گئی، رحمت عالم ﷺ نے تین لقمے تناول فرمائے ، پھر آپ ﷺ نے کلی وغیرہ کئے بغیر امامت فرمائی۔

فقہی احکام: (۱) کھانا اگر تیار ہو تو کھانا کھا کر مغرب کی نماز پڑھنا چاہیے(۲) کھانا کھانے کے بعد کلی کئے بغیر نماز پڑھنا بھی درست ہے۔

۲۳۸: وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ رضي الله عنه قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ " إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلَا يَمْسَحِ الْحَصَى ,فَإِنَّ الرَّحْمَةَ تُوَاجِهُهُ " رَوَاهُ الْخَمْسَةُ بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ وَزَادَ أَحْمَدُ "وَاحِدَةً أَوْ دَعْ"

ابو داود، کتاب الصلاۃ، باب فی مسح الحصی فی الصلاۃ: ۹۴۵، الترمذی: ۳۸۱، النسائی: ۶/۳، ابن ماجة: ۱۰۲۷، احمد:

۵/۱۶۳، ۱۷۹، الدارمی: ۱/۲۶۳، ابن خزیمة: ۲/۵۹، عبد الرزاق: ۲/۳۸، الحمیدی: ۱/۷۰، بیان الوهم والایهام: ۴/۱۷۴،
مسلم: ۵۴۶

۲۳۸: حضرت ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی ایک جب حالت نماز میں ہو تب وہ کنکریوں کو مت چھوئے کیونکہ اس وقت اسے رحمت کا سامنا ہوتا ہے۔" اسے پانچوں نے صحیح سند سے نقل کیا ہے، مسند احمد میں اتنا اضافہ ہے کہ اگر کنکریوں کو ضرور ہٹانا ہے تو ایک بار اجازت ہے، لیکن اس سے بھی اجتناب کرنا بہتر ہے۔

لغوی تحقیق: **الحصی**: کنکریاں

تشریح: اس حدیث کو امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہ، امام بیہقی، امام دارمی، امام ابن خزیمہ اور امام عبدالرزاق نے زہری عن ابی الاحوص کے طریق سے نقل کیا ہے، اس روایت کا مرکزی راوی ابوالاحوص ہے، اسے امام ابن حبان اور ابن خزیمہ نے ثقہ قرار دیا ہے، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن اور مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح قرار دیا ہے، ابن قطان فرماتے ہیں کہ اس سے فقط امام زہری ہی نقل کرتے ہیں اور انہوں نے بھی فقط دو احادیث نقل کی ہیں۔

امام زہری نے ان سے احادیث تو روایت کی ہیں مگر انہوں نے اس کی توثیق نہیں کی، شاید اس وجہ سے علامہ ناصر الدین البانی نے اسے مجہول قرار دیکر اس کی روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے بلوغ المرام میں ابوالاحوص سے مروی حدیث کو صحیح جبکہ تقریب میں اسے مقبول کہا ہے۔ یہاں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو نقل کرنے میں اس کا کوئی متابع نہیں لہٰذا بقول مؤلف رحمۃ اللہ علیہ کے یہ لین الحدیث ہوا اور اس کی یہ روایت فی نفسہٖ ضعیف ہوئی، لیکن چونکہ حضرت معیقیب رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ سے حالت نماز میں کنکریاں ہٹانے کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر ایسا کرنا ضروری ہے تو پھر ایک بار اجازت ہے۔" اس طرح یہ حدیث زیر مطالعہ حدیث کی شاہد ہوئی اور بنابریں زیر مطالعہ حدیث حسن لغیرہ قرار پائی۔ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے مسند احمد کے حوالے سے جو ٹکڑا نقل کیا ہے وہ محمد بن ابی لیلیٰ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

فقہی احکام: (۱) سجدہ کرنے کی جگہ پر اگر کنکریاں واقع ہوں تو انہیں حالت نماز میں ایک بار دور کرنے کی اجازت ہے۔ (۲) اس قسم کے عمل کثیر سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ (۳) حالت نماز میں اللہ کی رحمت نمازی کے شامل حال ہوتی ہے۔ (۴) اگر سجدہ کرتے وقت پیشانی خاک آلود ہو جائے تو اسے صاف نہ کیا جائے۔

۲۳۹: وَفِي اَلصَّحِيحِ عَنْ مُعَيْقِيبٍ نَحْوُهُ بِغَيْرِ تَعْلِيلٍ .

البخاری، کتاب العمل فی الصلاة، باب مسح الحصیٰ فی الصلاة: ۱۲۰۷، مسلم: ۵۴۶، ابوداود: ۹۴۶، الترمذی: ۳۸۱، النسائی: ۳/۷، ابن ماجة: ۱۰۲۶

۲۳۹: صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں یہی روایت حضرت معیقیب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، اس میں کنکریاں دور کرنے کی ممانعت کی علت مذکور نہیں

تشریح: حضرت معیقیب رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کی شاہد ہے، اس سے اس حدیث کو کافی تقویت ملی ہے، لیکن اس حدیث میں یہ وضاحت نہیں ہے کہ حالت نماز میں کنکریاں دور کرنے سے کیوں منع کیا گیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے اس حدیث کے معارض روایات منقول ہیں اور وہ سب ضعیف ہیں۔

۲۴۰: عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ سَأَلْتُ رَسُولَ اَللَّهِ ﷺ عَنِ اَلِالْتِفَاتِ فِي اَلصَّلَاةِ؟ فَقَالَ "هُوَ اِخْتِلَاسٌ يَخْتَلِسُهُ اَلشَّيْطَانُ

مِنْ صَلاةِ اَلْعَبْدِ " رَوَاهُ اَلْبُخَارِيُّ .

البخاری، کتاب الآذان، باب الالتفات فی الصلاۃ: ۷۵۱، ابو داود: ۹۱۰، الترمذی: ۵۹۵، ابن خزیمۃ: ۴۸۴

۲۴۰: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے حالت نماز میں ادھر اُدھر جھانکنے کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ شیطان کا جھپٹنا ہے، اس کے ذریعے شیطان بندے کی بندگی کو جھپٹ لیتا ہے۔" (بخاری)

لغوی تحقیق: الالتفات: دائیں بائیں جھانکنا۔ اختلاس: کسی چیز کو کسی سے جلدی سے چھین لینا۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ نماز میں ادھر اُدھر جھانکنا خشوع کو مانع ہے اور شیطان لعین کی یہ پوری کوشش ہے کہ وہ عابد و معبود کے تعلقات پختہ نہ ہونے دے، نماز چونکہ عابد و معبود کے تعلقات کو استوار کرتی ہے اس لئے شیطان پوری کوشش کرتا ہے کہ انسان کسی حد تک خشوع ترک کر دے۔ اس کی اس حرکت کو رحمت عالم ﷺ نے ناگہانی ڈاکہ قرار دیتے ہوئے مسلمانوں کو خبردار کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ نماز نہایت توجہ سے ادا کریں۔

ایک مرسل روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "جب تک بندہ نماز میں ادھر اُدھر نہیں جھانکتا، اس وقت تک اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی طرف نظر شفقت فرماتا ہے اور جب بندہ ادھر اُدھر جھانکنا شروع کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ بندے سے نظر شفقت پھیر لیتا ہے۔"

فقہی احکام: (۱) نماز میں التفات خشوع کو مانع ہے۔ (۲) خشوع کا ثمرہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نظر شفقت ہے۔
(۳) شیطان التفات کے ذریعہ عبادت پر ڈاکہ ڈالتا ہے۔

۲۴۱: وَلِلتِّرْمِذِيِّ عَنْ أَنَسٍ وَصَحَّحَهُ " إِيَّاكَ وَالِالْتِفَاتَ فِي اَلصَّلَاةِ ,فَإِنَّهُ هَلَكَةٌ ,فَإِنْ كَانَ فَلَا بُدَّ فَفِي اَلتَّطَوُّعِ "

الترمذی، ابواب الصلاۃ، باب السجدۃ فی الحج: ۵۹۴، تمام المنۃ: ۳۰۹، مصنف ابن ابی شیبۃ: ۴۱/۲، البخاری: ۷۵۲، مسلم: ۳۹۱/۱ (۵۵۶)

تنبیہ: (۱) بلوغ المرام کے اکثر مطبوعہ نسخوں میں اس روایت کو کسی صحابی کی طرف منسوب کیے بغیر نقل کیا گیا ہے اور بعض میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ (۲) امیر صنعانی کے پاس جو نسخہ تھا اس میں بھی اس روایت کو کسی صحابی کی طرف منسوب نہیں کیا گیا تھا، اس روایت سے پہلے چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث ہے، اس لیے امیر صنعانی نے اسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب کر دیا۔ ترمذی میں یہ روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

۲۴۱: ترمذی میں ہے اور امام ترمذی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ "نماز میں ادھر اُدھر جھانکنے سے اجتناب کرو، کیونکہ یہ عمل موجب تباہی ہے نفلی نماز میں یہ عمل مجبوراً کیا جا سکتا ہے۔"

لغوی تحقیق: ایاک: جب یہ تنہا استعمال ہوتا ہے تو اس وقت خبردار کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ ھلکۃ: موجب ہلاکت۔

تشریح: ترمذی کے مطبوعہ نسخہ میں ہے کہ امام ترمذی نے اس روایت کو بیان کرنے کے بعد اسے حسن غریب کہا ہے، ایک میں فقط حسن اور ایک میں حسن صحیح کہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ترمذی کا وہ نسخہ ہوگا جس میں حسن صحیح درج ہے۔

اس روایت کو اگرچہ امام ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے لیکن حقیقت میں یہ روایت تین علتوں کی وجہ سے ضعیف ہے۔ (۱) عبداللہ بن مثنیٰ مختلف فیہ ہے۔ (۲) علی بن زید بن جدعان ماہرین فن کے نزدیک ضعیف ہے۔ (۳) سعید بن مسیّب اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کے درمیان انقطاع ہے۔

امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی مفہوم کی روایت نقل کی ہے، یہ روایت بھی منقطع ہے، کیونکہ حسن بصری کا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں۔حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ بنوعمرو بن عوف کے مابین صلح کروانے کے بعد جب مسجد میں تشریف لائے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ امامت فرما رہے تھے،صحابہ نے آپ ﷺ کی آمد کی اطلاع پا کر سبحان اللہ کہنا شروع کیا،حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز میں التفات نہیں فرماتے تھے۔لیکن صحابہ نے تسبیح کو مسلسل جاری رکھا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے التفات فرمایا اور انہیں آپ ﷺ نظر آئے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پیچھے ہٹنا چاہا،آپ ﷺ نے انہیں اپنی جگہ پر ٹھہرے رہنے کا حکم دیا،اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ حالت مجبوری میں التفات کر لینے سے فرضی اور نفلی نماز منقطع نہیں ہوتی۔

فقہی احکام: (۱) نفلی اور فرضی نمازیں خشوع سے عبارت ہیں۔

(۲) خشوع کے بغیر نماز بے روح لاشہ ہے،حالت مجبوری میں التفات کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

۲۴۲: وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ " إِذَا كَانَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَإِنَّهُ يُنَاجِي رَبَّهُ ,فَلَا يَبْزُقَنَّ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلَا عَنْ يَمِينِهِ ,وَلَكِنْ عَنْ شِمَالِهِ تَحْتَ قَدَمِهِ " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ " أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ "

البخاری، کتاب الصلاۃ، باب حک البزاق بالیدمن المسجد: ۴۰۵، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۲، مسلم: ۵۵۰، ۵۵۱،

ابوداود: ۴۸۴، ۴۸۵، احمد: ۱۰۹/۳، الدارمی: ۱۴۰۲، النسائی: ۱۶۳/۱، ابن ماجۃ: ۱۰۲۲

۲۴۲: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی ایک جب نماز پڑھتا ہے تو وہ اس وقت اپنے رب سے مناجات کرتا ہے،اس لیے اسے چاہیے کہ وہ اپنے سامنے اور دائیں جانب نہ تھوکے،لیکن اسے اپنے بائیں طرف قدم کے نیچے تھوکنے کی اجازت ہے۔"(بخاری ومسلم) ایک روایت میں ہے کہ "وہ اپنے پاؤں کے نیچے تھوک لے۔"

لغوی تحقیق: یناجی: مناجاۃ سے ماخوذ ہے،راز و نیاز کی باتیں کرنا۔فلا یبزقن: مت تھوکے۔

تشریح: حضرت ابوسعید اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی احادیث میں نخامہ مذکور ہے،نخامہ بلغم کو کہتے ہیں،خواہ وہ منہ کے راستے خارج ہو یا ناک کے راستے۔

ان احادیث سے یہ واضح ہوا کہ منہ اور ناک سے خارج ہونے والا مواد ناپاک نہیں،اا گر دوران نماز آ جائے تو اسے کپڑے سے صاف کر لینا چاہیے،اگر نماز پڑھنے کی جگہ کچی ہو تو پھر پاؤں کے نیچے یا بائیں طرف بھی تھوکنے کی اجازت ہے۔عصر حاضر میں چونکہ مسجدیں پختہ اور چکنی ہیں اس لئے اب مسجد میں تھوکنا انتہائی معیوب ہے،لہٰذا کپڑے وغیرہ سے ناک اور منہ صاف کر لینا چاہیے۔

فقہی احکام: (۱) ناک اور منہ سے خارج ہونے والا مواد ناپاک نہیں۔(۲) حالت نماز میں ناک اور منہ صاف کرنا جائز ہے۔(۳) قبلہ رخ تھوکنے سے اجتناب کیا جائے۔(۴) حالت نماز میں سامنے اور دائیں طرف تھوکنا منع ہے۔(۵) آدمی نماز پڑھتا ہے تو اللہ کی رحمت اس کا استقبال کرتی ہے۔(۶) نماز عابد اور معبود کے درمیان مناجات کا سب سے مؤثر ذریعہ ہے۔(۷) اگر کوئی غلطی سے تھوک دے تو اسے چاہیے کہ اس جگہ کو صاف کرے اور وہاں خوشبو کا چھڑکاؤ کرے۔(۸) نمازی کے سامنے اللہ کی رحمت اور دائیں جانب مقرب فرشتے ہوتے ہیں۔

۲۴۳: وَعَنْهُ قَالَ كَانَ قِرَامٌ لِعَائِشَةَ رضی اللہ عنہا سَتَرَتْ بِهِ جَانِبَ بَيْتِهَا فَقَالَ لها النَّبِيُّ ﷺ " أَمِيطِي عَنَّا قِرَامَكِ هَذَا ,فَإِنَّهُ لَا تَزَالُ تَصَاوِيرُهُ تَعْرِضُ لِي فِي صَلَاتِي " رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ .

البخاری، کتاب الصلاۃ، باب ان صلی فی ثوب مصلب او تصاویر: ۳۷۴، کتاب اللباس: ۵۹۵۴،فتح الباری: ۱۰/ ۳۸۹، احمد: ۱۵۱/۳، ۲۸۳

۲۴۳: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک خوبصورت پردہ تھا، انہوں نے اسے اپنے گھر کے ایک طرف لٹکا رکھا تھا، نبی کریم ﷺ نے انہیں فرمایا: "اس پردے کو یہاں سے ہٹا دو، کیونکہ اس کی تصاویر میری نماز میں میرے سامنے رہی ہیں۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تحقیق: قرام: قاف مکسور، باریک اونی منقش کپڑا۔ امیطی: دور کردو۔ تعرض: درپے ہونا، پیش آنا۔

تشریح: اس سلسلے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا خود اپنا بیان اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک سفر سے تشریف لائے، اس وقت میرے پاس ایک کپڑا تھا جس میں تصاویر تھیں، میں نے اسے اپنے گھر کے ایک طرف لٹکا رکھا تھا، جب آپ ﷺ نے اسے دیکھا تو اتارنے کا حکم دیا اور فرمایا: " قیامت کے روز سب سے سخت عذاب کا سامنا ان لوگوں کو ہوگا جو اللہ تعالٰی کی تخلیق کی نقل تیار کرتے ہیں۔" محترمہ رضی اللہ عنہا بتاتی ہیں کہ ہم نے اس کپڑے سے ایک تکیہ یا دو تکیے تیار کر لیے۔

اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ اس پردے پر جاندار اشیاء کی تصاویر تھیں۔ مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ پروں والے گھوڑوں کی تصاویر تھیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آدمیوں کی تصاویر تھیں۔ عروۃ کے طریق سے مروی روایت میں پرندوں اور مردوں کی تصاویر کا تذکرہ ہے۔ ان احادیث سے یہ واضح ہوا کہ تصاویر کو گھروں میں لٹکانا منع ہے خواہ وہ کاغذ پر منقش ہو یا پردوں پر، اور جو چیزیں پاؤں کے نیچے روندھی جاتی ہیں ان کا استعمال جائز ہے، خواہ وہ اشیاء تکیے اور گدے کی صورت میں ہوں یا قالین اور کارپٹ کی شکل میں ہوں۔

فقہی احکام: (۱) جاندار اشیاء کی اشکال بنانا شرک کی اقسام میں شامل ہے۔ (۲) جاندار اشیا کی تصاویر کو آویزاں کرنا ممنوع ہے۔ (۳) ایسے تکیے، گدے، قالین اور کارپٹ استعمال کرنا جائز ہیں جن پر جانداروں کی تصاویر ہوں تاہم ان سے اجتناب بہتر ہے۔ (۴) جن دفاتر اور کمروں میں تصاویر کی تزیین و تعظیم ہوگی ان میں نماز پڑھنا ممنوع ہے۔ البتہ جو پڑھ لی گئی ہوں، انہیں لوٹانے کی ضرورت نہیں

۲۴۴: **وَاتَّفَقَا عَلَى حَدِيثِهَا فِي قِصَّةِ أَنْبِجَانِيَّةِ أَبِي جَهْمٍ ,وَفِيهِ " فَإِنَّهَا أَلْهَتْنِي عَنْ صَلَاتِي "**

البخاری، کتاب الصلاۃ، باب اذا صلی فی ثوب له اعلام: ۳۷۳، مسلم: ۵۵۶، مؤطا: ۸۳/۱، فتح الباری: ۴۸۳/۱، ابوداود: ۹۱۴، النسائی: ۷۲/۲، ابن ماجة: ۳۵۵۰، احمد: ۳۷/۶، ۱۹۹، ابن خزیمة: ۹۲۸

۲۴۴: حضرت ابوجہم رضی اللہ عنہ کی طرف سے بطور تحفہ دی گئی انجانیہ چادر سے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث کو بخاری اور مسلم دونوں نے بیان کیا ہے، اس میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "اس چادر نے مجھے میری نماز سے غافل کر دیا۔"

تشریح: امام مالک نے اس حدیث کو مفصل بیان کیا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ابوجہم نے آپ ﷺ کو ایک ایسی چادر بطور تحفہ پیش کی جس پر نقوش و اعلام تھے۔ آپ ﷺ نے اسے زیب تن فرما کر نماز پڑھی، دوران نماز آپ ﷺ کی نظر ان اعلام و نقوش کی طرف مبذول ہوگئی، آپ ﷺ نے نماز سے فارغ ہو کر فرمایا: "یہ چادر اسے واپس کر دو۔" ابن بطال شارح بخاری فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ابوجہم سے اس کے بدلے میں دوسرا کپڑا طلب فرمایا تاکہ اسے معلوم ہو کہ آپ ﷺ نے اس کا تحفہ حقارت کی وجہ سے واپس نہیں فرمایا، چنانچہ اس نے وہ چادر لیکر اس کے بدلے میں ایسی چادر دی جو غیر منقوش تھی۔

فقہی احکام: (۱) منقش و ملون اشیاء پاکیزہ دلوں کو بھی متاثر کرتی ہیں۔ (۲) نماز میں معمولی خیالات نماز کو فاسد نہیں کرتے۔ (۳) جو

لباس خشوع کو مانع ہوا سے اتار کر نماز پڑھنی چاہیے۔(۴) تحفہ تبدیل کرنے کی درخواست کی جاسکتی ہے (۵) تبدیلی کی صورت میں تحفہ واپس لینا درست ہے۔

۲۴۵: وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اَللَّهِ ﷺ " لَيَنْتَهِيَنَّ اَقْوَامٌ يَرْفَعُونَ أَبْصَارَهُمْ إِلَى اَلسَّمَاءِ فِي اَلصَّلَاةِ أَوْ لَا تَرْجِعُ إِلَيْهِمْ " رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

مسلم، کتاب الصلاۃ، باب النهی عن رفع البصر الی السماء فی الصلاۃ: ۴۲۸، ابوداود: ۹۱۲، البخاری: ۷۵۰، النسائی: ۳/۷، البیهقی: ۲۸۲/۳ (۳۶۲۸)، المعجم الاوسط للطبرانی: ۳۲۱ ، ابن ماجۃ: ۱۰۴۵، الدارمی: ۱۳۰۶

۲۴۵: حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مسلمان جماعتیں دوران نماز اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اُٹھانے سے باز آجائیں ورنہ ان کی نظریں ان کی طرف واپس نہیں آئیں گی۔" (مسلم)

لغوی تحقیق: لینتھین: نھی سے ماخوذ ہے، صرفی اصطلاح میں اسے نون تاکید ثقیلہ کہتے ہیں یعنی ضرور بعض آجائیں۔ اقوام: قوم کی جمع یعنی نمازیوں کے گروہ۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ دوران نماز آسمان کی طرف نظر اٹھانا ممنوع ہے اور ایسا کرنے والے کیلئے سخت وعید ہے۔ یعنی اس جرم کی سزا بینائی سے محرومی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے نماز بھی فاسد ہوجائے گی۔

یہ حدیث ﴿قد نری تقلب وجھک فی السماء: ہم نے دیکھ لیا آپ ﷺ کا چہرہ آسمان کی طرف پھرنا﴾ کے معارض نہیں کیونکہ اس حدیث میں حالت نماز میں آسمان کی طرف نظر اٹھانے کی مذمت بیان ہوئی، جبکہ مذکورہ آیت میں حالت نماز میں آسمان کی طرف نگاہ اٹھانے کا ذکر نہیں ہے۔ امام ابن کثیر نے ابن مردویہ کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت نقل کی ہے، اس میں یہ صراحت ہے کہ آپ ﷺ سلام پھیرنے کے بعد آسمان کی طرف نگاہ بلند فرماتے تھے۔ حضرت انس، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابوسعید خدری اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی مرفوع احادیث منقول ہیں، ان میں بھی دوران نماز آسمان کی طرف نگاہ اٹھانے کی ممانعت اور اس کی سزا کا ذکر ہے۔

فقہی احکام: (۱) حالت نماز میں آسمان کی طرف دیکھنا ممنوع ہے۔

(۲) اس سے نماز فاسد ہوجائے گی اور بینائی سے محرومی کی سزا بھی مل سکتی ہے۔

۲۴۶: وَلَهُ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اَللَّهِ ﷺ يَقُولُ " لَا صَلَاةَ بِحَضْرَةِ طَعَامٍ ,وَلَاوَ هُوَ يُدَافِعُهُ اَلْأَخْبَثَانِ "

مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، باب کراھۃ الصلاۃ بحضر الطعام: ۵۶۰، ابوداود: ۸۹، احمد: ۴۳/۶، ابن خزیمۃ: ۹۳۳

۲۴۶: امام مسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث لائے ہیں، محترمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ "جب کھانا حاضر ہو یا قضائے حاجت کا سامنا ہوتا اس وقت نماز نہیں ہوتی۔"

لغوی تحقیق: الاخبثان: اخبث کا تثنیہ ہے، انتہائی ناپاک یعنی بول و براز۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ بول براز کی اگر حاجت ہوتو اس سے فارغ ہوکر نماز پڑھنی چاہیے، اگر کوئی شخص، بول و براز کو روک کر نماز پڑھے گا تو یہ خشوع وخضوع کو قائم نہیں ہونے دیں گے، جس کی وجہ سے نماز میں بار بار خلل واقع ہوگا، امام داؤد ظاہری کے نزدیک ایسی نماز باطل ہے۔ امام نووی ایسی نماز کو لوٹانے کا حکم دیتے ہیں۔

فقہی احکام: (۱) بول وبراز اور ہوا کے اخراج کو روک کر نماز پڑھنا درست نہیں۔(۲) کھانے کی موجودگی میں نماز پڑھنا درست نہیں۔(۳) ایسی صورت میں اگر جماعت کا ترک کرنا لازم آئے تو جماعت کو چھوڑنا بھی درست ہے۔

۲۴۷: **وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ اَلنَّبِيَّ ﷺ قَالَ "اَلتَّثَاؤُبُ مِنَ اَلشَّيْطَانِ فَإِذَا تَثَائَبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَكْظِمْ مَا اِسْتَطَاعَ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَالتِّرْمِذِيُّ ,وَزَادَ "فِي اَلصَّلَاةِ"**

مسلم، کتاب الزھد، باب تشمیت العاطس و کراھة التثاؤب: ۲۹۹۴، الترمذی: ۳۷۰، احمد: ۳۹۴/۲ (۱۰۷۰۰) البخاری: ۶۲۲۶

۲۴۷: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جمائی شیطان کی وجہ سے ہے، تم میں سے جسے جمائی آئے وہ جہاں تک ممکن ہو اسے روکنے کی کوشش کرے۔" اسے مسلم اور ترمذی نے بیان کیا ہے ترمذی نے نماز میں (جمائی آنے کا بھی) ذکر کیا ہے۔

لغوی تحقیق: تثاؤب: معدے کے پر ہونے اور اعصاب کے سست ہونے پر منہ کا کھولنا، جمائی لینا۔ فلیکظم: اسے روکے۔

تشریح: جمائی معدہ کو خوب پر کرنے، سستی اور کاہلی کا مظاہرہ کرنے کے نتیجہ ہے، عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ جمائی لینے والا جمائی لیتے وقت ایک آواز بھی نکالتا ہے، جسے سن کر شیطان خوب مسکراتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ محض جمائی لینے پر ہی شیطان خوش ہوتا ہے۔ ان احادیث سے واضح ہوا کہ جمائی شیطان کی خوشی میں اضافہ کا سبب بنتی ہے، اس لئے جمائی کی آمد کو شیطان کی طرف منسوب کیا گیا ہے، جبکہ اس کے برعکس چھینک کو اللہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے، چھینک مارنے والا اللہ تعالیٰ کی تعریف وتوصیف بیان کرتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند فرماتے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ جب کوئی جمائی لینے کیلئے منہ کھولتا ہے تو شیطان اس کے منہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو شیطانی اثرات سے محفوظ رکھنے کیلئے اسے یہ حکم دیا ہے کہ وہ حتی المقدور جمائی کو روکنے کی کوشش کرے اور اگر ایسا نہ کر سکے تو اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لے۔

فقہی احکام: (۱) جمائی شیطانی عمل ہے اور اسکی خوشی کا ذریعہ ہے۔(۲) اسے روکنے کی حتی المقدور کوشش کرنی چاہیے۔
(۳) جمائی لیتے وقت منہ پر ہاتھ رکھ لینا چاہیے۔

۶۔ بَابُ الْمَسَاجِدِ   مساجد کا بیان

۲۴۸: **عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ أَمَرَ رَسُولُ اَللَّهِ ﷺ بِبِنَاءِ اَلْمَسَاجِدِ فِي اَلدُّورِ ,وَأَنْ تُنَظَّفَ ,وَتُطَيَّبَ . رَوَاهُ أَحْمَدُ , وَأَبُو دَاوُدَ ,وَالتِّرْمِذِيُّ ,وَصَحَّحَ إِرْسَالَهُ.**

ابوداود، کتاب الصلاة، باب اتخاذ المسجد فی الدور: ۴۵۵، الترمذی: ۵۹۹، ابن ماجة: ۷۵۹، احمد: ۲۷۹/۶،
الاحکام الوسطی: ۲۸۶/۱، بیان الوھم والایھام: ۱۳۸/۵

۲۴۸: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں گھروں میں نماز پڑھنے کی جگہ متعین کرنے اور انہیں پاک صاف رکھنے کا حکم فرمایا تھا۔ اسے احمد، ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اس کے مرسل ہونے کو درست قرار دیا ہے

لغوی تحقیق: الدور: دار کی جمع یعنی گھر، یہ لفظ محلے اور قبیلے پر بھی دلالت کرتا ہے۔ تنظف: تاء مضموم، نون مفتوح اور ظاء مشدد مفتوح تطیب: تاء مضموم، طاء مفتوح اور یاء مشدد مفتوح، دونوں مجہول کے صیغے ہیں۔

تشریح: اس روایت کو ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، احمد اور بیہقی نے ہشام بن عروۃ بن زبیر کے طریق سے نقل کیا ہے۔ ہشام بن عروۃ سے یہ روایت عامر بن صالح، مالک بن سعیر اور زائدہ نے مرفوع نقل کی ہے، جبکہ عبدۃ بن سلیمان، وکیع اور سفیان بن عیینہ نے مرسل نقل کی ہے۔ امام ترمذی نے مرسل طریق کو صائب قرار دیا ہے۔

علامہ عبدالحق اشبیلی نے مرفوع طریق کو سند کے اعتبار سے اشہر قرار دیا ہے، امام ابن قطان نے سفیان بن عیینہ کی مخالفت کو غیر مضر قرار دیتے ہوئے مرفوع طریق کو راجح قرار دیا ہے۔

اس حدیث میں واقع لفظ دور سے مراد گھر اور محلّہ دونوں ہو سکتے ہیں۔ اگر گھر مراد لیں گے تو اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ خواتین نماز پڑھنے کیلئے اپنے گھروں میں ایک جگہ متعین کر لیں، پھر اسے پاک صاف رکھیں، اگر محلّہ مراد لیں گے تو اس کا مفہوم ہوگا کہ مرکزی مسجد سے دور جو محلے ہیں ان میں چھوٹی چھوٹی مساجد قائم کی جائیں تا کہ محلے کے کمزور اور نحیف لوگ بھی نماز پنجگانہ ان مساجد میں با جماعت ادا کر سکیں۔ امام ابن عیینہ نے اسی مفہوم کو اختیار کیا ہے۔ نظافت سے مراد، انہیں نجاستوں اور گندگی سے پاک رکھنا ہے، جبکہ تطیب سے مراد، انہیں خوشبو سے معطر رکھنا ہے، ان دونوں امور کے بارے میں دیگر احادیث میں بھی ہدایات موجود ہیں۔

فقہی احکام: (۱) خواتین کو چاہیے کہ وہ نماز پڑھنے کیلئے اپنے گھروں میں ایک خاص جگہ متعین کر لیں۔ (۲) مرد حضرات بھی نوافل وغیرہ اسی مقام پر ادا کریں۔ (۳) محلوں میں بھی ضرورت کے مطابق مساجد تعمیر کی جائیں۔ (۴) نماز پڑھنے کے مقامات کو صاف ستھرا اور معطر رکھا جائے۔ (۵) مساجد کی صفائی ستھرائی رکھنا ایک عظیم نیکی ہے۔

۲۴۹: وَعَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اَللَّهِ ﷺ " قَاتَلَ اَللَّهُ اَلْیَهُودَ اِتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِیَائِهِمْ مَسَاجِدَ " مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ وَزَادَ مُسْلِمٌ " وَالنَّصَارَى "

البخاری، کتاب الصلواۃ، باب: ۴۳۷، مسلم: ۵۳۰، ابوداود: ۳۲۲۷، النسائی: ۴/ ۹۵، ابن حبان: ۲۳۲۶، احمد: ۲/ ۲۸۴، البیهقی: ۴/ ۸۰

۲۴۹: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ یہودیوں کو برباد کرے انہوں نے انبیا کی قبروں کو مسجد بنالیا تھا۔" (بخاری و مسلم) مسلم نے نصاری کا نام بھی ذکر کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ یہود اپنے انبیاء کی عبادت ان کے مجسمے بنا کر نہیں کرتے تھے بلکہ براہ راست ان کی قبروں پر سجدہ وغیرہ کرتے تھے۔ اور ان سے اپنی حاجات طلب کرتے تھے۔ رحمت عالم ﷺ نے ان کی اس حرکت کی وجہ سے ان کیلئے دنیا میں بربادی اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محرومی کی بد دعا فرمائی۔

فقہی احکام: (۱) انبیا و صلحا کی قبروں پر سجدہ کرنا ناقبل معافی جرم ہے۔ (۲) ان سے حاجات طلب کرنا شرک ہے۔ (۳) قبروں کے پوجاری یہود و نصاری کے مقلد ہیں۔

۲۵۰: وَلَهُمَا مِنْ حَدِیثِ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا " كَانُوا إِذَا مَاتَ فِیهِمُ اَلرَّجُلُ اَلصَّالِحُ بَنَوْا عَلَى قَبْرِهِ مَسْجِدًا " وَفِیهِ " أُولَئِكَ شِرَارُ اَلْخَلْقِ "

البخاری، کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ فی البیعۃ: ۴۳۴، مسلم: ۵۲۸، النسائی: ۲/ ۴۱، احمد: ۶/ ۵۱، ابن حبان: ۲۳۲۵، ابن خزیمۃ: ۲/ ۷، الترمذی: ۳۲۰

۲۵۰: بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے، کہ ان میں سے جب کوئی نیک آدمی فوت ہو جاتا تو وہ لوگ اس کی قبر پر مسجد بنا دیتے تھے۔ اس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ یہودی بدترین مخلوق ہیں۔

لغوی تحقیق: شرار: شر کی جمع ہے، یہ مصدر مبالغہ کے معنی میں مستعمل ہے یعنی تمام کائنات سے بدترین ہیں۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ یہود و نصاری فقط انبیا کی قبروں پر سجدے اور نذر و نیاز نہیں دیا کرتے تھے بلکہ ان میں سے جو بھی نیک آدمی فوت ہو جاتا اس کی قبر پر مسجد تعمیر کر دیتے اور اس کی دیواروں پر نیک لوگوں کی تصویریں بنا دیتے، عصر حاضر میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد بھی یہی کام کر رہی ہے، ہر قبر پر مزار ہے اور ہر مزار کو مسجد کا تقدس اور درجہ حاصل ہے، مزاروں کی در و دیوار پر مختلف بزرگوں کی تصاویر آویزاں ہیں، عرس کے نام پر وہاں مزامیر (جنہیں شیطان کا جال کہا گیا ہے) کی بہتات ہی نہیں بلکہ عریانی کی نمائش بھی ہوتی ہے، خواتین کی بڑی تعداد ہار سنگھار اور نیم عریاں لباس زیب تن کرے اوباش لوگوں کی توجہ کا مرکز بنی رہتی ہیں۔ کس قدر ستم ظریفی اور خود فریبی ہے کہ یہود و نصاری تو مشرک ہونے کے ناطے ہمارے نزدیک ایک بدترین مخلوق قرار پائیں اور مسلمان وہی کام کر کے محبوب ترین امت کہلائیں؟ این خیال است و محال است و جنوں۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قیامت بدترین انسانوں اور قبروں کے پوجاریوں پر واقع ہو گی۔" حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "خبردار! تم قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنا لینا، میں تمہیں اس سے سختی سے منع کرتا ہوں۔" حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے قبروں پر چراغاں کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔

۲۵۱: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ بَعَثَ اَلنَّبِيُّ ﷺ خَيْلاً ,فَجَائَتْ بِرَجُلٍ ,فَرَبَطُوهُ بِسَارِيَةٍ مِنْ سَوَارِي اَلْمَسْجِدِ اَلْحَدِيثَ . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

البخاري، كتاب الصلاة، باب الاغتسال اذا اسلم: ۴۶۲، مسلم: ۱۷۶۴، ابو داود: ۲۶۷۹، النسائي: ۴۶/۲، البيهقي: ۴۴۴/۲

۲۵۱: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے (نجد کی طرف) ایک چھوٹا لشکر روانہ فرمایا وہ ایک آدمی کو گرفتار کر کے لے آئے اور اسے مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تحقیق: خیلا: گھوڑ سوار دستہ۔ سارية: ستون۔

تشریح: اس حدیث میں جس شخص کو گرفتار کر کے ستون کے ساتھ باندھنے کا ذکر ہے اس شخص کا نام ثمامہ بن آثال ہے، وہ ریاست یمامہ کا اس وقت رئیس تھا۔ نیز وہ مشرک بھی تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی طویل حدیث میں اس بات کی صراحت ہے کہ ضمام بن ثعلبہ اپنے اونٹ سمیت مسجد نبوی میں داخل ہو گیا تھا اور وہ اس وقت کافر تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں یہ صراحت ہے کہ یہودی ایک زانی جوڑے کو لے کر مسجد نبوی میں داخل ہوئے تھے۔ ایک منقطع روایت میں بدر کے قیدیوں کو بھی مسجد نبوی میں رکھنے کا ذکر ملتا ہے۔

درج بالا احادیث بظاہر اس نص قرآنی کے خلاف ہیں جس میں مشرکین کو نجس قرار دیکر ان کا داخلہ مسجد حرام میں ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ اہل علم نے اس عقدہ کو حل کرنے کیلئے اپنے اپنے اسلوب سے کوشش کی ہے۔ شوافع کے نزدیک نص قرآنی کا حکم فقط مسجد حرام کیلئے ہے۔ اس لیے ان کے نزدیک دیگر مساجد میں مشرکین کا داخلہ ممنوع نہیں۔ احناف کے نزدیک مشرکین کے داخلے کی ممنوعیت کا مقصد انہیں

مشرکانہ طرز کے مطابق حج کرنے سے روکنا ہے۔ عام حالات میں وہ کسی ضرورت یا امیر المؤمنین کی اجازت سے ہر مسجد میں داخل ہو سکتے ہیں، راقم کے نزدیک یہی کوشش اقرب الی الصواب ہے۔

فقہی احکام: (۱) مشرک نجس ہیں، لیکن بوقت ضرورت ان کا داخلہ مسجد میں جائز ہے۔

(۲) بوقت ضرورت مسجد سے جیل کا کام بھی لیا جا سکتا ہے۔ (۳) قیدیوں سے روزانہ احوال دریافت کرنا بھی مسنون ہے۔

۲۵۲: وَعَنْهُ ، أَنَّ عُمَرَ رضی اللہ عنہ مُرَّ بِحَسَّانَ يُنْشِدُ فِي اَلْمَسْجِدِ ,فَلَحَظَ إِلَيْهِ فَقَالَ قَدْ كُنْتُ أُنْشِدُ ,وَفِيهِ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنْكَ . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکۃ: ۳۲۱۲، مسلم: ۲۴۸۵، ابوداود: ۵۰۱۳، النسائی: ۲/ ۴۸، احمد: ۲۲۲/۵، عبد الرزاق: ۴۳۹/۱، المطالب العالیۃ: ۳۶۳

۲۵۲: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر حضرت حسان رضی اللہ عنہما کے پاس سے گزرے وہ اس وقت مسجد میں اشعار پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں گھور کر دیکھا، وہ بولے میں اس وقت بھی اشعار مسجد میں پڑھا کرتا تھا، جب مسجد میں تم سے بہتر تشریف فرما ہوتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تحقیق: ینشد: یاء مضموم، نون ساکن، شین مکسور، اشعار پڑھنا۔ خیر: رحمت عالم ﷺ مراد ہیں۔

تشریح: مساجد میں شرک کی تبلیغ و ترویج ممنوع ہے، لہٰذا شرک و خرافات سے لبریز اشعار مساجد میں پڑھنا ممنوع ہیں۔ جیسا کہ حارثہ بن مضرب سے مروی روایت میں وہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے لوگوں کو اس شخص کا سر پھاڑنے کا حکم دیا تھا، جو جمعہ کے روز مسجد میں دور جاہلیت کے اشعار پڑھتا تھا۔ اس روایت سے یہ واضح ہوا کہ مساجد میں شرکیہ نعت خوانی کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں، البتہ شرک سے پاک نعت خوانی مساجد میں کرنا اور سننا مسنون ہے، جیسا کہ حدیث الباب سے ظاہر ہوتا ہے۔

فقہی احکام: شرک سے پاک اشعار مساجد میں پڑھے جا سکتے ہیں۔

۲۵۳: وَعَنْهُ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اَللَّهِ ﷺ "مَنْ سَمِعَ رَجُلاً يَنْشُدُ ضَالَّةً فِي اَلْمَسْجِدِ فَلْيَقُلْ لَا رَدَّهَا اَللَّهُ عَلَيْكَ ,فَإِنَّ اَلْمَسَاجِدَ لَمْ تُبْنَ لِهَذَا " رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، باب النہی عن نشد الضالۃ فی المسجد: ۵۶۸، ابوداود: ۴۷۳، ابن ماجۃ: ۷۶۵، احمد: ۳۴۹/۲، ابن خزیمۃ: ۲۷۳/۲، ابن حبان: ۵۳۰/۴، النسائی: ۴۸/۲، البیہقی: ۴۴۷/۲

۲۵۳: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص کسی شخص سے مسجد میں گمشدہ چیز کا اعلان سنے اسے اس طرح کہنا چاہیے کہ، اللہ تعالیٰ تجھے تیری چیز واپس نہ کرے، کیونکہ مساجد اس مقصد کے لیے تعمیر نہیں کی گئیں۔" اسے مسلم نے روایت کیا ہے

لغوی تحقیق: ضالۃ: گم شدہ چیز۔

تشریح: مساجد میں گم شدہ اشیا کا اعلان کرنا ممنوع ہے، گمشدہ اشیا کے اعلان کی ممنوعیت کے بارے میں متعدد احادیث منقول ہیں، حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص لوگوں سے مسجد میں یہ پوچھ رہا تھا کہ میرا سرخ اونٹ کسی نے دیکھا ہے؟ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا: "تجھے تیرا اونٹ نہ ملے، مساجد تو خاص مقصد کیلئے بنائی گئی ہیں" حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کی ایک حدیث مروی ہے۔

فقہی احکام: گم شدہ چیز کا اعلان مساجد میں کرنا ممنوع ہے۔(۲) مسجد میں ملی ہوئی چیز کا مسجد میں اعلان کیا جا سکتا ہے۔ (۳) جنازے اور جلسے وغیرہ کے اعلانات بھی مساجد میں کئے جا سکتے ہیں۔(۳) مسجد میں اعلان کرنے والے کیلئے بددعا کرنا مسنون ہے۔(۴) مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان کرنے سے دنیا اور آخرت دونوں خسارے میں ہیں۔

۲۵۴: وَعَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اَللَّهِ ﷺ قال " إِذَا رَأَيْتُمْ مَنْ يَبِيعُ ,أَوْ يَبْتَاعُ فِي اَلْمَسْجِدِ ,فَقُولُوا لَا أَرْبَحَ اَللَّهُ تِجَارَتَكَ " رَوَاهُ النَّسَائِيُّ ,وَاَلتِّرْمِذِيُّ وَحَسَّنَهُ.

الترمذی، کتاب بالبیوع، باب النهی عن البیع فی المسجد: ۱۳۴۴، السنن الکبری للنسائی: ۵۲/۲، الدارمی: ۱۴۰۸، ابن خزیمة: ۲۷۴/۲، ابن حبان: ۱۶۵۰، الحاکم: ۵۶/۲، ابن سنی: ۱۵۳

۲۵۴: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تم مسجد میں کسی شخص کو خرید وفروخت کرتے دیکھو تو اسے کہو، اللہ تیری تجارت کو نفع بخش نہ بنائے۔" اسے نسائی اور ترمذی نے بیان کیا ہے اور ترمذی نے حسن کہا ہے۔

لغوی تحقیق: یبیع: فروخت کرتا ہے۔ یبتاع: خریدتا ہے۔ لاأربح: مت نفع بخش بنائے۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ مسجد میں خرید وفروخت کرنا ممنوع اور غیر نفع بخش ہے، مسجد میں تجارت کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ مساجد خالصتاً ذکر الٰہی کیلئے بنائی جاتی ہیں، اگر یہاں تجارت شروع کر دی جائے تو یہ ذکر الٰہی کی بجائے تجارت کا مرکز بن جائیں گی اور لوگوں کی مذہبی اور اخلاقی راہنمائی وتربیت کرنے میں ناکام رہیں گی، اس طرح مساجد کی تعمیر کے مقاصد ناپید ہو جائیں گے۔

اس روایت کو امام ترمذی نے حسن، امام ابن خزیمہ، امام حاکم اور علامہ ذہبی نے صحیح کہا ہے۔ امام دارقطنی نے اس کے مرسل ہونے کو صائب قرار دیا ہے۔

تنبیہ: امام ابن حبان نے ؛یبتاع؛ کی جگہ ؛یشتری؛ نقل کی ہے۔

فقہی احکام: (۱) مساجد میں خرید وفروخت ممنوع اور غیر منافع بخش ہے۔(۲) مساجد میں تجارت کرنے والے کو بددعا دینا جائز ہے۔

۲۵۵: وَعَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اَللَّهِ ﷺ "لَا تُقَامُ اَلْحُدُودُ فِي اَلْمَسَاجِدِ ,وَلَا يُسْتَقَادُ فِيهَا " رَوَاهُ أَحْمَدُ ,وَأَبُو دَاوُدَ بِسَنَدٍ ضَعِيفٍ .

ابوداود، کتاب الحدود، باب فی اقامة الحد فی المسجد: ۴۴۹۰، مسنداحمد: ۴۳۴/۳، الحاکم: ۳۷۸/۴، التلخیص: ۷۸/۴، الاحکام الوسطی: ۶۴/۲، بیان الوهم والایهام: ۳۴۴/۳، ۳۴۵، المحرر لابن عبد الهادی: ۲۶۶/۱، المحلی: ۱۲۳/۱۱، اطراف المسند لابن حجر: ۲۸۰/۲، الدارمی: ۱۹۰/۲، ابن ماجة: ۱۶۰۰، الضعفاء لابن حبان: ۳۱۰/۱، المطالب العالیة: ۳۵۹، کشف الاستار: ۱۵۶۵، المعجم الکبیر: ۱۵۹۰، عبد الرزاق: ۴۳۷/۱، الدارقطنی: ۸۵/۳

تنبیہ: حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اور مزی نے اطراف مسند میں عباس بن عبدالرحمن کی جگہ قاسم بن عبدالرحمن ذکر کیا ہے۔

۲۵۵: حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مساجد میں نہ تو حدود قائم کی جائیں اور نہ قصاص لیا جائے۔" اسے احمد، ابوداؤد نے ضعیف سند سے نقل کیا ہے۔

لغوی تحقیق: لایستقاد: یاء مضموم، سین ساکن اور تاء مفتوح، فعل مجہول، قصاص نہ لیا جائے۔

تشریح: اس روایت کو امام ابوداؤد، امام احمد، امام حاکم اور امام دارقطنی نے زفر بن وثیمہ کے طریق سے نقل کیا ہے، مؤلف

رحمہ اللہ نے اس روایت کو بلوغ المرام میں سند کے اعتبار سے ضعیف کہا ہے، جبکہ **التلخیص الحبیر** میں؛ **لا بأس باسناده**؛ کہا ہے۔ حافظ عبدالحق اشبیلی نے **الاحکام الوسطی** میں اس حدیث کو ضعیف کہا ہے مگر انہوں نے اس کے ضعیف ہونے کی علت بیان نہیں کی، امام ابن قطان نے اس روایت کے ضعیف ہونے کی یہ علت بیان کی ہے کہ زفر بن وثیمہ مجھول ہے۔

امام ذہبی نے **میزان** میں ابن قطان کی بیان کردہ علت کو یہ کہہ کر مسترد کیا ہے کہ ابن معین اور دحیم نے زفر کو ثقہ قرار دیا ہے۔ دحیم نے اگر چہ زفر کو ثقہ قرار دیا ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی کہا ہے کہ زفر کی حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں۔ حافظ ابن عبدالھادی نے امام احمد اور امام ابوداؤد کے حوالے سے اس روایت کی سند کو منقطع قرار دیا ہے، امام ابن قطان نے زفر کے شاگرد محمد بن عبداللہ الشعیثی کو بھی مختلف فیہ قرار دیا ہے۔

اس روایت کے نقل کرنے میں عباس بن عبدالرحمٰن نے زفر بن وثیمہ کی متابعت کی ہے لیکن یہ متابعت کچھ بھی مفید نہیں کیونکہ امام ابن قطان نے عباس بن عبدالرحمٰن کو مجھول قرار دیا ہے اور امام ابوحاتم رازی نے اسے ضعیف الحدیث کہا ہے۔ اسی طرح علامہ ابن حزم نے بھی اسے مجھول کہا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت جبیر بن مطعم اور واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہم سے بھی اسی مفہوم کی روایات مروی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت اسماعیل بن مسلم کی وجہ سے ضعیف ہے کیونکہ موصوف تمام ماہرین فن کے نزدیک ضعیف ہے، اگر چہ عبیداللہ بن الحسن اور سعید بن بشیر اس کے متابع موجود ہیں تاہم یہ متابعت کچھ مفید نہیں کیونکہ سعید بن بشیر تو خود ضعیف ہے، عبیداللہ بن الحسن اگر چہ ثقہ ہے لیکن اس کا شاگرد نہایت مجروح ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث ابن لھیعہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی روایت زید بن جبیرہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی روایت محمد بن اسحاق کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے مروی روایت حارث بن نبھان کی وجہ سے ضعیف ہے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت مکحول اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے مابین انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے۔ تعدد طرق سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس کی کچھ نہ کچھ اصل ضرور ہے۔

فقہی احکام: مساجد میں قیام حدود کے فیصلے کئے جا سکتے ہیں لیکن حدود قائم نہیں کی جا سکتیں کیونکہ سزا کے وقت بول و براز کے اخراج کا امکان ہے۔

۲۵۶: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ أُصِيبَ سَعْدٌ يَوْمَ الْخَنْدَقِ ,فَضَرَبَ عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ خَيْمَةً فِي الْمَسْجِدِ ,لِيَعُودَهُ مِنْ قَرِيبٍ . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب الصلاۃ، باب الخیمۃ فی المسجد للمرضی و غیرھم: ۴۶۳، مسلم: ۱۷۶۹، ابوداود: ۳۱۰۱، النسائی: ۲/ ۴۵، احمد: ۶/ ۵۶

۲۵۶: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ غزوۂ خندق میں زخمی ہو گئے، رسول اللہ ﷺ نے ان کیلئے مسجد میں خیمہ

نصب کروادیا تھا، تاکہ آپ ﷺ قریب سے ان کی تیمار دار کر سکیں۔

لغوی تحقیق: اصیــب: ہمزہ مضموم اور صاد مکسور، فعل مجہول ہے، یعنی زخمی کر دیا گیا۔ لیــعـو دہ : کا مرجع حضرت سعد رضی اللہ عنہ ہیں تاکہ آپ ﷺ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی تیمارداری کر سکیں۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ اعتکاف کے بغیر بھی کسی ضرورت کے تحت مسجد میں خیمہ نصب کیا جا سکتا ہے، زخمی شخص کو مسجد میں ٹھہرایا جا سکتا ہے اور اس کی تیمارداری بھی مسجد ہی میں کی جا سکتی ہے، خیمہ میں رہنے والا شخص مسجد میں سو بھی سکتا ہے۔ اس کی مؤید روایت حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ ایک بار حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے درمیان شکر رنجی ہوگئی، حضرت علی رضی اللہ عنہ مسجد میں جا کر سو گئے، آپ ﷺ کو جب اطلاع ملی تو آپ ﷺ مسجد تشریف لائے اور انہیں سویا ہوا دیکھ کر فرمانے لگے، اے مٹی سے پیار کرنے والو! اٹھو۔

فقہی احکام: (۱) مسجد میں زخمیوں کیلئے خیمے لگائے جا سکتے ہیں۔ (۲) مسجد میں بوقت ضرورت آرام بھی کیا جا سکتا ہے اور تیمارداری بھی کی جا سکتی ہے۔ (۳) مؤمن کا خون ناپاک نہیں ہے۔

۲۵۷: وَعَنْهَا رضی اللہ عنہا **قَالَتْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ** ﷺ **يَسْتُرُنِي ,وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَى الْحَبَشَةِ يَلْعَبُونَ فِي الْمَسْجِدِ . الْحَدِيثَ . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.**

البخاری، کتاب الصلاۃ، باب اصحاب الحراب فی المسجد: ۴۵۴ ، ۴۵۵، مسلم: ۸۹۲، النسائی: ۱۹۵/۳، احمد: ۸۵/۶ ، ۱۶۶، فتح الباری: ۵۴۹/۱

۲۵۷: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ ﷺ مجھے چھپا رہے تھے، جبکہ میں حبشیوں کو مسجد میں کھیلتے دیکھ رہی تھی۔ مختصراً (بخاری ومسلم)

لغوی تحقیق: الحبشة: حبشی کی جمع۔

تشریح: مؤلف رحمہ اللہ نے ایک طویل حدیث کا ایک حصہ نقل کر کے یہ واضح کیا ہے کہ مسجد میں جنگی مشقیں بھی کی جا سکتی ہیں۔ مفصل حدیث اس طرح ہے کہ حبشی مسجد نبوی میں نیزہ بازی کر رہے تھے، رحمت عالم ﷺ حجرہ عائشہ کے دروازے پر تشریف فرما تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے پیچھے کھڑی نیزہ بازی دیکھ رہی تھیں، آپ ﷺ اپنی چادر سے عائشہ کو چھپا رہے تھے۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ حبشی رحمت عالم ﷺ کے قریب نیزہ بازی کر رہے تھے۔ اسی دوران حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے، انہوں نے حبشیوں کے اس فعل کو نامناسب خیال کرتے ہوئے انہیں مارنے کیلئے سنگریزے اٹھائے، آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "انہیں ایسا کرنے دو۔" ابوالحسن لخمی نے اس حدیث کو منسوخ قرار دیا ہے، مؤلف رحمہ اللہ نے فتح الباری میں لخمی کے قول کو بلا دلیل کہہ کر مسترد کیا ہے۔

فقہی احکام: مسجد میں جنگی مشقیں کی جا سکتی ہیں خواتین پردے میں بیٹھ کر جنگی مشقیں دیکھ سکتی ہیں۔

۲۵۸: وَعَنْهَا رضی اللہ عنہا **أَنَّ وَلِيدَةً سَوْدَاءَ كَانَ لَهَا خِبَاءٌ فِي الْمَسْجِدِ ,فَكَانَتْ تَأْتِينِي ,فَتَحَدَّثُ عِنْدِي .الْحَدِيثَ .مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ**

البخاری، کتاب الصلاۃ، باب نوم المرأۃ فی المسجد: ۴۳۹

تنبیہ: مؤلف رحمہ اللہ نے اس حدیث کو مسلم کی طرف منسوب کیا ہے، مسلم میں یہ حدیث نہیں ہے، شاید یہ تسامح انہیں سے ہوا یا کسی نساخ سے غلطی ہوئی ہے۔ واللہ اعلم۔

۲۵۸: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک سیاہ رنگ لڑکی کا خیمہ مسجد میں تھا، وہ میرے پاس باتیں کرنے کیلئے آیا کرتی تھی۔ (بخاری ومسلم)

لغوی تحقیق: ولیدۃ: لونڈی/لڑکی۔ خباء: خاء مکسور، خیمہ۔

فقہی احکام: (۱) اگر فتنہ کا خطرہ نہ ہوتو خواتین بھی رات مسجد میں بسر کرسکتی ہیں۔(۲) مسجد کا خادم مسجد میں قیام کرسکتا ہے۔

۲۵۹: وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اَللَّهِ ﷺ " اَلْبُزَاقُ فِي اَلْمَسْجِدِ خَطِيئَةٌ وَكَفَّارَتُهَا دَفْنُهَا " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

البخاری، کتاب الصلاۃ، باب کفارۃ البزاق فی المسجد: ۴۱۵، مسلم: ۵۵۰، ۵۵۱، الطبرانی: ۸۰۹۱/۸

۲۵۹: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مسجد میں تھوکنا گناہ ہے اوراس کا کفارہ یہ ہے کہ اس پر مٹی ڈال دی جائے۔" (بخاری ومسلم)

لغوی تحقیق: البزاق: تھوک، بلوغ المرام کے بعض مطبوعہ نسخوں میں البزاق کی جگہ پر؛ البصاق؛ ذکر ہوا ہے اس کا معنی بھی تھوک ہے۔

نوٹ: اس کی تشریح اور تخریج؛ باب الحث علی الخشوع فی الصلاۃ؛ میں حدیث رقم ۲۴۲ کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

۲۶۰: وَعَنْهُ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اَللَّهِ ﷺ " لا تَقُومُ اَلسَّاعَةُ حَتَّى يَتَبَاهَى اَلنَّاسُ فِي اَلْمَسَاجِدِ " أَخْرَجَهُ اَلْخَمْسَةُ إِلَّا اَلتِّرْمِذِيُّ ,وَصَحَّحَهُ اِبْنُ خُزَيْمَةَ.

ابو داود، کتاب الصلاۃ، باب فی بناء المسجد: ۴۴۹، ابن ماجۃ: ۷۳۹، النسائی: ۳۲/۲، احمد: ۱۴۵/۳، ابن خزیمۃ: ۲۸۱/۲، ۲۸۲، ابن حبان: ۱۶۱۳، ۱۶۱۴، الدارمی: ۱۴۱۵

۲۶۰: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک لوگ مساجد میں فخر نہ کریں گے۔" اسے نسائی، ابن ماجہ اور احمد نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ نے اسے صحیح کہا ہے۔

لغوی تحقیق: یتباھی: فخر کرنے سے مراد یا تو یہ ہے کہ لوگ مساجد کی تعمیر وتزیین رضائے الٰہی کیلئے نہیں بلکہ خودنمائی اور ریاکاری کیلئے کریں گے۔ اس مفہوم کو تقویت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث میں ملتی ہے، جس میں یہ مذکور ہے کہ لوگوں پر ایک وقت ضرور آئے گا جب وہ مساجد کی وجہ سے ایک دوسرے پر فخر کریں گے اور اسے آباد رکھنے پر بہت کم توجہ دیں گے۔ اس کا مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ لوگ مساجد میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کی کبریائی بیان کرنے کی بجائے اپنے بڑے ہونے کا اظہار کریں گے۔

تشریح: مسجد کی تعمیر ایک بہت بڑا کار خیر ہے لیکن اگر یہی کام ریاکاری کیلئے ہے تو پھر تباہی ہے۔ مؤلف رحمہ اللہ نے اس باب میں یہ حدیث لاکر واضح کیا ہے کہ مساجد میں بیٹھ کر اپنی بڑائی بیان کرنا منع ہے۔

فقہی احکام: (۱) مساجد کی تعمیر وتزیین ریاکاری کیلئے کرنا باعث تباہی ہے۔(۲) مساجد میں بیٹھ کر اپنی بڑائی بیان کرنا ممنوع ہے۔

۲۶۱: وَعَنِ اِبْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ، قَالَ رَسُولُ اَللَّهِ ﷺ "مَا أُمِرْتُ بِتَشْيِيدِ اَلْمَسَاجِدِ "أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ ,وَصَحَّحَهُ اِبْنُ حِبَّانَ

ابو داود، کتاب الصلاۃ، باب فی بناء المسجد: ۴۴۸، ابن حبان: ۱۶۱۵، ابن ابی شیبۃ بسند ضعیف: ۳۴۴/۱

۲۶۱: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے بلند وبالا مساجد تعمیر کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔" اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔

لغوی تحقیق: تشیید: بلند و بالا، آرائش وزیبائش اور پختہ۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ عالیشان مساجد تعمیر کرنا درست نہیں۔ کیونکہ اس کی وجہ سے فخر اور ریا کاری کو دل میں جگہ ملتی ہے۔ واضح رہے کہ جتنی لاگت ایک عالیشان مسجد کی تعمیر پر آتی ہے، اس لاگت سے پسماندہ علاقوں میں متعدد مساجد تعمیر کر کے دعوت دین کو فروغ دیا جا سکتا ہے، عصر حاضر میں عالیشان مساجد کی تعمیر کے رجحان نے لوگوں کو اس سے بھی بے پرواہ کر دیا ہے کہ وہ دیکھیں کہ جو رقم مساجد کی تعمیر کیلئے آ رہی ہے وہ لوٹ کھسوٹ، رشوت اور سود سے پاک بھی ہے یا کہ نہیں؟ ظاہر ہے کہ کسب حرام سے تعمیر ہونے والی مساجد، روحانی تربیت و تسکین کا ذریعہ کیونکر ہو سکتی ہیں، ممکن ہے کہ اسی بنا پر آپ ﷺ نے صحابہ کو ایسی مساجد میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہو (یہ روایت لیث بن ابی سلیم کی وجہ سے ضعیف ہے۔)

فقہی احکام: (۱) بلند و بالا اور مزین مساجد تعمیر کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔ (۲) مساجد کسب حلال سے تعمیر ہونی چاہیے۔

۲۶۲: وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اَللَّهِ ﷺ " عُرِضَتْ عَلَيَّ أُجُورُ أُمَّتِي ,حَتَّى اَلْقَذَاةُ يُخْرِجُهَا اَلرَّجُلُ مِنْ اَلْمَسْجِدِ " رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ ,وَالتِّرْمِذِيُّ وَاسْتَغْرَبَهُ ,وَصَحَّحَهُ اِبْنُ خُزَيْمَةَ.

ابو داود، کتاب الصلاۃ، باب فی کنس المسجد: ۴۶۱، الترمذی: ۲۹۱۶، ابن خزیمۃ: ۱۲۹۷/۲، البیھقی: ۴۴۰/۲

۲۶۲: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے میری امت کے نیک اعمال کا مشاہدہ کروایا گیا، یہاں تک کہ وہ تنکا بھی دکھایا گیا، جسے آدمی اُٹھا کر مسجد سے باہر پھینکتا ہے۔" اسے ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے امام ترمذی نے اسے غریب کہا ہے اور ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے

لغوی تحقیق: عرضت: عین مضموم، راء مکسور، پیش کئے گئے۔ اجور: ہمزہ اور جیم مضموم، اجر کی جمع ہے۔ القذاۃ: قاف مفتوح، تنکا۔ استغربة: اسے غریب کہا ہے۔

تشریح: امت مرحومہ رضائے الٰہی کیلئے اپنے فرائض ادا کرے تو اللہ تعالیٰ اس پر خصوصی عنایات فرماتا ہے، انہیں ان کے معمولی کام پر بھی اجر عطا کرتا ہے مثلاً مسجد سے ایک تنکا اٹھا کر باہر پھینک دینا، بظاہر کوئی بڑا کام نہیں، لیکن مسلمان کو اس پر بھی خصوصی اجر ملتا ہے۔

امام ترمذی نے اس روایت کو غریب کہہ کر اس کے معلول ہونے کا عندیہ دیا ہے اور انہوں نے خود ہی اس علت کی صراحت بھی کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری اور علی بن مدینی کے نزدیک مطلب بن عبداللہ کا حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں۔ شیخ خالد بن ضیف اللہ کہتے ہیں کہ اس سند کی علت یہ بھی ہے کہ ابن جریج مدلس نے یہ روایت معنعن نقل کی ہے، لیکن راقم کے نزدیک یہ علت مؤثر نہیں، کیونکہ ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں مدلسین کی ان روایات کو جن کے سماع سے وہ آگاہ نہیں تھے نقل کرنے کے بعد صراحت کر دی ہے کہ مجھے معلوم نہیں کہ یہ روایت اس نے اپنے شیخ سے سنی ہے یا نہیں؟ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد امام ممدوح کی خاموشی اس حقیقت کا اعلان ہے کہ وہ ابن جریج کے سماع سے آگاہ ہیں۔

فقہی احکام: (۱) مساجد کو کوڑا کرکٹ سے محفوظ رکھنا مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔ (۲) مسجد سے ایک تنکا اٹھا کر باہر پھینکنا بھی باعث اجر ہے۔ (۳) قرآن حکیم کو حفظ کرنے کے بعد اس کا دور کرتے رہنا چاہیے۔ (۴) قرآن حکیم کا عمداً نسیان بہت بڑا جرم ہے۔

۲۶۳: وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اَللَّهِ ﷺ " إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ اَلْمَسْجِدَ فَلَا يَجْلِسْ حَتَّى يُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ "مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب الصلاۃ، باب اذا دخل المسجد فلیرکع رکعتین: ۴۴۴، مسلم: ۷۱۴، ابوداود: ۴۶۷، النسائی: ۲/۵۳، ابن ماجۃ: ۱۰۱۳، ابن حبان: ۲۴۹۵-۲۴۹۸، ابن خزیمۃ: ۱۸۲۵، ۱۸۲۷، احمد: ۲۹۵/۵، ۲۹۶

۲۶۳: حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے کوئی شخص بھی جب مسجد میں داخل ہوتو وہ اس وقت تک مت بیٹھے، جب تک وہ دو رکعات نہ پڑھ لے۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث میں مسجد میں داخل ہونے پر دو رکعات پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ان رکعات کو خود رحمت عالم ﷺ نے تحیۃ المسجد کا نام دیا ہے۔ان دو رکعات کو ترک کرنے کی رخصت دوران خطبہ بھی نہیں ہے یعنی اگر کوئی شخص مسجد میں خطبہ جمعہ کے دوران داخل ہوتا ہے، وہ بھی بیٹھنے سے پہلے یہ رکعات پڑھے، جیسا کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ خطبہ ارشاد فرمارہے تھے، اس دوران ایک شخص مسجد میں داخل ہوا اور وہ دو رکعات پڑھے بغیر بیٹھ گیا، رحمت عالم ﷺ نے اسے دو رکعات پڑھنے کا حکم فرمایا۔تحیۃ المسجد کے بارے میں حضرت ابوقتادہ، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابوذر اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ان احادیث کے ظاہری الفاظ سے تو یہی عیاں ہوتا ہے کہ ان دو رکعات کی ممنوعہ اوقات میں بھی پڑھنے کی اجازت ہے۔

فقہی احکام: مسجد میں دو رکعات پڑھے بغیر بیٹھنا درست نہیں۔

۷۔ باب صفۃ الصلاۃ نماز کی صفات کا بیان

۲۶۴: **عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ اَلنَّبِيَّ ﷺ قَالَ "إِذَا قُمْتَ إِلَى اَلصَّلَاةِ فَأَسْبِغِ اَلْوُضُوءَ ,ثُمَّ اِسْتَقْبِلِ اَلْقِبْلَةَ ,فَكَبِّرْ ,ثُمَّ اِقْرَأْ مَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ اَلْقُرْآنِ ,ثُمَّ اِرْكَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا ,ثُمَّ اِرْفَعْ حَتَّى تَعْتَدِلَ قَائِمًا ,ثُمَّ اُسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ,ثُمَّ اِرْفَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا ,ثُمَّ اُسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ,ثُمَّ اِفْعَلْ ذَلِكَ فِي صَلَاتِكَ كُلِّهَا "أَخْرَجَهُ اَلسَّبْعَةُ ,وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ وَلِابْنِ مَاجَهْ بِإِسْنَادِ مُسْلِمٍ " حَتَّى تَطْمَئِنَّ قَائِمًا "**

البخاری، کتاب الآذان، باب وجوب القراءۃ للامام او الماموم فی الصلوات کلھا: ۷۵۷، باب امر النبی الذی لایتم رکوعہ بالاعادۃ: ۷۹۳ کتاب الاستئذان، باب من رد فقال علیک السلام: ۶۲۵۱، ۶۲۵۲ / کتاب الایمان و النذر: ۶۶۶۷، مسلم: ۳۹۷، ابوداود: ۸۵۶، الترمذی: ۳۰۳، ابن ماجۃ: ۱۰۶۰، ابن خزیمۃ: ۴۵۴، ۴۶۱، ۵۹۰، ابن حبان: ۱۷۸۷، النسائی: ۵۹/۳، احمد: ۴۳۷/۲

۲۶۴: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جب تم نماز ادا کرنے کا ارادا کروتو اچھی طرح وضو کرلو، پھر قبلہ رُخ کھڑے ہوکر اللہ اکبر کہو، پھر قرآن حکیم کا جو حصہ یاد ہو اس میں سے جس قدر آسان ہو پڑھ لو، پھر نہایت اطمینان سے رکوع کرو، پھر نہایت اطمینان سے بالکل سیدھے کھڑے ہوجاؤ، پھر نہایت اطمینان سے سجدہ کرو، پھر نہایت اطمینان سے بیٹھ جاؤ، پھر نہایت اطمینان سے سجدہ کرو، پھر اپنی ساری نماز اسی طرح ادا کرو۔" اسے ساتوں نے بیان کیا ہے، مذکورہ الفاظ بخاری کے ہیں، ابن ماجہ نے مسلم کی سند سے "حتی تطمئن قائما" کے الفاظ نقل کئے ہیں

لغوی تحقیق: تیسر: آسان ہو، میسر آئے۔ تعدل: اعتدال پر آجائیں۔

تشریح: اس حدیث میں نماز ادا کرنے کے طریقہ کی تعلیم دی گئی ہے، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس حدیث میں نماز ادا کرنے کا مکمل طریقہ موجود ہے، کیونکہ متعدد ایسی چیزیں ہیں جو اس حدیث میں مذکور نہیں مثلاً نماز کا آغاز کرتے وقت رفع الیدین اور اس کا طریقہ مذکور نہیں، حالت قیام میں ہاتھ باندھنے کا ذکر، اس کا طریقہ اور محل وضع کا ذکر نہیں، قرأت سے پہلے دعا استفتاح کا تذکرہ نہیں، رکوع جاتے وقت تکبیر اور رفع الیدین، رکوع سے سر اٹھاتے وقت تسمیع اور رفع الیدین کا ذکر نہیں علی ھذا القیاس اور بھی کئی چیزوں کا ذکر نہیں۔ بعض اہل علم نے اس حدیث میں عدم مذکور متعدد چیزوں کو چھوڑ کر فقط چند چیزوں کو موضوع سخن بنایا ہے اور ان کے عدم ذکر کو بنیاد بنا کر ان کے وجود کی نفی کرنے کی کوشش کی ہے، ان حضرات کی یہ کوشش یقیناً قابل ستائش نہیں۔ کیونکہ انہوں نے اس واقعہ کے پس منظر سے خوب آگاہ ہونے کے باوجود انصاف پر مبنی گفتگو نہیں فرمائی۔

اس واقعہ کے عینی شاہدین میں رفاعہ بن رافع بدری بھی ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے اور ہم آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے، اس دوران ایک شخص مسجد مین داخل ہوا، اس نے اس قدر ہلکی نماز پڑھی کہ رکوع وسجود کو بھی مکمل نہ کیا۔ رفاعہ بن رافع کے بیان سے واضح ہوا کہ زیر مطالعہ حدیث میں جس طریقہ نماز کی تعلیم مذکور ہے وہ ایک نو مسلم کیلئے نہیں، بلکہ ایک ایسے شخص کیلئے تھی جو طریقہ نماز سے کسی حد تک آگاہ تھا۔ چنانچہ رحمت عالم ﷺ نے جہاں نقص دیکھا اس کی اصلاح فرما دی، پھر اس روایت کے مختلف طرق کو جمع کرنے پر واضح ہوتا ہے کہ رحمت عالم ﷺ نے تو اس وقت بہت کچھ فرمایا تھا لیکن ذکر کرنے والوں نے حسب ضرورت اس کے بعض حصے ذکر کر دیے، اس بہت کچھ میں سورۃ فاتحہ کی تعلیم کا بھی ذکر ہے اور یہ بھی ذکر ہے کہ اگر آپ کو قرآن حکیم میں سے کچھ بھی یاد نہیں تو پھر آپ اس کی جگہ **الحمد لله، الله اکبر، لا اله الاالله** بھی پڑھ سکتے ہیں۔

فقہی احکام: (۱) حصول تعلیم کیلئے متعلم میں آمادگی پیدا کریں۔ (۲) معلم کا رویہ مشفقانہ ہونا چاہیے۔ (۳) مربی اپنے زیر تربیت افراد کی حرکات وسکنات کا بغور مطالعہ کرتا رہے۔ (۴) تنقید برائے اصلاح ہونی چاہیے۔ (۵) فاتحہ اگر یاد ہے تو پھر اس کے پڑھے بغیر نماز نہیں ہوگی۔ (۶) اگر قرآن حکیم میں سے کچھ بھی یاد نہیں تو پھر **الحمد لله، الله اکبر** اور **لااله الاالله** پڑھنا فاتحہ اور بعد کی قرأت کے قائم مقام ہوگا۔ رکوع وسجود اور قیام وقعود میں اعتدال ضروری ہے، اس کے بغیر نماز نہیں ہوگی۔ مجلس اور مسجد سے باہر جاتے وقت بھی سلام کہنا چاہیے

۲۶۵: وَمِثْلُهُ فِي حَدِيثِ رِفَاعَةَ عِنْدَ أَحْمَدَ وَابْنِ حِبَّانَ وَفِي لَفْظٍ لِأَحْمَدَ " فَأَقِمْ صُلْبَكَ حَتَّى تَرْجِعَ الْعِظَامُ " وَلِلنَّسَائِيِّ ,وَأَبِي دَاوُدَ مِنْ حَدِيثِ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ " إِنَّهَا لَنْ تَتِمَّ صَلَاةُ أَحَدِكُمْ حَتَّى يُسْبِغَ الْوُضُوءَ كَمَا أَمَرَهُ اَللَّهُ ,ثُمَّ يُكَبِّرَ اَللَّهَ ,وَيَحْمَدَهُ ,وَيُثْنِيَ عَلَيْهِ " وَفِيهَا " فَإِنْ كَانَ مَعَكَ قُرْآنٌ فَاقْرَأْ وَإِلَّا فَاحْمَدِ اَللَّهَ ,وَكَبِّرْهُ ,وهَلِّلْهُ " وَلِأَبِي دَاوُدَ " ثُمَّ اِقْرَأْ بِأُمِّ اَلْقُرْآنِ وَبِمَا شَاءَ اَللَّهُ " وَلِابْنِ حِبَّانَ " ثُمَّ بِمَا شِئْتَ "

مسنداحمد: ۳۴۰/۴، ابن حبان: ۱۷۸۷، النسائی: ۱۹۳/۲، ابوداود: ۸۵۷-۸۶۰، الطبرانی: ۴۵۲۰، البیهقی: ۴۰۵۰، ۴۰۵۱، ابن خزیمة: ۵۴۵، احکام الاحکام: ۴۱۳/۲

۲۶۵: اسی کی مثل حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت احمد اور ابن حبان میں بھی موجود ہے اور احمد میں ہے کہ " آپ اپنی کمر کو اس طرح سیدھا کریں کہ تمام ہڈیاں اپنی جگہ پر آجائیں۔" نسائی اور ابوداؤد میں رفاعہ بن رافع ؓ سے مروی حدیث میں ہے کہ " آپ میں سے کسی ایک کی اس وقت تک نماز مکمل نہیں ہوگی جب تک وہ اس طرح وضو مکمل نہ کرے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اسے مکمل کرنے کا حکم دیا ہے، پھر وہ تکبیر کہے اور اللہ کی حمد وثنا بیان کرے۔" اس میں یہ بھی ہے "اگر تجھے قرآن یاد ہے تو پڑھ لے ورنہ **الحمد لله، الله اکبر** اور **لا**

اله الا اللہ پڑھ لے۔اور ابوداؤد میں ہے "پھر سورۃ فاتحہ پڑھ اور مزید جو اللہ توفیق دے۔" ابن حبان میں ہے "پھر جو تم چاہو پڑھو۔"

لغوی تحقیق: صلب: صاد مضموم، لام ساکن، پشت/کمر۔ **العظام**: عین مکسور، یہ عظم کی جمع ہے، کمر کے مہرے۔ **یثنی**: یاء مضموم، ثاء ساکن، نون مکسور۔ حمد وثنا بیان کرو۔ **هلله**: لا اله الا اللہ پڑھو۔

تشریح: مؤلف رحمہ اللہ نے حدیث کے مختلف طرق کے ذریعے یہ واضح کیا ہے کہ حدیث حضرت ابو ہریرہ، حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہما سے متعدد طرق سے مروی ہے۔ ان تمام طرق کو جمع کرنے سے بہت سی باتوں کی صراحت ہو جاتی ہے، ان بہت سی باتوں میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کی تعلیم بھی شامل ہے، طبرانی میں رکوع کرنے کا طریقہ بھی منقول ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ کسی بھی حدیث کا مفہوم سمجھنے کیلئے اس حدیث کے مختلف طرق سے آگاہی ضروری ہے۔ علامہ ابن دقیق العید نے **احکام الاحکام** میں اس حدیث کے ضمن میں نہایت نفیس بحث کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ طالب تحقیق کیلئے ضروری ہے کہ وہ اس حدیث کے تمام طرق جمع کرے، ان تمام طرق میں جو امور فرداً فرداً مذکور ہیں انہیں شمار کرتا جائے اور جس طریق میں جو چیز زائد ملے اسے محفوظ کرے، کیونکہ زائد کا لینا لازم ہے۔

۲۶۶: وَعَنْ أَبِي حُمَيْدٍ اَلسَّاعِدِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ رَأَيْتُ اَلنَّبِيَّ ﷺ إِذَا كَبَّرَ جَعَلَ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ ,وَإِذَا رَكَعَ أَمْكَنَ يَدَيْهِ مِنْ رُكْبَتَيْهِ ,ثُمَّ هَصَرَ ظَهْرَهُ ,فَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ اِسْتَوَى حَتَّى يَعُودَ كُلُّ فَقَارٍ مَكَانَهُ ,فَإِذَا سَجَدَ وَضَعَ يَدَيْهِ غَيْرَ مُفْتَرِشٍ وَلَا قَابِضِهِمَا ,وَاسْتَقْبَلَ بِأَطْرَافِ أَصَابِعِ رِجْلَيْهِ اَلْقِبْلَةَ ,وَإِذَا جَلَسَ فِي اَلرَّكْعَتَيْنِ جَلَسَ عَلَى رِجْلِهِ اَلْيُسْرَى وَنَصَبَ اَلْيُمْنَى ,وَإِذَا جَلَسَ فِي اَلرَّكْعَةِ اَلْأَخِيرَةِ قَدَّمَ رِجْلَهُ اَلْيُسْرَى وَنَصَبَ اَلْأُخْرَى ,وَقَعَدَ عَلَى مَقْعَدَتِهِ . أَخْرَجَهُ اَلْبُخَارِيُّ.

البخاری، کتاب الآذان، باب سنة الجلوس فی التشهد: ۸۲۸، ابوداود، کتاب الصلاة، باب افتتاح الصلاة: ۷۳۰، الترمذی: ۳۰۴، ابن ماجة: ۸۶۲، ابن خزیمة، کتاب الصلاة، باب الاعتدال فی الرکوع و التجا فی ووضع الیدین علی الرکبتین: ۵۸۷، ابن حبان، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱۸۶۵ ـ ۱۸۶۷، البیهقی: ۱۰۱/۲، الطحاوی: ۲۲۳/۱، الدارمی: ۱۳۶۳

تنبیہ: بخاری میں؛ حذو؛ کی جگہ؛ حذاء؛ اور؛ الرکعة الاخیرة؛ کی جگہ؛ الرکعة الآخرة؛ ہے۔

۲۶۶: حضرت ابوحمید ساعدیؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، آپ ﷺ جب اللہ اکبر کہتے تو اپنے ہاتھوں کو کندھوں کے برابر تک اُٹھاتے، اور جب رکوع فرماتے تو اپنے ہاتھوں سے اپنے گھٹنوں کو مضبوطی سے پکڑ لیتے، اور اپنی پشت مبارک کو جھکا لیتے، جب (رکوع سے) سر اُٹھاتے اس طرح سیدھے کھڑے ہو جاتے کہ (کمر کے) مہرے اپنی اپنی جگہ پر آ جاتے، جب سجدہ فرماتے تو اپنے ہاتھ زمین پر اس طرح رکھتے کہ نہ زیادہ بچھے ہوتے اور نہ زیادہ سکڑے ہوتے،، اور اپنے دونوں پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ رُخ کر لیتے، جب آپ ﷺ دو رکعتوں کیلئے بیٹھتے تو اپنے دائیں پاؤں کو کھڑا فرما لیتے اور بائیں پاؤں پر تشریف رکھتے، اور جب آخری رکعت کیلئے تشریف رکھتے تو پاؤں کو (دائیں ران کے نیچے سے) آگے بڑھا دیتے اور دائیں پاؤں کو کھڑا فرما لیتے، اور سرین پر تشریف رکھتے۔ اسے بخاری نے بیان کیا ہے۔

لغوی تحقیق: **الحذو**: حاء مفتوح، ذال ساکن، حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ایک طریق میں؛ **حذاء المنکبین**؛ بھی منقول ہے۔ **حِذاء**: حاء مکسور، ذال مفتوح، معنی دونوں کا ایک ہی ہے یعنی برابر۔ **منکبیه**: میم مفتوح، نون ساکن، کاف مکسور، منکب کا تثنیہ ہے، نون اضافت کی وجہ سے ساقط ہے، یعنی دونوں کندھے۔ **امکن**: امکان سے ماخوذ ہے، مضبوطی سے پکڑ لیتے۔ **رکبتیه**: راء

مضموم، کاف ساکن، باءاورتاءمفتوح، یہ ر کبة کا تثنیہ ہے،نون اضافت کی وجہ سے ساقط ہے، دونوں گھٹنے۔ **هصر** : بخاری میں اس کی جگہ لفظ **حنی** ہے یعنی جھکایا۔ابوحمید ساعدی نے جھکنے کی کیفیت ان الفاظ میں بیان فرمائی کہ رحمت عالم ﷺ کا سر مبارک نہ کمر سے نیچے تھا اور نہ اوپر تھا، یعنی کمر کے برابر تھا۔ **فقار** : فاءمفتوح، قاف مخفف مفتوح، یہ **فقارة** کی جمع ہے، کمر کی ہڈیوں کا وہ سلسلہ جو سر سے شروع ہوکر دم تک جاتا ہے، انسان میں اس کی تعداد تینتیس ہے، گردن میں سات، گردن سے آخری پسلی تک بارہ، پیٹ کے مقابل پانچ، آگے دم کی انتہاء تک نو، عرف عام میں ان ہڈیوں کو کمر کے مہرے کہا جاتا ہے۔حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں **فقار** کی جگہ لفظ **عظام** ہے۔**غير مفترش** :ابن حبان میں ؛**غير مفترش ذراعيه**؛ اپنے بازوؤں کو زمین پر بچھایا نہیں تھا۔

لاقابضها: نہ بازوں کو پہلوؤں کے ساتھ لگایا ہوا تھا۔

تشریح: زیرمطالعہ حدیث حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے متعدد طرق سے مروی ہے، ان تمام طرق میں مذکور الفاظ کو اگر یکجا کر لیا جائے تو نماز نبوی کی مکمل شکل کو نقوش کے لباس میں دیکھا جاسکتا ہے۔اس روایت کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ اس روایت میں مذکور نماز کے نماز نبوی ہونے پر دس جلیل القدر اصحاب رسول اللہ ﷺ کی مہر تصدیق ثبت ہے، یہ مہر تصدیق بھی عصر حاضر کے اہل علم کی مہر تصدیق کی طرح رسمی نہیں، کیونکہ ان دس صحابہ نے اچھی طرح مشاہدہ کرنے کے بعد مہر تصدیق ثبت کی ہے، جیسا کہ عیسیٰ بن عبداللہ سے منقول ہے کہ ادھر حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے نماز کا آغاز کیا ادھر ان دس اصحاب محمد نے ان کی نماز کا بغور مشاہدہ کرنا شروع کردیا۔

حضرت عباس بن سہل ساعدی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے صحابہ کی ایک جماعت کو نماز نبوی کا عملی مشاہدہ کروادیا، تو انہوں نے اس پر مہر تصدیق ثبت کرتے ہوئے فرمایا، آپ نے درست کہا، رحمت عالم ﷺ کا طریقہ نماز یہی تھا۔

واضح رہے کہ ان دس صحابہ نے جس نماز کو صلاۃ الرسول کہا اس میں چار مقامات پر (آغاز نماز، رکوع کو جاتے وقت، رکوع سے سر اٹھاتے وقت اور دو رکعات پڑھ کر اٹھتے وقت) کندھوں تک رفع الیدین کرنے کی صراحت ہے۔

امام ابن خزیمہ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ امام محمد بن یحییٰ فرمایا کرتے تھے، جو شخص اس حدیث کو سن کر عندالرکوع رفع الیدین نہیں کرتا اس کی نماز ناقص ہے۔

فقہی احکام: (۱) لوگوں کو نماز نبوی پڑھ کر دکھانی چاہیے۔(۲) رکوع میں سر، پشت کے برابر ہونا چاہیے۔(۳) رکوع سے سر اٹھاتے وقت ؛**سمع الله لمن حمده** ؛ کہنا چاہیے۔(۴) عندالرکوع رفع الیدین کرنا مسنون ہے۔(۵) دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا سنت ہے۔(۶) آخری تشہد میں تورک مسنون ہے۔

۲۶۷: وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُولِ اَللَّهِ ﷺ أَنَّهُ كَانَ إِذَا قَامَ إِلَى اَلصَّلَاةِ قَالَ "وَجَّهْتُ وَجْهِي لِلَّذِي فَطَرَ اَلسَّمَوَاتِ " إِلَى قَوْلِهِ "مِنْ اَلْمُسْلِمِينَ ,اَللَّهُمَّ أَنْتَ اَلْمَلِكُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ ,أَنْتَ رَبِّي وَأَنَا عَبْدُكَ " إِلَى آخِرِهِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ اِنَّ ذَلِكَ فِي صَلَاةِ اَللَّيْلِ.

(طريق الماجشون) مسلم،كتاب صلاة المسافرين و قصرها، باب الدعاء فى صلاةالليل و قيامه: ۱۷۷، احمد: ۱/ ۹۴، ۱۰۲، ۱۰۳، الطيالسى: ۱۵۲، الترمذى: ۳۲۶۳، مشكل الآثار: ۱/ ۴۸۸، ابوعوانة: ۲/ ۱۰۰، ۱۰۱، البيهقى: ۲/ ۳۲، ابن ابى شيبة: ۱/ ۲۳۲، ابوداود: ۷۶۰، النسائى: ۲/ ۱۲۹، ابن حبان: ۱۷۷۱، ابن الجارود: ۱۷۹، الدارقطنى: ۱/ ۲۹۵ـ۲۹۷، ابن خزيمة: ۴۶۲، ۴۶۳، ۷۴۳، (طريق عبد الله بن فضل) ابوعوانة: ۲/ ۱۰۲، مسند شافعى: ۱/ ۷۲، ۷۳، عبد الرزاق: ۲۵۶۷، ۲۹۰۳،

ابن خزیمة: ۴۶۴، شرح معانی الآثار: ۱۹۹/۱

۲۶۷: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کیلئے کھڑے ہوتے تو فرماتے: "میں نے اپنے چہرے کواسی ذات کی طرف متوجہ کر دیا جس نے زمین وآسمان کو تخلیق فرمایا، میرا مشرکین سے کوئی تعلق نہیں، میری نماز، میری قربانی اور میرا مرنا جینا اللہ رب العزت کیلئے ہے، اس کا کوئی شرک نہیں، میں اسی امر پر مامور ہوں، میرا تعلق مسلمانوں سے ہے، اللہ! تو میرا مالک ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو میرا رب اور میں تیرا بندہ ہوں، میں نے خود پر ظلم کیا، میں اعتراف خطا کرتا ہوں، میری تمام تسامحات معاف کر دے، تسامحات کو فقط تو ہی معاف کرنے والا ہے، اچھے اخلاق کی طرف میری رہنمائی فرما، اچھے اخلاق کی طرف تو ہی رہنمائی کر سکتا ہے، بری عادات کو مجھ سے دور کر دے، کیونکہ ان کو تو ہی دور کر سکتا ہے، میں حاضر ہوں، تیرے دین کی اتباع کیلئے پوری طرح مستعد ہوں، ہر قسم کی بھلائیاں تیرے ہاتھ میں، شر تیری طرف پر نہیں مار سکتی، میری درخواستیں تیرے حضور ہیں، اور توفیق تجھ سے وابستہ ہے، تو بابرکت و بلند و بالا ہے، میں تجھ سے تقصیرات کی معافی کا طلب گار ہوں، تیری طرف رجوع کرتا ہوں۔" اسے مسلم نے روایت کیا ہے اور مسلم ہی کی ایک روایت میں مذکور ہے کہ مذکورہ دعا آپ ﷺ رات کی نماز میں پڑھتے تھے۔

تشریح: یہ روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فقط عبداللہ بن ابی رافع نقل کرتے ہیں، ان سے عبدالرحمٰن الاعرج اور ان سے الماجشون اور عبداللہ بن فضل نقل کرتے ہیں۔ الماجشون جب نقل کرتے ہیں تو وہ فرضی یا نفلی نماز کا تعین نہیں کرتے، امام مسلم اور امام احمد نے یہ روایت دو طرق سے نقل کی ہے اور دونوں طرق الماجشون سے منقول ہیں، اس لئے مسند احمد اور مسلم میں فرضی یا نفلی نماز کا ذکر نہیں۔

امام ابوداؤد نے عبداللہ بن فضل اور الماجشون دونوں سے ایک ایک طریق سے نقل کی ہے، عبداللہ بن فضل سے مروی طریق میں فرض نماز کی تعیین ہے جبکہ الماجشون کے طریق میں کسی نماز کی تعیین نہیں، امام ترمذی نے یہ حدیث تین طرق سے نقل کی ہے، دو طرق الماجشون سے بغیر تعین کے ہیں۔ اور ایک طریق عبداللہ بن فضل سے فرض نماز کی تعیین کے ساتھ منقول ہے، امام دارقطنی نے بھی الماجشون کے طریق سے بغیر تعین کے اور عبداللہ بن فضل کے طریق سے فرض نماز کی تعیین کے ساتھ نقل کی ہے۔ عبدالرزاق میں دونوں طریق عبداللہ بن فضل کے واسطے سے ہیں، اس لئے دونوں میں فرض نماز کی تعیین ہے۔ امام ابن خزیمہ نے تین طرق میں سے دو طرق الماجشون کے واسطے سے بغیر تعین کے اور ایک طریق عبداللہ بن فضل کے واسطے سے فرض نماز کی تعیین کے ساتھ نقل کیا ہے۔

امام ابن حبان نے الماجشون کے طریق سے بغیر تعین اور عبداللہ بن فضل کے طریق سے فرض نماز کی قید کے ساتھ نقل کیا ہے، اسی طرح امام شافعی مسند شافعی میں اور امام طحاوی نے **شرح معانی الآثار** اور **مشکل الآثار** میں اور بیہقی نے **سنن الکبریٰ** میں عبداللہ بن فضل سے فرض نماز کی قید کے ساتھ نقل کیا ہے، جبکہ طحاوی نے **مشکل الآثار**، **شرح معانی الآثار** اور بیہقی نے **سنن الکبری**، ابوعوانہ، ابوداؤد طیالسی، ابن ابی شیبہ، دارمی اور ابن الجارود نے الماجشون کے طریق سے مطلق نقل کیا ہے۔

درج بالا بیان سے واضح ہوا کہ مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ مسلم کے ایک طریق میں اس دعا کو **صلاۃ اللیل** کے آغاز میں پڑھنے کا ذکر ہے۔ درست نہیں، راقم کے نزدیک مؤلف رحمہ اللہ یا ناسخ سے یہ تسامح اس لئے ہوا کہ امام مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث کے متصل بعد اس حدیث کو نقل کیا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی طریق میں یہ مذکور ہے کہ آپ ﷺ **صلاۃ اللیل** کے آغاز میں؛ **اللھم رب جبریل و میکائیل و اسرافیل فاطر السموات والارض**؛ پڑھا کرتے تھے۔ ممکن ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث کو حدیث علی سمجھ لیا گیا ہو۔ امام نووی نے حدیث علی کو بھی **باب الدعاء فی صلاۃ اللیل** کے تحت رکھا ہے۔

فقہی احکام: (۱) نماز کے آغاز میں اس دعا کا پڑھنا مسنون ہے۔

(۲) نماز عجز وانکساری سے عبارت ہے، اس لئے اس کا آغاز عجز وانکساری ہی سے ہونا چاہیے۔

۲۶۸: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا كَبَّرَ لِلصَّلَاةِ سَكَتَ هُنَيَّةً ,قَبْلَ أَنْ يَقْرَأَ ,فَسَأَلْتُهُ ,فَقَالَ "أَقُولُ،اَللَّهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ ,اَللَّهُمَّ نَقِّنِي مِنْ خَطَايَايَ كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْأَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ ,اَللَّهُمَّ اغْسِلْنِي مِنْ خَطَايَايَ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب الآذان، باب ما يقول بعد التكبير: ۷۴۴، مسلم: ۵۹۸، ابوداود: ۷۸۱، ابن ماجة: ۸۰۵، احمد: ۲/۲۳۱، النسائی: ۲/۱۲۸، الدارمی: ۱/۲۸۳، ابوعوانة: ۱/۹۸، البيهقی: ۲/۱۹۵، الدارقطنی: ۱/۳۳۶، ابن حبان: ۱۷۷۵، ۱۷۷۶، ابن خزيمة: ۴۶۵

۲۶۸: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کیلئے تکبیر تحریمہ کہتے تو قرأۃ کرنے سے پہلے تھوڑی دیر کیلئے خاموشی فرماتے، میں نے (ایک روز وقفہ کے دوران پڑھنے کے بارے میں) دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں (اس دوران) پڑھتا ہوں، اے اللہ! میرے اور میری تقصیرات کے مابین مشرق ومغرب کی دوری فرمادے۔ اے اللہ! مجھے تقصیرات سے ایسے صاف فرمادے جیسے سفید کپڑا میل کچیل سے صاف کر دیا جاتا ہے، اے اللہ! میری تقصیرات کو پانی، برف اور اولوں سے دھودے (بخاری ومسلم)

لغوی تحقیق: هنية: ھاء مضموم، نون مفتوح اور یاء مشدد مفتوح، تصغیر کا صیغہ ہے یعنی تھوڑی دیر۔ الدنس: دال اور نون مفتوح، میل کچیل الثلج: ثاء مفتوح اور لام ساکن، یعنی برف۔ البرد: باء اور راء مفتوح، بردۃ کی جمع ہے یعنی اولے۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ لفظ سکت، جہر کے مقابلے میں بھی استعمال ہوتا ہے، اس وقت اس کا معنی خاموشی نہیں، بلکہ آہستہ پڑھنا ہوتا ہے، آپ ﷺ درج بالا دعا کو تکبیر تحریمہ کے بعد اور قرأت فاتحہ سے پہلے آہستہ پڑھا کرتے تھے۔ اس دعا کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کی جاتی ہے کہ وہ تقصیرات پر خط تنسیخ کھینچ دے۔

فقہی احکام: (۱) دعائے استفتاح آہستہ پڑھنا مسنون ہے۔ (۲) انسان کی اصل کامیابی گناہوں کی معافی ہے۔

۲۶۹: وَعَنْ عُمَرَ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ "سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ ,تَبَارَكَ اسْمُكَ ,وَتَعَالَى جَدُّكَ ,وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ " رَوَاهُ مُسْلِمٌ بِسَنَدٍ مُنْقَطِعٍ ,وَالدَّارَقُطْنِيُّ مَوْصُولاً وَهُوَ مَوْقُوفٌ .

مسلم، كتاب الصلاة، باب حجة من قال لا يجهر بالبسملة: ۵۲ /۳۹۹، الدارقطنی: ۱/۲۹۹، ۳۰۰، الحاكم: ۱/۳۶۱، البيهقی: ۲/۳۴، التنقيح: ۲/۹۰۷

تنبیہ: بلوغ المرام کے ایک نسخہ میں اس روایت کے آخر میں رواہ الدارقطنی موقوفا بھی لکھا ہے یعنی دارقطنی نے اس روایت کو موصول اور موقوف ہر دو طریق سے نقل کیا ہے۔ جبکہ دوسرے نسخہ میں رواہ الدارقطنی موصولاً وھو موقوف، یعنی دارقطنی نے اس کو موصولاً بیان کیا ہے حالانکہ صحیح یہی ہے کہ یہ روایت موقوف ہے۔

۲۶۹: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ (آغاز نماز میں) پڑھا کرتے تھے: "اے اللہ! تو پاک ہے ہمہ قسم کی ستائش تیرے لیے، تیرا نام بابرکت ہے، تیری شان بلند ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔" مسلم نے اسے منقطع سند سے اور دارقطنی نے موصولا نقل کیا ہے، جبکہ یہ روایت موقوف ہے۔

لغوی تحقیق: جدک: تیری کبریائی/عظمت وشان۔

تشریح: امام مسلم نے اس روایت کو عبدۃ عن عمر نقل کیا ہے، مؤلف ؒ نے اس طریق کو منقطع قرار دیا ہے۔ اس روایت کے منقطع ہونے کی علت بیان کرتے ہوئے حافظ ابن عبدالھادی التنقیح میں فرماتے ہیں کہ اس سند میں مذکور عبدۃ سے مراد عبدۃ بن لبابۃ ہے، اس کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں۔

راقم کے نزدیک یہ روایت اس طریق سے تو یقیناً ضعیف ہے البتہ ایک دوسرے طریق کی وجہ سے حسن لغیرہ ہے، امام دارقطنی نے ایک دوسرے طریق سے اس روایت کو موصولاً مرفوع نقل کیا ہے، لیکن یہ طریق عبداللہ بن شبیب کے ضعیف، عبدالرحمٰن بن عمر کے غیر معروف اور اسحاق بن محمد کے تلقین قبول کرنے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ امام دارقطنی نے اس روایت کو یحییٰ بن ایوب کے طریق سے موقوف نقل کیا ہے، علامہ ناصر الدین البانی نے اس موقوف طریق کو الاِرواء میں صحیح قرار دیا ہے۔

امام دارقطنی، امام حاکم اور امام بیہقی نے اس روایت کو ابو معاویہ کے طریق سے ایک دوسری سند سے بھی نقل کیا ہے، لیکن وہ طریق اعمش اور ابراہیم نخعی کے عنعنعہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ یہ روایت اگر چہ موقوف ہے لیکن حکماً مرفوع ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے محتاط صحابی اپنی مرضی سے اس دعا سے نماز کا آغاز نہیں کر سکتے تھے۔

۲۷۰: وَنَحْوُهُ عَنْ أَبِى سَعِيدٍ مَرْفُوعًا عِنْدَ اَلْخَمْسَةِ وَفِيهِ وَكَانَ يَقُولُ بَعْدَ اَلتَّكْبِيرِ "أَعُوذُ بِاللَّهِ اَلسَّمِيعِ اَلْعَلِيمِ مِنَ اَلشَّيْطَانِ اَلرَّجِيمِ ,مِنْ هَمْزِهِ ,وَنَفْخِهِ ,وَنَفْثِهِ "

ابو داود، کتاب الصلاۃ، باب من رای الاستفتاح بسبحانک: ۷۷۵، الترمذی: ۲۴۲، النسائی: ۱۳۲/۲، ابن ماجۃ: ۸۰۴، احمد: ۵۰/۳

۲۷۰: ابوداود، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور احمد نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو مذکورہ الفاظ سے نقل کیا ہے اور ان میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ تکبیر تحریمہ کے بعد یہ دعا پڑھا کرتے تھے: "میں اللہ سمیع وعلیم کی پناہ کا طالب ہوں شیطان مردود اور اس کے وسوسوں سے، اس کے پھونکنے سے، اس کے غرور اور اس کی شاعری سے۔"

لغوی تحقیق: **نحوہ:** حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کی طرح۔ **الرجیم:** یہ فعیل کے وزن پر ہے اور فعیل بمعنی مفعول ہے یعنی دھتکارہ ہوا۔ **همزه:** جنون۔ **نفخه:** شاعری یعنی وہ خیالات جو شیطان انسان کے دماغ میں اشعار کی صورت میں ڈالتا ہے۔

تشریح: شیطان انسان کا ازلی وابدی دشمن ہے، وہ انسان کا گھر سے مسجد تک اور وضو سے سلام تک پیچھا کرتا ہے، اس نے اپنی اس مذموم کوشش کا اظہار اس طرح کیا تھا کہ میں صراط مستقیم پر بیٹھوں گا اور اس پر چلنے والوں کو آگے پیچھے اور دائیں بائیں سے گمراہ کرنے کی کوشش کروں گا، یہ عیار چھپ کر اور خون کی رگوں میں گھس کر ایسا وار کرتا ہے کہ عاملین کے اعمال کو تہہ وتیغ کر دیتا ہے، اس عیار کے خطرناک حملوں سے انسان فقط اسی صورت میں محفوظ رہ سکتا ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کی پناہ کے مضبوط حصار میں آجائے۔ یہ دعا انسان کو محفوظ انحصار کی فراہمی میں مدد دیتی ہے۔ یہ روایت اگر چہ مرفوع مروی ہے مگر اس روایت کا مرفوع ہونا محل نظر ہے۔

فقہی احکام: (۱) شیطان لعین کے حملوں سے محفوظ رہنے کیلئے اللہ سے اس کی پناہ طلب کرنی چاہیے۔

(۲) حتی الوسع شعروشاعری سے گریز کرنا چاہیے۔

۲۷۱: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اَللَّهِ ﷺ يَسْتَفْتِحُ اَلصَّلَاةَ بِالتَّكْبِيرِ ,وَالْقِرَاءَةَ بِ﴿اَلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ اَلْعَالَمِينَ﴾ وَكَانَ إِذَا رَكَعَ لَمْ يُشْخِصْ رَأْسَهُ ,وَلَمْ يُصَوِّبْهُ ,وَلَكِنْ بَيْنَ ذَلِكَ وَكَانَ إِذَا رَفَعَ مِنَ اَلرُّكُوعِ لَمْ يَسْجُدْ

حَتَّـى يَسْتَوِىَ قَائِمًا وَإِذَا رَفَعَ مِنَ اَلسُّجُودِ لَمْ يَسْجُدْ حَتَّى يَسْتَوِيَ جَالِسًا وَكَانَ يَقُولُ فِي كُلِّ رَكْعَتَيْنِ اَلتَّحِيَّةَ وَكَانَ يَفْـرِشُ رِجْـلَهُ اَلْيُسْرَى وَيَنْصِبُ اَلْيُمْنَى وَكَانَ يَنْهَى عَنْ عُقْبَةِ اَلشَّيْطَانِ ,وَيَـنْهَى أَنْ يَفْتَرِشَ اَلرَّجُلُ ذِرَاعَيْهِ اِفْتِرَاشَ اَلسَّبُعِ وَكَانَ يَخْتِمُ اَلصَّلَاةَ بِالتَّسْلِيمِ .أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ ,وَلَهُ عِلَّةٌ .

مسلم، کتاب الصلاة، باب ما یجمع صفة الصلاة ، وما یفتتح به و یختم به: ۴۹۸، ابوداود: ۷۸۳، ابن ماجة: ۸۶۹، ابن حبان: ۱۷۶۸، ابن ابی شیبة: ۲۲۹/۱، احمد: ۱۷۱/۶

۱۷۱: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز کا آغاز تکبیر اور الحمد لله رب العالمین کی قرأت سے کرتے تھے۔ اور جب رکوع فرماتے تو اپنے سر کو اونچا فرماتے نہ نیچا، بلکہ اس کے درمیان میں رکھتے، اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو اس وقت تک سجدہ نہ فرماتے جب تک سیدھے کھڑے نہ ہو جاتے، اور جب سجدہ اولیٰ سے سر اٹھاتے تو دوسرا سجدہ اس وقت تک نہ کرتے جب تک اچھی طرح سیدھے ہو کر نہ بیٹھ جاتے، اور ہر دو رکعات کے بعد تشہد پڑھتے، اپنے بائیں پاؤں کو بچھا لیتے اور دائیں کو کھڑا کر لیتے اور شیطان کی چوکڑی سے منع فرماتے، درندوں کی طرح بازو بچھا کر بیٹھنے سے بھی منع فرماتے، اور نماز کا اختتام سلام پر فرماتے۔ (مسلم) اس کی سند معلول ہے۔

لغوی تحقیق: لم يشخص: یاء مضموم، شین مفتوح اور خاء مشدد مکسور، اونچا نہیں کیا کرتے تھے۔ لم يصوب: یاء مضموم، صاد مفتوح اور واؤ مشدد مکسور، نیچا نہیں کرتے تھے۔ التحية: تشہد پڑھنا۔ عقبة: عین مضموم، قاف ساکن، سرین کو زمین پر اور گھٹنوں کو سیدھا کھڑا رکھنا جبکہ ہاتھوں کو زمین پر ٹیک دینا، کتے عموماً اسی طرح بیٹھتے ہیں۔

تشریح: اس روایت میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ رکوع میں سر اور پشت کی سطح برابر ہونی چاہیے، سیدھا کھڑے ہوئے بغیر سجدہ نہیں کرنا چاہیے، دونوں سجدہ کے درمیان سیدھا بیٹھنا چاہیے، سجدہ کرتے وقت سرین کا بوجھ پنڈلیوں پر نہیں ڈالنا بلکہ سرین کو اونچا رکھنا ہے اور بیٹھتے وقت کتے کی طرح نہیں بیٹھنا۔ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی سند کو معلول قرار دیا ہے، اس کے معلول ہونے کی علت یہ ہے کہ اس روایت کو ابوالجوزاء نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے براہ راست نقل کیا ہے حالانکہ ابوالجوزاء نے یہ روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نہیں سنی کیونکہ خود ان کا بیان ہے کہ میں نے ایک شخص کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس یہ روایت معلوم کرنے کیلئے بھیجا تھا۔ لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ ابوالجوزاء نے بعد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے براہ راست دریافت کر لیا ہو، کیونکہ لقاء کا امکان موجود ہے۔

فقہی احکام: (۱) نماز کا آغاز اللہ اکبر سے ہو اور اختتام السلام علیکم ورحمۃ اللہ پر ہو۔ (۲) ان کی جگہ مترادف الفاظ کا استعمال درست نہیں۔

۲۷۲: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰـهِ ﷺ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ إِذَا افْتَتَحَ اَلصَّلَاةَ ,وَإِذَا كَبَّرَ لِلرُّكُوعِ , وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ اَلرُّكُوعِ .مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

البخاری، کتاب الآذان، باب رفع الیدین فی التکبیرة الاولیٰ مع الافتتاح سواء: ۷۳۵، مسلم: ۳۹۰، ابوداود: ۷۴۱، الترمذی: ۲۵۵، النسائی: ۱۲۲/۲، ابن ماجة: ۸۵۸، ۸۵۹، ابن خزیمة: ۴۵۶، ۶۹۳، صحیح ابن حبان: ۱۸۶۱، ۱۸۶۴، ۱۸۶۸، ۱۸۶۹، مسند شافعی: ۷۱/۱، الدارمی: ۲۸۵/۱، عبدالرزاق: ۲۵۱۸، البیهقی: ۶۲/۲، الطحاوی: ۲۲۳/۱، المنتقی لابن جارود: ۱۷۸، احمد: ۳۱۸/۴، المؤطا: ۷۵/۱

۲۷۲: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ جب نماز کا آغاز فرماتے اور جب رکوع کیلئے اللہ اکبر کہتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر تک اٹھاتے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ عندالرکوع رفع الیدین کرنا سنت ہے اور اس سنت کا شمار رحمت عالم ﷺ کی ان محبوب سنتوں میں ہوتا ہے جن کا ترک حیات مقدسہ میں ایک بار بھی ثابت نہیں۔ نیز یہ وہ سنت ہے جو صغار صحابہ (عبداللہ بن عمر، انس، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم) کبار صحابہ (حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت علی رضی اللہ عنہم) سے ثابت ہے۔ السابقون الاولون سے بھی ثابت ہے، ہجرت نبوی کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہونے والے اور فتح مکہ کے بعد مسلمان ہونے والے صحابہ سے بھی ثابت ہے۔ عندالرکوع رفع الیدین ہر دور اور ہر عمر کے صحابہ سے، مہاجرین اور انصار صحابہ سے بھی ثابت ہے، موسم سرما میں بھی اور موسم گرما میں بھی ثابت ہے۔

آج تک احادیث کی جتنی بھی کتب تالیف کی گئی ہیں یا ان کی شروعات لکھی گئی ہیں، عندالرکوع رفع الیدین کی حدیث ان تمام کتابوں کی زینت ہے، قائلین تو قائلین منکرین بھی اس حدیث کو لکھے بغیر اپنی کتاب مکمل نہیں کر پائے۔

فقہی احکام: رفع الیدین کندھوں کے برابر بھی کی جاسکتی ہے اور کانوں کے برابر تک بھی، دونوں طریقے مسنون ہیں۔

۲۷۳: وَفِي حَدِيثِ أَبِي حُمَيْدٍ ,عِنْدَ أَبِي دَاوُدَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ ,ثُمَّ يُكَبِّرَ .

ابوداود: کتاب الصلاۃ، باب افتتاح الصلوۃ: ۷۳۰

۲۷۳: ابوداؤد میں حضرت ابوحمید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ پہلے اپنے دونوں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر تک اٹھاتے، پھر اللہ اکبر کہتے۔

تشریح: یہ وہی حدیث ہے جو حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے دس صحابہ کی موجودگی میں بیان کی تھی، پھر اس پر عمل کر کے دکھایا تھا اور ان سب صحابہ نے بالاتفاق اس پر مہر تصدیق ثبت کی تھی۔

۲۷۴: وَلِمُسْلِمٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ رضی اللہ عنہ نَحْوَ حَدِيثِ ابْنِ عُمَرَ ,وَلَكِنْ قَالَ حَتَّى يُحَاذِيَ بِهِمَا فُرُوعَ أُذُنَيْهِ .

صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ: باب استحباب رفع الیدین حذو المنکبین: ۳۹۱/۲۴، ابن خزیمۃ: ۱۵۱۰، البیہقی: ۷۱/۲، ابن حبان: ۱۸۷۳، ابوداود: ۷۴۵، النسائی: ۱۲۲/۲، ابوعوانۃ: ۹۴/۲، الدارمی: ۱۲۵۴، احمد: ۵۳/۵

تنبیہ: نسائی میں و اذا راسہ من السجود فعل مثل ذالک بھی ہے، یہ روایت شعبہ عن قتادہ اور سعید عن قتادہ کی طریق سے مروی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں روایات سعید عن قتادہ کے طریق سے ہیں، لیکن عرصہ دراز پہلے کسی نساخ سے تسامح ہوا اور اس نے سعید کو شعبہ لکھ دیا۔ واضح رہے کہ سعید عن قتادہ کا طریق غیر صحیحین میں ضعیف ہے

۲۷۴: مسلم میں حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث کی طرح ہیں، لیکن مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ "آپ ﷺ نے رفع الیدین کانوں کے اطراف کے برابر تک فرمائی۔"

تشریح: حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ اپنے ہم عمر چند نوجوان ساتھیوں کے ساتھ بیس دن تک رحمت عالم ﷺ کے زیر تربیت رہے، انہوں نے اس دوران آپ ﷺ سے بہت کچھ سیکھنے کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کے طریقہ نماز کا بھی قریب سے مشاہدہ کیا، اور جی بھر کر آگے بیان فرمایا، کیونکہ رحمت عالم ﷺ نے تلمیذان رشید کے اس قافلے کو الوداع کرتے وقت یہ فرمایا تھا کہ واپس جا کر اپنے وطن والوں کو طریقہ نماز سکھانا اور خود بھی اس طرح نماز پڑھتے رہنا، جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، اس سے یہ ثابت ہوا کہ عندالرکوع رفع الیدین کرنے کے بارے میں یہ حدیث قولی بھی اور عملی بھی۔ (فللہ الحمد) نیز مسند دارمی میں لفظ فروع نہیں ہے

۲۷۵: وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى يَدِهِ الْيُسْرَى عَلَى صَدْرِهِ .أَخْرَجَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ .

ابن خزيمة: كتاب الصلاة ، باب وضع اليمين على الشمال في الصلاة قبل افتتاح القرأء: ٤٧٩، البيهقي: ٢ /٧ ٣١، ٣١٨، مسند احمد: ٨/٢٢٥ (٢٢٠٢٦)، التحقيق لابن جوزى: ١/٣٣٨، شرح سفر السعادة: ٤٤

۲۷۵: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی ،آپ ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ کرانہیں اپنے سینہ انور پر رکھ لیا۔اسے ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔

تشریح: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کا شماران صحابہ میں ہوتا ہے جو عہد زریں کے آخری سالوں میں مسلمان ہوئے ،انہوں نے آپ ﷺ کی خدمت میں گرمی وسردی کے دن گزارے اور آپ ﷺ کے طریقہ نماز کا مشاہدہ نہایت قریب سے کیا، انہوں نے رحمت عالم ﷺ کو حالت قیام میں سینہ پر ہاتھ رکھے دیکھا۔اس روایت کے ایک راوی مؤمل بن اسماعیل پر اگر چہ ان کے حافظہ کی وجہ سے کلام ہے ،وہ چونکہ حدیث کے بہت بڑے ذخیرہ کے حافظ ہیں، ظاہر ہے کہ جس شخص کے حافظہ میں جس قدر زیادہ ذخیرہ ہوگا،اس سے یقیناً خطا کا صدور بھی اسی تناسب سے ہوگا۔سینہ پر ہاتھ باندھنے کی حدیث صرف حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ ہی سے منقول نہیں بلکہ ھلب بن یزید طائی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔مقام وضع کے بارے میں جتنی احادیث مروی ہیں ان میں سب سے زیادہ صحیح حدیث ھلب بن یزید طائی کی ہے، جیسے امام احمد اور ابن جوزی نے اپنی سند سے نقل کیا ہے۔

ہاتھ چھوڑ کر یا ناف کے نیچے باندھ کر نماز پڑھنا کسی بھی صحیح یا حسن ،موقوف یا مرفوع روایت سے ثابت نہیں۔اس لئے نماز میں ہاتھ باندھنا اور وہ بھی سینے پر، یہی راجح مسلک ہے۔مالکیوں کا ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنا ،امام مالک کی اپنی محبوب ترین تالیف مؤطا کے خلاف ہے۔مزید تفصیل کیلئے راقم کی کتاب "نماز میں ہاتھ کہاں باندھیں" کا مطالعہ فرمائیں۔

۲۷۶: وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ اَلصَّامِتِ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اَللَّهِ ﷺ " لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِأُمِّ اَلْقُرْآنِ " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ ,لِابْنِ حِبَّانَ وَاَلدَّارَقُطْنِيِّ " لَا تَجْزِى صَلَاةٌ لَا يُقْرَأُ فِيهَا بِفَاتِحَةِ اَلْكِتَابِ "

البخاري كتاب الآذان، باب وجوب القرأة للامام و المأموم في الصلوٰت كلها: ٧٥٦، صحيح مسلم: ٣٩٤، ابوداود: ٨٢٢، الترمذي: ٢٤٧، النسائي: ٢/٧ ١٣، احمد: ٥ /٣٢١، ابن خزيمة: ١ /٢٥٨، عبد الرزاق: ٢/ ٩٣، ابن حبان: ١٧٨٢ ـ ١٧٨٦، الدارقطني: ١/ ٣٢١

تنبیہ: بلوغ المرام کے بعض نسخوں میں بفاتحہ الکتاب ہے اور بعض میں بام القرآن ہے، دونوں طرح کے الفاظ حدیث عبادۃ میں موجود ہیں۔

۲۷۶: حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"اس شخص کی نماز نہیں جس نے نماز میں سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی۔"(بخاری ومسلم)ابن حبان اور دارقطنی میں مروی ہے"وہ نماز ناکافی ہے جس میں سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی گئی۔"

لغوی تحقیق: لاصلوۃ:کوئی نماز نہیں۔لاتجزی: ناکافی ہے۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث کے الفاظ اس حقیقت کے عکاس ہیں کہ جس طرح دیگر ارکان کی ادائیگی امام،مقتدی اور منفرد پر لازم ہے اسی طرح سورۃ فاتحہ کا پڑھنا بھی رکن نماز ہے اور یہ امام،مقتدی اور منفرد پر لازم ہے۔جس طرح دیگر ارکان کے عمداً ترک پر نماز ناقابل قبول ہے اسی طرح سورۃ فاتحہ کے ترک پر بھی نماز ناقابل قبول ہے،لہذا سورۃ الفاتحہ کا ہر نماز کی ہر رکعت میں پڑھنا لازم ہے۔زیر مطالعہ حدیث میں مذکور "لا" کو نفی کمال قرار دینا کسی طرح بھی درست نہیں۔اگر بفرض محال یہ تسلیم بھی کر لیں کہ مذکورہ حدیث میں مذکور "لا" نفی کمال کیلئے ہے تو بھی فاتحہ کا ترک کوئی عقلمندی نہیں، کیونکہ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ نماز مکمل نہیں ہوتی۔

غور فرمائیں! اگر قیامت کے روز اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ دیا کہ تمہاری نمازیں نامکمل ہیں، تو ہمارے لئے ٹھہرنے کا مقام کہاں ہوگا؟

حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ جو اس حدیث کے راوی ہیں، وہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھا کرتے تھے۔ پھر بیہقی میں مروی روایت میں یہ بھی صراحت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میرے پیچھے سورۃ فاتحہ کے علاوہ قرأت نہ کیا کرو، کیونکہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔"

فقہی احکام: (۱) سورۃ فاتحہ نماز کا رکن ہے۔ (۲) ترک رکن پر نماز نہیں ہوتی۔

(۳) امام، مقتدی اور منفرد میں سے ہر ایک کیلئے سورۃ فاتحہ پڑھنا لازم ہے۔

۲۷۷: وَفِي أُخْرَى ,لِأَحْمَدَ وَأَبِي دَاوُدَ ,وَالتِّرْمِذِيِّ ,وَابْنِ حِبَّانَ "لَعَلَّكُمْ تَقْرَئُونَ خَلْفَ إِمَامِكُمْ؟" قُلْنَا نَعَمْ قَالَ "لَا تَفْعَلُوا إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ ,فَإِنَّهُ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِهَا"

ابو داود: كتاب الصلاة، باب من ترك القرأة فى صلاته، ۸۲۳، احمد: ۳۱۶/۵، ۴۱۰، الترمذى: ۳۱۱، الدارقطنى: ۳۱۸/۱، ۳۱۹، البيهقى: ۱۶۴/۲ (۲۹۹۲)، مسلم: ۳۹۶: جزء القرأة: ۱۵، كتاب القرأء: ۳۶، الحاكم: ۲۳۸/۱، ابن حبان: ۱۷۹۲

۲۷۷: ایک دوسری حدیث جو کہ مسند احمد، ابوداؤد، ترمذی اور ابن حبان میں ہے، اس میں ہے کہ "شاید تم امام کے پیچھے قرأۃ کرتے ہو؟" ہم (صحابہ) نے کہا ضرور، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "فقط فاتحہ پڑھا کرو کیونکہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔"

تشریح: زیر مطالعہ حدیث میں صراحتاً مذکور ہے کہ مقتدی کو امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنی چاہیے کیونکہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی، یہ روایت ہر قسم کے غبار سے پاک ہے، تاہم بعض احباب نے چند غیر مؤثر علل کو نہایت مؤثر بنانے کی کوشش کی ہے تا کہ اپنے امام کے موقف کو برتر ثابت کیا جائے۔ وہ علل اور ان کا جواب درج ذیل ہے۔

(۱) محمد بن اسحاق مدلس ہے اور روایت معنعن ہے۔

(الف) بلاشبہ محمد بن اسحاق مدلس ہے، لیکن روایت معنعن نہیں کیونکہ بیہقی میں ابراہیم بن سعد سے مروی حدیث میں سماع کی صراحت موجود ہے، لہٰذا تدلیس کی علت غیر مؤثر ہے۔ (ب) اس روایت کو بیان کرنے میں محمد بن اسحاق منفرد نہیں کیونکہ زید بن واقد نے ان کی متابعت کی ہے۔

(۲) اس روایت کی سند میں مکحول شامی ہے۔

مکحول اس حدیث کو نافع بن محمود سے بیان کرنے میں منفرد نہیں کیونکہ حرام بن حکیم نے ان کی متابعت کی ہے، لہٰذا یہ علت بھی غیر مؤثر ہے نیز اس حدیث کو متعدد نامور ماہرین فن نے صحیح یا حسن قرار دیا ہے، جن میں سے چند ایک نام درج ذیل ہیں۔ ابوداؤد، ترمذی، دارقطنی، حاکم، ابن حبان اور بیہقی وغیرہ۔

فاتحہ خلف الامام کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، حضرت ابو ہریرہ، حضرت انس بن مالک اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث وآثار منقول ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں یہ صراحت ہے کہ انہوں نے اپنے شاگرد کو امام کے پیچھے آہستہ پڑھنے کی ہدایت فرمائی تھی۔ یہ روایت بھی ہر قسم کے غبار سے پاک ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث کو امام بخاری نے جزء القراءۃ اور امام بیہقی نے کتاب القرأۃ میں درج کیا ہے، اس میں یہ صراحت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ یہ روایت بھی ہر قسم کے غبار

سے پاک ہے۔ایک صحابی سے مروی حدیث میں ہے کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کی ہدایت کی گئی ہے،اور یہ روایت بھی کم از کم حسن درجہ کی ہے۔

۲۷۸: وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ اَلنَّبِيَّ ﷺ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ رضی اللہ عنہما كَانُوا يَفْتَتِحُونَ اَلصَّلَاةَ بِ﴿اَلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ اَلْعَالَمِينَ﴾ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ زَادَ مُسْلِمٌ ، لَا يَذْكُرُونَ بِسْمِ اَللَّهِ اَلرَّحْمَنِ اَلرَّحِيمِ فِي أَوَّلِ قِرَائَةٍ وَلَا فِي آخِرِهَا . وَفِي رِوَايَةٍ لِأَحْمَدَ, وَالنَّسَائِيِّ وَابْنِ خُزَيْمَةَ . لَا يَجْهَرُونَ بِبِسْمِ اَللَّهِ اَلرَّحْمَنِ اَلرَّحِيمِ . وَفِي أُخْرَى لِابْنِ خُزَيْمَةَ . كَانُوا يُسِرُّونَ وَعَلَى هَذَا يُحْمَلُ اَلنَّفْيُ فِي رِوَايَةِ مُسْلِمٍ ,خِلَافًا لِمَنْ أَعَلَّهَا .

البخاری، کتاب الآذان، باب ما یقول بعد التکبیر: ۷۴۳، مسلم: ۳۹۹، احمد: ۳/ ۱۰۱، النسائی: ۲/ ۱۳۳، ابن خزیمة: ۱/ ۲۴۸ ، ۲۵۰، الترمذی: ۲۴۶، ابوداؤد ۷۸۲، ابن ماجة: ۸۱۳، الدارمی: ۱/ ۲۲۶، الطبرانی: ۱/ ۲۵۵ ، ۲۵۶

۲۷۸: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ ،حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نماز میں قرأت کا آغاز الحمدللہ رب العالمین سے کرتے تھے۔(بخاری ومسلم) مسلم میں یہ اضافہ بھی ہے کہ قرأۃ کے آغاز اور اختتام پر **بسم الله الرحمٰن الرحیم** نہیں پڑھتے تھے۔ احمد،نسائی اور ابن خزیمہ میں ہے کہ **بسم الله الرحمٰن الرحیم** کو بلند آواز سے نہیں پڑھتے تھے۔ابن خزیمہ کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ وہ آہستہ پڑھتے تھے،مسلم میں جو نفی مذکور ہے اسے اسی پر محمول کیا جائے گا، برخلاف ان لوگوں کے جنہوں نے اسے معلول کہا ہے۔

لغوی تحقیق: **یسرون**: آہستہ پڑھتے تھے۔ **علی هذا**: اس وجہ سے۔ **یُحْمَلُ**: محمول کیا جائے گا۔

تشریح: مؤلف رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے مختلف طرق نقل کرکے یہ واضح کیا ہے کہ؛**یفتتحون الصلاة بالحمد لله رب العالمین** ؛کا صحیح مفہوم کیا ہے،یعنی اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ ﷺ اور شیخین سورۃ فاتحہ کا آغاز بسم اللہ سے نہیں فرماتے تھے، وہ سورۃ فاتحہ کا آغاز تو یقیناً؛**بسم الله الرحمن الرحیم** ؛سے فرماتے تھے۔لیکن؛**بسم الله الرحمن الرحیم** ؛کو آہستہ پڑھتے تھے، جیسا کہ ابن خزیمہ کی بیان کردہ حدیث میں صراحت ہے۔

صحیح مسلم کے ایک طریق میں جو؛**بسم الله الرحمن الرحیم** ؛کے نہ پڑھنے کا ذکر ہے،مؤلف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابن خزیمہ سے مروی حدیث کی روشنی میں اس کا مفہوم یہ متعین ہوگا کہ وہ؛**بسم الله الرحمن الرحیم**؛کو آہستہ پڑھ لیتے تھے،لیکن مؤلف رحمہ اللہ نے ابن خزیمہ کی جس حدیث کو بنیاد بنا کر یہ مفہوم متعین کیا ہے وہ حدیث سنداً ضعیف ہے، کیونکہ اس میں سوید بن عبدالعزیز نامی راوی ضعیف اور حسن بصری مدلس ہیں جبکہ روایت معنعن ہے البتہ سوید بن عبدالعزیز اس روایت کے بیان کرنے میں منفرد نہیں کیونکہ معتمر بن سلیمان نے یہ روایت اپنے والد کے واسطے سے بھی حسن بصری سے نقل کی ہے۔

معتمر بن سلیمان ثقہ ہیں، نیز احمد،نسائی اور ابن خزیمہ میں منقول الفاظ؛**لا یجهرون بسم الله الرحمن الرحیم** ؛اس کے شاہد ہیں،اس بیان سے یہ ثابت ہوا کہ آپ ﷺ اور شیخین ؛**بسم الله الرحمن الرحیم**؛نماز میں آہستہ پڑھا کرتے تھے۔

مؤلف رحمہ اللہ فرماتے ہیں،اس توجیہ کی ضرورت اہل علم کے اس گروہ کو ہے جو مسلم کی روایت کو علل سے پاک خیال کرتے ہیں اور جنہوں نے مسلم میں مروی اضافہ کو معلول قرار دیا ہے انہیں کسی قسم کی توجیہ کی ضرورت نہیں کیونکہ یہی وہ الفاظ ہیں جو اشکال پیدا کرتے ہیں کہ آپ ﷺ اور شیخین نماز میں ؛**بسم الله الرحمن الرحیم** ؛نہیں پڑھتے تھے۔اہل علم کے جس گروہ نے اس اضافہ سے مروی طریق کو معلول قرار دیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ اوزاعی نے قتادہ سے یہ الفاظ مکاتبۃً نقل کیے ہیں۔ان کا یہ اعتراض غیر مؤثر ہے کیونکہ اوزاعی

ان الفاظ کے بیان کرنے میں تنہا نہیں۔

اس کے علاوہ حضرت عائشہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی احادیث سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں؛ **بسم الله الرحمن الرحیم**؛ بلند آواز سے نہیں پڑھتے تھے لیکن دونوں روایات ضعیف ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت ابوالجوزاء کی وجہ سے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت ابو عبداللہ الدوسی کی وجہ سے ضعیف ہے۔

فقہی احکام: (۱) فاتحہ جہری نماز میں بلند آواز سے پڑھنی چاہیے۔ (۲) **بسم الله الرحمن الرحیم** کو زیادہ تر آہستہ پڑھنا مسنون ہے۔ (۳) **بسم الله الرحمن الرحیم** سورۃ فاتحہ کی ایک آیت ہے۔

۲۷۹: وَعَنْ نُعَيْمٍ اَلْمُجَمِّرِ رضی اللہ عنہ قَالَ صَلَّيْتُ وَرَاءَ أَبِي هُرَيْرَةَ فَقَرَأَ ﴿بِسْمِ اَللَّهِ اَلرَّحْمَنِ اَلرَّحِيمِ﴾ ثُمَّ قَرَأَ بِأُمِّ اَلْقُرْآنِ, حَتَّى إِذَا بَلَغَ وَلَا اَلضَّالِّينَ قَالَ آمِينَ وَيَقُولُ كُلَّمَا سَجَدَ ,وَإِذَا قَامَ مِنَ اَلْجُلُوسِ ، اَللَّهُ أَكْبَرُ ثُمَّ يَقُولُ إِذَا سَلَّمَ ،وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنِّي لَأَشْبَهُكُمْ صَلَاةً بِرَسُولِ اَللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم .رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَابْنُ خُزَيْمَةَ .

ابن خزیمة، کتاب الصلاة، باب ذکر الدلیل علی ان الجهر بسم الله الرحمٰن الرحیم و المخافة به جمیعاً مباح: ۴۹۹، النسائی: ۱۳۴/۲، البیهقی: ۲ /۵۸، الدارقطنی: ۱/۳۰۵ ، ۳۰۶، الحاکم: ۱ /۳۵۸، ابن حبان: ۱۷۹۷ ، مسند احمد: ۲ /۴۹۷، نصب الرایة: ۳۳۲/۱

۲۷۹: نعیم المجمر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں نماز پڑھی انہوں نے پہلے **بسم الله الرحمٰن الرحیم** پڑھی پھر انہوں نے اُم القرآن کی تلاوت فرمائی اور جب انہوں نے **ولا الضالین** کی تلاوت کی تو آمین کہی، ممدوح جب بھی سجدہ فرماتے اور بیٹھ کر اٹھتے تو **الله اکبر** کہتے، پھر انہوں نے سلام پھیرنے کے بعد فرمایا، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یقیناً میں نماز ادا کرنے میں آپ سب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت مشابہ ہوں۔ (نسائی، ابن خزیمہ)

لغوی تحقیق: **کلما:** جب بھی۔ **الجلوس:** جیم اور لام مضموم، بیٹھنا۔ **و الذی:** واؤ قسمیہ ہے، قسم ہے اس ذات اقدس کی۔ **ید:** ہاتھ، بعض احباب نے اس کا ترجمہ قبضہ قدرت کیا ہے جو سراسر غلط ہے، کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کے اوصاف کے انکار کی بو آتی ہے۔
المجمر: میم اول مضموم، جیم ساکن اور میم ثانی مکسور۔

تشریح: اس روایت کو نسائی، ابن خزیمہ، دارقطنی، حاکم، بیہقی اور طحاوی نے سعید بن ابی ہلال کے طریق سے نقل کیا ہے، امام ابن حزم نے سعید بن ابی ہلال کی وجہ سے اس روایت کو ضعیف کہا ہے، اس کی علت یہ بیان کی جاتی ہے کہ امام ساجی کہتے ہیں کہ امام احمد نے کہا کہ موصوف اختلاط کا شکار ہو گئے تھے۔ مؤلف رحمہ اللہ علیہ نے **ھدی الساری** میں ان کا دفاع کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام ساجی نے جو کچھ لکھا ہے وہ بلا دلیل ہے، کیونکہ امام احمد سے ان کی تضعیف ثابت نہیں۔ اس کے برعکس امام ابن خزیمہ، امام ابن حبان، امام حاکم، امام دارقطنی اور امام بیہقی نے ان کی توثیق کی ہے۔ امام دارقطنی نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد اس کے رواۃ کو ثقہ اور حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ امام حاکم نے اس حدیث کو بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق قرار دیا ہے

کہا جاتا ہے کہ اس روایت میں دوسری علت نعیم کا تفرد ہے۔ یہ علت بھی غیر مؤثر ہے کیونکہ نعیم ثقہ ہے، ثقہ کا تفرد کوئی علت نہیں۔
تیسری علت یہ بیان کی جاتی ہے کہ یہ حدیث عبداللہ بن مغفل سے مروی حدیث کے خلاف ہے کیونکہ اس میں؛ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم؛ کے جہر کو بدعت قرار دیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو امام ترمذی، امام ابن ماجہ اور امام احمد نے روایت کیا ہے،

امام ترمذی نے اس روایت کوحسن قرار دیا ہے۔ واضح رہے کہ امام ترمذی کا اس روایت کوحسن قرار دینا ان کے تساہل کی وجہ سے ہے۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ محدثین نے اسے تسلیم کیا ہے، کیونکہ ابن عبداللہ مبہم ہے۔ امام زیلعی نے امام ترمذی کے موقف کا دفاع کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ابوسفیان السعدی نے ابن عبداللہ کا نام یزید ظاہر کیا ہے، طبرانی کے اس طریق سے ابن عبداللہ کا مبہم ہونا یقیناً رفع ہو جاتا اگر ابوسفیان ثقہ ہوتا، ابوسفیان تو بعض محدثین کے نزدیک سخت مجروح ہے اور بعض نے اس پر ہلکا نقد کیا ہے، تاہم وہ سب کے نزدیک ضعیف ہے، اس لئے اس روایت کو نعیم سے مروی روایت کے مخالف قرار دیکر اسے مسترد کرنا ناانصافی ہے اور یہ کہنا بھی درست نہیں کہ اس حدیث سے ؛بسم الله الرحمن الرحيم؛ بلند آواز سے پڑھنا ثابت نہیں ہوتا۔

فقہی احکام: (۱) **بسم الله الرحمن الرحيم** کو بلند آواز سے بھی پڑھا جاسکتا ہے لیکن آہستہ پڑھنا راجح ہے۔ (۲) سورۃ فاتحہ کے اختتام پر بلند آواز سے آمین کہنا مسنون ہے۔ (۳) **بسم الله الرحمن الرحيم** سورۃ فاتحہ کی آیت ہے۔ (۴) آمین فاتحہ کا حصہ نہیں، فقط دعا ہے۔

۲۸۰: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اَللَّهِ ﷺ " إِذَا قَرَأْتُمْ اَلْفَاتِحَةِ فَاقْرَءُوا ﴿بِسْمِ اَللَّهِ اَلرَّحْمَنِ اَلرَّحِيمِ﴾ فَإِنَّهَا إِحْدَى آيَاتِهَا " رَوَاهُ اَلدَّارَقُطْنِيُّ ,وَصَوَّبَ وَقْفَهُ .

الدارقطني: ۱/۳۱۲، ابن حبان: ۱۷۸۱، مسلم: ۳۹۶، ابوعوانة: ۲/۱۲۵، نصب الراية: ۱/۳۴۳

تنبیہ: مؤلف رحمہ اللہ نے اس روایت کو بالمعنی بیان کیا ہے۔

۲۸۰: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تم فاتحہ کی تلاوت کرو تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی بھی تلاوت کیا کرو، کیونکہ یہ بھی اس کی ایک آیت ہے۔" اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے اور اس کے موقوف ہونے کو درست کہا ہے۔

لغوی تحقیق: صوب: درست قرار دیا ہے

تشریح: اس روایت کو امام دارقطنی نے عبدالحمید بن جعفر کے طریق سے مرفوع بیان کیا ہے، عبدالحمید بن جعفر کو سفیان ثوری نے ضعیف کہا ہے، جبکہ امام احمد اور یحییٰ بن معین نے ثقہ کہا ہے، صائب مؤقف تو یہی ہے کہ عبدالحمید بن جعفر ثقہ ہے، لیکن یہ روایت مرفوعاً درست نہیں کیونکہ عبدالحمید بن جعفر کے شاگرد ابوبکر حنفی کا کہنا ہے کہ عبدالحمید بن جعفر نے نوح کے طریق سے یہ روایت مجھے مرفوع بیان کی، لیکن جب میری نوح سے ملاقات ہوئی تو اس نے مجھے موقوف روایت بیان کی۔

امام زیلعی فرماتے ہیں کہ اسامہ بن زید نے بھی نوح سے یہ روایت موقوف بیان کی ہے لہٰذا اس کا موقوف ہونا ہی درست ہے۔ امام دارقطنی نے بھی اس کے موقوف طریق کو صائب کہا ہے۔ یہ روایت اگرچہ موقوف ہے تاہم حکماً مرفوع ہے، کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔ ؛**فما اسمعنا رسول الله اسمعنا كم وما اخفى علينا اخفيناعنكم**؛ (ابن حبان : ۱۸۵۳) ☆ ہر نماز میں قرأۃ ہے، رسول اللہ ﷺ نے جن نمازوں میں ہمیں سنایا ان میں ہم تمہیں سناتے ہیں اور جن نمازوں میں انہوں نے ہم سے مخفی رکھا ان میں ہم تم سے مخفی رکھتے ہیں۔ یہ حدیث اگرچہ جہری اور سری نمازوں سے متعلق ہے لیکن اس سے یہ ضرور واضح ہوتا ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ نے ؛**بسم الله الرحمن الرحيم** ؛ کو ہمیشہ آہستہ پڑھا ہوتا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی مرضی سے اسے اونچی آواز سے نہ پڑھتے۔ گویا یہ دونوں روایات نعیم مجمر سے مروی مرفوع روایت کو تقویت دیتی ہیں۔

فقہی احکام: **بسم الله الرحمن الرحيم** سورۃ فاتحہ کی ایک مستقل آیت ہے۔

۲۸۱: وَعَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُولُ اَللَّهِ ﷺ إِذَا فَرَغَ مِنْ قِرَائَةِ أُمِّ اَلْقُرْآنِ رَفَعَ صَوْتَهُ وَقَالَ "آمِينَ" رَوَاهُ اَلدَّارَقُطْنِيُّ وَحَسَّنَهُ ,وَالْحَاكِمُ وَصَحَّحَهُ .

الدارقطني: ۱/۳۳۵، الحاكم: ۱/۲۲۳، ابن خزيمة: ۱/۲۸۷، ابن حبان: ۱۸۰۶، البيهقي: ۲۵۰۷ ، ۲۵۰۹، ابو داود: ۹۳۴، ابن ماجة: ۸۵۳

۲۸۱: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سورۃ فاتحہ کی قرأت سے فارغ ہوتے تو بلند آواز میں آمین کہتے۔ اسے دارقطنی نے بیان کیا ہے اور حسن کہا ہے جبکہ امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

لغوی تحقیق: ام القرآن: کسی بھی چیز کی اصل اور بنیاد یا مقدمۃ الجیش کو ام کہتے ہیں، اس ناطے اس کا معنی ہوگا، سورۃ فاتحہ قرآن حکیم کی اصل اور اس کا دیباچہ ہے۔

تشریح: قرأۃ فاتحہ کے اختتام پر آمین کہنا جمہور کے نزدیک مسنون اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک واجب ہے، آمین کے بلند اور آہستہ کہنے کے بارے میں احناف اور جمہور کا اختلاف ہے، جمہور کے نزدیک آمین اونچی آواز سے کہنا مسنون ہے جبکہ احناف کے نزدیک آہستہ کہنا درست ہے۔ جمہور کے دلائل میں سے ایک دلیل زیر مطالعہ حدیث ہے، اس حدیث کو امام دارقطنی نے حسن، امام ابن خزیمہ، امام ابن حبان، امام حاکم اور امام ذہبی نے صحیح، اور علامہ البانی نے ضعیف کہا ہے، جبکہ ابن عبدالهادی نے بھی اس حدیث پر نقد کیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس کی ہم معنی روایت ایک دوسرے طریق سے بھی مروی ہے، یہ طریق بھی بشر بن رافع اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے چچازاد ابوعبداللہ کی وجہ سے ضعیف ہے، تاہم یہ طریق پہلے طریق کو تقویت ضرور دیتا ہے۔ اسی طرح امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا عمل نقل کیا ہے کہ وہ لمبی آواز سے آمین کہتے تھے۔

فقہی احکام: (۱) آمین سورۃ فاتحہ کے ساتھ ملا کر نہیں، بلکہ ولا الضالین کے پڑھنے کے بعد خاموش ہو کر پھر کہنی چاہیے۔
(۲) آمین امام اور مقتدیوں کو اونچی آواز سے کہنی چاہیے۔

۲۸۲: وَلِأَبِي دَاوُدَ وَاَلتِّرْمِذِيِّ مِنْ حَدِيثِ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ نَحْوُهُ.

ابو داود، كتاب الصلاة، باب التامين وراء الامام: ۹۳۲، الترمذي، ابواب الصلاة، باب ما جاء في التامين: ۲۴۸ ، ۲۴۹، احمد: ۳۱۶/۴، ابن ابي شيبة: ۳۲۲/۲، الدارمي: ۲۲۸/۱، البيهقي: ۲۴۹۸ ، ۲۵۰۲، بيان الوهم والايهام: ۳۷۴/۳، العلل الكبير للترمذي: ۲۱۷/۱ ، ۲۱۸، الدارقطني: ۳۳۴/۱، التلخيص: ۲۳۷/۱

۲۸۲: ابوداؤد اور ترمذی میں حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

تشریح: اس روایت کا مرکزی راوی سلمہ بن کہیل ہیں، سلمہ سے یہ روایت سفیان ثوری، شعبہ، محمد بن سلمہ اور العلاء بن صالح نقل کرتے ہیں، سفیان ثوری اور شعبہ معاصر ہونے کے ساتھ ساتھ علم حدیث کے دو روشن مینار بھی ہیں، یہ دونوں اگر کسی چیز کے بیان کرنے میں ایک دوسرے کی متابعت کریں تو ان کی بیان کردہ وہ حدیث بلا ریب صحیح ہوتی ہے، لیکن یہاں سوء اتفاق دونوں ایک دوسرے سے سند اور متن میں اختلاف رکھتے ہیں۔

امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام احمد، امام دارمی، امام دارقطنی اور امام بیہقی نے یہ حدیث سفیان ثوری کے طریق سے نقل کی ہے، اس طریق سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ؛غير المغضوب عليهم ولا الضالين ؛ کہنے کے بعد آمین لمبی آواز سے کہی،

امام احمد، امام دارقطنی، امام حاکم، امام بیہقی اور امام طبرانی نے یہ حدیث شعبہ کے طریق سے نقل کی ہے، اس طریق سے مروی روایت میں ہے کہ آپ نے ؛غیر المغضوب علیھم و لا الضالین؛ کہنے کے بعد آمین پست آواز سے کہی۔

سفیان ثوری اور شعبہ نے اس روایت کے نقل کرنے میں ایک دوسرے سے تین مقامات پر اختلاف کیا ہے، ایک اختلاف تو متن کا ہے جو اوپر ذکر کر دیا گیا ہے، دو اختلاف سند کے ہیں۔(۱) سفیان ثوری، سلمہ بن کہیل کے شیخ کا نام حجر بن عنبس نقل کرتے ہیں اور شعبہ حجر ابو العنبس کہتے ہیں۔(۲) سفیان حجر اور وائل کے درمیان کوئی واسطہ نقل نہیں کرتے، جبکہ شعبہ ان دونوں کے درمیان علقمہ کا واسطہ نقل کرتے ہیں۔

امام ابن قطان سند اور متن کے اس اختلاف اور حجر بن عنبس کو مجہول الحال کہہ کر اس روایت کے دونوں طرق کو ضعیف کہتے ہیں، جبکہ دیگر ماہرین فن نے نہایت عرق ریزی سے اس اضطراب کو حل کر کے سفیان ثوری سے مروی طریق کو راجح قرار دیا ہے۔ سفیان ثوری کی روایت کے راجح ہونے کے اسباب درج ذیل ہیں۔

(۱) علاء بن صالح اور محمد بن سلمہ نے سفیان ثوری کی متابعت کی ہے۔(۲) عبد الجبار بن وائل نے اپنے باپ سے ؛مدبھا صوتہ ؛ کے الفاظ نقل کیے ہیں (یہ روایت ضعیف ہے)(۳) ابو الولید الطیالسی نے شعبہ سے ؛رافعا بھا صوتہ ؛ کے الفاظ نقل کئے ہیں یعنی خود شعبہ نے سفیان ثوری کی متابعت کی ہے۔

فقہی احکام: امام کو بھی آمین اونچی آواز سے کہنی چاہیے۔

۲۸۳: وَعَنْ عَبْدِ اَللَّهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى ﷛ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى اَلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ إِنِّي لَا أَسْتَطِيعُ أَنْ آخُذَ مِنْ اَلْقُرْآنِ شَيْئًا, فَعَلِّمْنِي مَا يُجْزِئُنِيْ مِنْهُ فَقَالَ قل "سُبْحَانَ اَللَّهِ ,وَالْحَمْدُ لِلَّهِ ,وَلَا إِلَهَ إِلَّا اَللَّهُ وَاَللَّهُ أَكْبَرُ ,وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاَللَّهِ اَلْعَلِيِّ اَلْعَظِيمِ " اَلْحَدِيثَ .رَوَاهُ أَحْمَدُ ,وَأَبُو دَاوُدَ ,وَالنَّسَائِيُّ ,وَصَحَّحَهُ اِبْنُ حِبَّانَ ,وَاَلدَّارَقُطْنِيُّ ,وَالْحَاكِمُ .

مسند احمد: ۳۵۳/۴، ابوداود، کتاب الصلاۃ، باب ما یجزئ الامیّ والاعجمی من القرأۃ: ۸۳۲، الحاکم: ۲۴۱/۱، ابن حبان: ۱۸۰۸، ۱۸۰۹، ابن خزیمۃ: ۲۷۳/۱، الدارقطنی: ۳۱۴/۱، البیھقی: ۳۸۱/۲، قدوری، باب صفۃ الصلاۃ

۲۸۳: حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ ﷛ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ میں قرآن حکیم میں سے کچھ بھی یاد نہیں رکھ سکتا، آپ ﷺ مجھے ایسی چیز سکھا دیں جو میرے لیے اس کا بدل بن جائے، آپ ﷺ نے فرمایا: " کہو سبحان اللہ (اللہ پاک ہے) و الحمد للہ (تمام تعریفیں اللہ ہی کیلئے ہیں) و لا الہ الا اللہ (اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں) و اللہ اکبر (اور اللہ سب سے بڑا ہے) و لا حول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم (نہیں ہے پھرنے کا حیلہ اور نہ قدرت، مگر اللہ ہی کی توفیق کے ساتھ، جو بلند اور عظمت والا ہے)۔" مختصراً۔ اسے احمد، ابوداؤد اور نسائی نے بیان کیا ہے، ابن حبان، دارقطنی اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔

لغوی تحقیق: یجزئنی: علامت مضارع مضموم، میرے لیے کافی ہو جائے۔ منہ: قرآن حکیم کے بدلے کے طور پر۔

تشریح: اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ نماز میں قرأۃ فرض ہے، جیسا کہ صاحب قدوری نے لکھا ہے کہ ؛فرائض الصلاۃ ستۃ، التحریمۃ و القیام و القرأۃ و الرکع و السجود و القعدۃ الاخیرۃ مقدار التشھد ؛ یعنی نماز کے چھ فرائض ہیں۔ تحریمہ، قیام، قرأۃ، رکوع، سجدہ اور آخری قعدہ تشہد پڑھنے کی مقدار کے برابر۔ جبکہ جمہور علما کے نزدیک سورۃ فاتحہ بھی فرض ہے، زیر مطالعہ حدیث میں

ایسے شخص کو جسے قرآن حکیم کا کوئی بھی حصہ یاد نہیں، قرآن حکیم کی جگہ مذکورہ الفاظ پڑھنے کی رخصت دی گئی ہے، اس کیلئے مذکورہ الفاظ فاتحہ اور قراۃ کے قائم مقام ہونگے، اس طرح عدم قراۃ کے باوجود اس کا یہ فرض ادا ہو جائے گا اور اس کی نماز مکمل ہو جائے گی، اس حدیث کو بنیاد بنا کر اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ سورۃ فاتحہ نماز میں فرض نہیں، تو اس بھائی سے یہ کہا جائے کہ اس حدیث سے تو اس طرح یہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ قراۃ بھی نماز میں فرض نہیں، کیونکہ اس مذکورہ شخص کو صرف فاتحہ نہ پڑھنے کی رخصت نہیں دی گئی بلکہ مطلق قراۃ نہ کرنے کی رخصت بھی دی گئی ہے، جبکہ ان کے نزدیک قراۃ فرض ہے۔ کسی معقول عذر کی بنا کسی معذور شخص کو رخصت ملنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ فرض دوسروں سے بھی ساقط ہو گیا ہے۔

فقہی احکام: (۱) معذور حضرات کو ان کا جائز حق ملنا چاہیے۔ (۲) رخصت کو عام قانون کا درجہ حاصل نہیں ہوتا۔

۲۸۴: وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُصَلِّي بِنَا ,فَيَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُورَتَيْنِ ,وَيُسْمِعُنَا الْآيَةَ أَحْيَانًا , وَيُطَوِّلُ الرَّكْعَةَ الْأُولَى ,وَيَقْرَأُ فِي الْأُخْرَيَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

البخاری، کتاب الآذان، باب یقرأ فی الاخریین بفاتحۃ الکتاب: ۷۷۶، مسلم: ۴۵۱، ابوداود: ۷۹۸، النسائی: ۱۶۶/۲، احمد: ۲۹۵/۵، الدارمی: ۲۳۸/۱، ابن خزیمۃ: ۲۵۴/۱، البیہقی: ۵۹/۲ (۲۵۳۲)

۲۸۴: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں نماز پڑھاتے تھے اور آپ ﷺ ظہر اور عصر کہ پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ اور دو سورتیں تلاوت فرماتے تھے، اور کبھی کبھی ہمیں ایک آدھ آیت سنا بھی دیا کرتے تھے، آپ ﷺ پہلی رکعت لمبی کرتے اور دوسری دونوں رکعتوں میں فقط فاتحہ الکتاب تلاوت فرماتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تحقیق: فاتحۃ الکتاب: اس سورت کے متعدد ناموں میں سے ایک نام فاتحۃ الکتاب یعنی قرآن حکیم کا دیباچہ ہے۔ **یسمعنا:** علامت مضارع مضموم، سین ساکن، میم مکسور، باب افعال ہونے کی وجہ سے متعدی ہے یعنی ہمیں سنا دیتے تھے۔ احیانا: حین کی جمع ہے، یعنی بسا اوقات۔

فقہی احکام: (۱) ظہر کی نماز سری ہے۔ (۲) پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کے ساتھ ایک اور سورۃ کی تلاوت کرنی چاہیے۔ (۳) پہلی رکعت میں قرأت دوسری رکعت کے مقابلے میں زیادہ ہونی چاہیے۔ (۴) سری نماز میں بھی ایک آدھی آیت کی تلاوت بلند آواز سے پڑھی جا سکتی ہے۔ (۵) آخری دونوں رکعات میں فقط فاتحہ پڑھنا مسنون ہے۔

۲۸۵: وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ كُنَّا نَحْزُرُ قِيَامَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ ,فَحَزَرْنَا قِيَامَهُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ مِنْ الظُّهْرِ قَدْرَ "الم تَنْزِيلُ،السَّجْدَةِ" وَفِي الْأُخْرَيَيْنِ قَدْرَ النِّصْفِ مِنْ ذَلِكَ .وَفِي الْأُولَيَيْنِ مِنْ الْعَصْرِ عَلَى قَدْرِ الْأُخْرَيَيْنِ مِنْ الظُّهْرِ ,وَالْأُخْرَيَيْنِ عَلَى النِّصْفِ مِنْ ذَالِكَ . رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

مسلم، کتاب الصلاۃ، باب القرأۃ فی الظہر و العصر: ۴۵۲، ابوداود: ۸۰۴، ابن خزیمۃ: ۲۵۶/۱، البیہقی: ۶۴/۲ (۲۵۴۷)، البخاری: ۷۷۶، النسائی: ۲۳۷/۱، احمد: ۲/۳

تنبیہ: مؤلف رحمہ اللہ نے مسلم کی یہ روایت بالمعنی نقل کی ہے۔

۲۸۵: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ظہر اور عصر میں رسول اللہ ﷺ کے قیام کا اندازہ لگا رہے تھے، چنانچہ ہم نے ظہر کی پہلی دو رکعات کے بارے میں اندازہ لگایا کہ آپ ﷺ ان میں سورۃ حم سجدہ کی مقدار کے برابر تلاوت فرماتے ہیں اور آخری دو رکعات میں ان سے نصف قیام فرماتے ہیں۔ اور عصر کی پہلی دو رکعات میں ظہر کی آخری دو رکعات کے برابر قیام فرماتے اور آخری دو میں پہلی دو رکعات سے نصف قیام فرماتے ہیں (مسلم)

لغوی تحقیق: نحزر: نون مفتوح، زاء مضموم، ہم اندازہ لگاتے تھے۔ قدر: برابر

تشریح: ظہر اور عصر کی نمازوں میں قرأت سے متعلق متعدد احادیث مروی ہیں، ان احادیث میں مذکور الفاظ اگر چہ مختلف ہیں لیکن مفہوم فقط مربوط ہی نہیں بلکہ تعدد روایات کی وجہ سے اشکالات بھی دور ہو جاتے ہیں مثلاً ظہر اور عصر میں قرأت سے متعلق ایک اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صحابہ کو کیسے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ سری نمازوں میں قرأت فرماتے تھے، ایک جواب تو سابقہ حدیث میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ بسا اوقات ایک آدھ لفظ بلند آواز سے پڑھ لیتے تھے۔ (۲) دوسرا جواب حضرت خباب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں رحمت عالم ﷺ کی ڈاڑھی مبارک کے حرکت کرنے کی وجہ سے اندازہ ہوتا تھا کہ آپ ﷺ تلاوت فرما رہے ہیں۔

بعض اہل علم نے زیر مطالعہ حدیث کو سابقہ حدیث کے معارض قرار دیا ہے، کیونکہ پہلی حدیث میں ظہر کی پہلی رکعت میں طویل قیام کا ذکر ہے جبکہ اس حدیث میں دونوں رکعات میں برابر قیام کا ذکر ہے۔ راقم کے نزدیک یہ کوئی تعارض نہیں، پہلی حدیث اس حدیث کی تفسیر ہے اور خود حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی اس کی تفسیر منقول ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ظہر کی نماز شروع ہونے کے بعد اگر کوئی شخص بقیع کی طرف قضائے حاجت کیلئے رخ کرتا تو جب قضائے حاجت کر کے واپس آتا تو پہلی رکعت طویل ہونے کی وجہ سے جاری ہوتی۔ اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ زیر مطالعہ حدیث میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کے بیان سے یہ اندازہ لگانا درست نہیں کہ آپ ﷺ کا پہلی دو رکعات میں قیام برابر تھا، البتہ اس حدیث سے یہ ضرور واضح ہوتا ہے کہ ظہر کی دوسری دو رکعات میں بھی سورۃ فاتحہ کے ساتھ کوئی دوسری سورۃ ملائی جاسکتی ہے۔

فقہی احکام: (۱) ظہر کی دوسری دو رکعات میں بھی سورۃ فاتحہ کے ساتھ کوئی دوسری سورۃ ملا کر پڑھی جاسکتی ہے۔
(۲) حدیث کی تفسیر حدیث سے کی جاسکتی ہے۔ (۳) رہنما کی حرکات وسکنات کو نوٹ کرنا جائز ہے۔

۲۸۶: وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ فُلَانٌ يُطِيلُ اَلْأُولَيَيْنِ مِنَ اَلظُّهْرِ ,وَيُخَفِّفُ اَلْعَصْرَ ,وَيَقْرَأُ فِي اَلْمَغْرِبِ بِقِصَارِ اَلْمُفَصَّلِ وَفِي اَلْعِشَاءِ بِوَسَطِهِ وَفِي اَلصُّبْحِ بِطُولِهِ فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ ،مَا صَلَّيْتُ وَرَاءَ أَحَدٍ أَشْبَهَ صَلَاةً بِرَسُولِ اَللَّهِ ﷺ مِنْ هَذَا . أَخْرَجَهُ النَّسَائِيُّ بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ .

النسائی، کتاب الافتتاح، باب تخفیف القیام و القرأۃ: ۲/ ۱۶۷، ۲/ ۱۷۰ (۹۸۳)، ابن ماجۃ: ۸۲۷، ابن خزیمۃ: ۱/ ۲۶۱،

البخاری: ۷۶۵، مسلم: ۴۶۳، الترمذی: ۳۰۷، البیہقی: ۲/ ۳۸۸، ۳۸۹، ابوداود: ۸۱۷

تنبیہ: مؤلف رحمہ اللہ نے روایت نقل کرتے وقت نسائی کے الفاظ میں تقدیم وتاخیر کی ہے۔

۲۸۶: حضرت سلمان بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ فلاں شخص ظہر کی پہلی دو رکعات لمبی کرتے تھے اور عصر کی مختصر کرتے تھے، مغرب کی نماز میں قصار مفصل تلاوت فرماتے تھے اور عشاء کی نماز میں اوساط مفصل اور فجر میں لمبی سورتیں پڑھتے تھے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے کسی کی اقتداء میں اس شخص کی نماز سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی نماز سے ملتی جلتی نماز نہیں پڑھی۔

نسائی نے یہ روایت صحیح سند سے نقل کی ہے۔

لغوی تحقیق: فلاں: بطور کنایہ، مرد کے نام کی جگہ استعمال ہوتا ہے۔اس سے مراد حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ ہیں، وہ اس وقت مدینہ کے حاکم تھے۔ قصار المفصل: قاف مکسور، چھوٹی چھوٹی سورتیں۔مفصل سورتوں کا آغاز کہاں سے ہوتا ہے۔اس میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ ان کی انتہاء سورۃ الناس پر ہوتی ہے

تشریح: اس حدیث میں مفصل سورتوں کی تینوں اقسام کا تذکرہ ہے(۱)طوال المفصل ،ان کے آغاز اور انتہا کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔معروف یہ ہے کہ ان کا آغاز سورۃ الحجرات سے ہوتا ہے،آپ ﷺ نماز فجر میں عموماً یہی سورتیں تلاوت فرمایا کرتے تھے۔(۲)اوساط المفصل ،ان کا آغاز مشہور قول کے مطابق سورۃ بروج سے ہوتا ہے،آپ ﷺ یہ سورتیں عموماً مغرب کی نماز میں تلاوت فرمایا کرتے تھے۔(۳)قصار المفصل ،معروف قول کے مطابق ان کا آغاز سورۃ بینہ سے ہوتا ہے،آپ ﷺ ان کی تلاوت عموماً عشا کی نماز میں فرمایا کرتے تھے۔

اس حدیث میں آپ ﷺ کی عمومی قرأت کی طرف اشارہ ہے جبکہ آپ ﷺ سے مغرب کی نماز کی دونوں رکعات میں سورۃ الاعراف، ایک رکعت میں سورۃ طور پڑھنا بھی مذکور ہے،عشا کی نماز میں سورۃ شمس وغیرہ پڑھنا بھی ثابت ہے،صبح کی نماز میں سورۃ ق اور سورۃ تکویر پڑھنا بھی ثابت ہے

فقہی احکام: (۱)نماز فجر میں قرأت لمبی ہونی چاہیے۔(۲)نماز مغرب میں نماز عشا کے مقابلہ زیادہ لمبی سورتیں پڑھنی چاہیں۔ (۳)فجر، مغرب اور عشاء تینوں نمازوں میں قرأت جہری کی جاتی ہے۔

۲۸۷: وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اَللَّهِ ﷺ يَقْرَأُ فِي اَلْمَغْرِبِ بِالطُّورِ .مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

البخاری، کتاب الآذان، باب الجهر فی المغرب: ۷۶۵، مسلم: ۴۶۳، ابوداود: ۸۱۱، النسائی: ۱۶۹/۲

۲۸۷: حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ سے مغرب کی نماز میں سورۃ طور کی تلاوت سنی۔(بخاری ومسلم)

۲۸۸: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُولُ اَللَّهِ ﷺ يَقْرَأُ فِي صَلَاةِ اَلْفَجْرِ يَوْمَ اَلْجُمُعَةِ ﴿الم تَنْزِيلُ﴾ اَلسَّجْدَةَ ،و ﴿هَلْ أَتَى عَلَى اَلْإِنْسَانِ﴾ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

البخاری، کتاب الجمعة، باب ما یقرأ فی صلاة الفجر یوم الجمعة: ۸۹۱، مسلم: ۸۸۰، النسائی: ۱۵۹/۲، ابن ماجة: ۸۲۳، البیهقی: ۲۰۱/۲، مسند احمد: ۹۵۶۶، المعجم الاوسط: ۳۰۰۳، ۶۶۸۹، ۸۵۰۹، ابن حبان: ۱۸۲۰، الطبرانی: ۱۰۰۸۵، ۱۰۱۱۶،

۲۸۸: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے روز فجر کی نماز میں سورۃ سجدہ اور سورۃ دھر تلاوت فرمایا کرتے تھے۔بخاری ومسلم

تشریح: اس حدیث سے واضح ہوا کہ آپ ﷺ جمعہ کے روز فجر کی نماز کی پہلی رکعت میں سورۃ سجدہ کی تلاوت فرماتے تھے۔اور آیت سجدہ تلاوت فرمانے پر پہلی رکعت کے دوران ہی سجدہ تلاوت فرماتے تھے اور دوسری رکعت میں سورۃ دھر تلاوت فرماتے تھے۔یہ آپ ﷺ کا معمول تھا جیسا کہ طبرانی کی حدیث سے عیاں ہوتا ہے۔انہیں الفاظ کے ساتھ یہ روایت حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی منقول ہے۔

فقہی احکام: (۱) جمعہ کے روز نماز فجر میں سورۃ سجدۃ اور سورۃ دھر کی مکمل تلاوت مسنون ہے۔(۲) اگر دوران نماز آیت سجدہ تلاوت کی جائے تو دوران رکعت ہی سجدہ کرنا مسنون ہے۔(۳) مذکورہ سورتوں کی تلاوت مسنون ہے اور دیگر سورتیں پڑھنے سے بھی نماز ہو جائے گی۔(۴) نصف سورتوں کی تلاوت کو مسنون خیال کرنا بدعت ہے۔

۲۸۹: وَلِلطَّبَرَانِيِّ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ مَسْعُودٍ يُدِيمُ ذَالِكَ .

ابن ماجة، ابواب اقامة الصلوات و السنة فيها، باب القرأة فى صلاة الفجر يوم الجمعة: ۸۲۴، المعجم الاوسط: ۶۲۵۵، المعجم الصغير: ۱۷۸/۲، فتح البارى: ۳۷۸/۲

۲۸۹: طبرانی میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ جمعہ کے روز فجر کی نماز میں سورۃ سجدہ اور سورۃ دھر ہمیشہ تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

لغوی تحقیق: يديم: ہمیشگی فرمایا کرتے تھے۔

تشریح: صاحب **مجمع البحرين** نے یہ روایت **المعجم الصغير** اور **المعجم الاوسط** کے حوالے سے، امام طبرانی کے شیخ محمد بن بشر بن یوسف کے طریق سے نقل کی ہے، امام طبرانی نے **المعجم الاوسط** میں محمد بن بشر کے طریق سے فقط دو احادیث نقل کی ہیں، ان میں سے ایک حدیث اول تا آخر اس سند سے ہے جو سند صاحب **مجمع البحرين** نے **اوسط** اور **صغير** کے حوالے سے درج کی ہے، لیکن اس سند کے ساتھ **المعجم الاوسط** میں اس روایت کے آخر میں ؛**يديم ذالك**؛ کے الفاظ نہیں ہیں۔

امام ابن ماجہ نے ابوالاحوص ہی کے طریق سے یہ روایت نقل کی ہے، اس کے آخر میں بھی ؛**يديم ذالك**؛ کے الفاظ نہیں ہیں، امام طبرانی نے یہی روایت حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے طریق سے نقل کی ہے، اس کے آخر میں بھی مذکورہ الفاظ نہیں ہیں، البتہ **المعجم الصغير** میں یہ الفاظ موجود ہیں مگر یہ روایت ضعیف ہے۔

۲۹۰: وَعَنْ حُذَيْفَةَ رضي الله عنه قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَمَا مَرَّتْ بِهِ آيَةُ رَحْمَةٍ إِلَّا وَقَفَ عِنْدَهَا يَسْأَلُ ,وَلَا آيَةُ عَذَابٍ إِلَّا تَعَوَّذَ مِنْهَا . أَخْرَجَهُ الْخَمْسَةُ ,وَحَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ .

مسلم، كتاب صلاة المسافرين و قصرها، باب استحباب تطويل القرأة: ۷۷۲، ابوداؤد ۸۷۱، ۸۷۳، الترمذى: ۲۶۲، النسائى: ۱۷۶/۲، مسند احمد: ۳۸۲/۵، ۳۸۴، ۳۸۹، ۳۹۴، ابن ماجة: ۱۳۵۱، البيهقى: ۳۰۹/۲، ابن حبان: ۲۶۰۴، ۲۶۰۵

تنبیہ: (۱) یہ روایت مسلم میں بھی ہے لیکن مؤلف رحمہ اللہ نے اسے مسلم کی طرف منسوب نہیں کیا۔(۲) مؤلف رحمہ اللہ نے یہ روایت بالمعنی درج کی ہے۔

۲۹۰: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کی معیت میں نماز پڑھی (اس دوران) رحمت کی کوئی آیت ایسی نہیں گزری جس پر رُک کر آپ ﷺ نے رحمت الٰہی کا مطالبہ نہ کیا ہو، اور نہ آیت عذاب گزری جس پر رُک کر آپ ﷺ نے پناہ کا مطالبہ نہ کیا ہو۔ اسے پانچوں نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے حسن کہا ہے۔

تشریح: مسلم، نسائی، ابن ماجہ اور مسند احمد میں یہ صراحت ہے کہ وہ نماز رات کی تھی، یعنی تہجد کی نماز تھی۔ صحیح مسلم میں یہ بھی صراحت ہے کہ آپ ﷺ نے ایک ہی رکعت میں سورۃ بقرۃ، سورۃ نساء اور سورۃ آل عمران کی تلاوت ترتیل سے فرمائی تھی اور آپ ﷺ کا رکوع اور سجود قیام کے برابر تھے۔ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح منقول ہے اور اس میں رکوع کی تسبیحات بھی مذکور ہیں۔

فقہی احکام: (۱) تہجد کی نماز میں تلاوت زیادہ سے زیادہ کرنا مسنون ہے۔(۲) حالت قیام میں دوران قرأت رحمت کے حصول اور

عذاب سے پناہ کی دعا کی جاسکتی ہے۔(۳) نماز میں تلاوت کرتے وقت اگر سورتوں کو بغیر ترتیب کے پڑھا جائے تو بھی نماز ہوجائے گی۔

۲۹۱: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ "أَلَا وَإِنِّي نُهِيتُ أَنْ أَقْرَأَ الْقُرْآنَ رَاكِعًا أَوْ سَاجِدًا ,فَأَمَّا الرُّكُوعُ فَعَظِّمُوا فِيهِ الرَّبَّ ,وَأَمَّا السُّجُودُ فَاجْتَهِدُوا فِي الدُّعَاءِ ,فَقَمِنٌ أَنْ يُسْتَجَابَ لَكُمْ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

مسلم، كتاب الصلاة، باب النهي عن قرأة القران في الركوع و السجود: ۴۷۹، ابوداود: ۸۷۶، النسائي: ۱۸۹/۲ ،(۱۰۴۶)، البيهقي: ۸۷/۲، احمد: ۲۱۹/۱

۲۹۱: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "خوب غور سے سُن لو! مجھے رکوع اور سجود میں قرآن پڑھنے سے منع کیا گیا ہے، لہٰذا رکوع میں اپنے رب کی عظمت بیان کرو اور سجود میں خوب دعائیں کرو، یہ حالت اس لائق ہے کہ تمہاری دعائیں قبول کی جائیں۔" (مسلم)

لغوی تحقیق: **عظموہ:** عین مفتوح، ظاء مشدد مکسور، اس کی عظمت بیان کرو۔ **اجتھدوا:** خوب من پسند دعائیں کرو۔ **قمن:** قاف مفتوح، میم مکسور، اس لائق ہے۔

تشریح: یہ حدیث اس حقیقت کی عکاس ہے کہ عبادت ایک تعبدی حکم ہے، اس میں عقل کا کوئی دخل نہیں، قیام میں قرأت اور استفتاح ہے، رکوع وسجود میں تسبیحات اور دعائیں ہیں، تشہد میں درود وسلام، دعائیں اور تعوذ ہے۔قرأت کی عظمت وفضیلت اپنی جگہ مسلم ہے، لیکن اگر کوئی شخص اس کی عظمت کے پیش نظر تمام ارکان میں قرأت ہی کرتا رہے یا قیام اور رکوع وسجود میں درود وسلام پڑھتا رہے، یقیناً ایسے شخص کی نماز نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس نے اسوۂ رسول سے بے رغبتی کا مظاہرہ کیا ہے، اسی طرح کھانے کا آغاز بسم اللہ سے کرنا مسنون ہے، اگر کوئی شخص کھانے کا آغاز تلاوت سے کرتا ہے تو یقیناً سنت سے بے رغبتی کا اظہار کرتا ہے۔

رکوع میں باری تعالیٰ کی عظمت بیان کرنی چاہیے جبکہ حالت سجدہ میں کوئی بھی جائز دعا کرنے کی اجازت ہے، سجدہ دعاؤں کی قبولیت کا نہایت مناسب مقام ہے۔اس مفہوم کی احادیث حضرت علی اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے بھی منقول ہے۔

فقہی احکام: (۱) مسلمان تعلیمات مصطفوی کو قبول کرنے کا پابند ہے۔(۲) رکوع وسجود میں قرأت ممنوع ہے۔
(۳) سجدہ میں من پسند جائز دعائیں کی جاسکتی ہیں۔

۲۹۲: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ فِي رُكُوعِهِ سُجُودِهِ "سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ , اَللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

البخاري، كتاب الآذان، باب التسبيح و الدعاء في السجود: ۸۱۷، مسلم: ۴۸۴، ابوداود: ۸۷۷، النسائي: ۲۱۹/۲ ،(۱۰۴۹)، ابن ماجة: ۸۸۹، احمد: ۴۳/۶، البيهقي: ۸۶/۲

تنبیہ: بلوغ المرام کے دستیاب مخطوطوں میں لفظ 'ربنا' نہیں ہے، جبکہ بخاری ومسلم میں ہے۔

۲۹۲: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتیں ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رکوع وسجود میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔"اے اللہ! تو اپنی حمد وثنا کے ساتھ پاک ہے، اے اللہ! مجھے بخش دے۔" (بخاری ومسلم)

لغوی تحقیق: **وبحمدک:** واؤ عاطفہ بھی ہوسکتی ہے اور حالیہ بھی اس کے بعد فعل محذوف ہے یعنی تیری حمد نہایت توجہ سے بیان کرتا ہوں

تشریح: رحمت عالم ﷺ نے رکوع وسجود میں متعدد دعائیں کرنے کی نظری اور عملی تعلیم فرمائی ہے، ان میں سے کوئی ایک دعا بھی بار بار پڑھی جا سکتی ہے اور کئی ایک دعائیں بھی پڑھی جا سکتی ہیں۔ ان دعاؤں میں سے ایک دعا زیر مطالعہ حدیث میں مذکور ہے، یہ دعا اگرچہ مختصر ہے مگر نہایت جامع ہے، کیونکہ اس میں رب تعالیٰ کی حمد وثنا بھی ہے اور اپنے لئے بخشش کا سامان بھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ رکوع اور سجود میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے؛**سبوح قدوس رب الملائکة و الروح** ؛اگر لمبی دعائیں نہ آتی ہوں تو پھر رکوع میں؛**سبحان ربی العظیم** ؛اور سجدہ میں؛**سبحان ربی الاعلیٰ** ؛ کم از کم تین بار پڑھ لیا جائے۔

فقہی احکام: رکوع اور سجود مین ایک دعا بھی پڑھی جا سکتی ہے۔

۲۹۳: وَعَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ کَانَ رَسُولُ اَللَّهِ ﷺ إِذَا قَامَ إِلَی اَلصَّلَاةِ یُکَبِّرُ حِینَ یَقُومُ ,ثُمَّ یُکَبِّرُ حِینَ یَرْکَعُ ,ثُمَّ یَقُولُ "سَمِعَ اَللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ" حِینَ یَرْفَعُ صُلْبَهُ مِنَ اَلرُّکُوعِ ,ثُمَّ یَقُولُ وَهُوَ قَائِمٌ "رَبَّنَا وَلَکَ اَلْحَمْدُ" ثُمَّ یُکَبِّرُ حِینَ یَهْوِی سَاجِدًا ,ثُمَّ یُکَبِّرُ حِینَ یَرْفَعُ رَأْسَهُ ,ثُمَّ یُکَبِّرُ حِینَ یَسْجُدُ ثُمَّ یُکَبِّرُ حِینَ یَرْفَعُ ,ثُمَّ یَفْعَلُ ذَلِکَ فِی اَلصَّلَاةِ کُلِّهَا ,وَیُکَبِّرُ حِینَ یَقُومُ مِنَ اَثِّنْتَیْنِ بَعْدَ اَلْجُلُوسِ . مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ .

البخاری، کتاب الآذان، باب التکبیر اذا قام من السجود: ۷۸۹، مسلم: ۲۸ /۳۹۲، ابوداود: ۷۳۸، النسائی: ۲/۲۳۵، البیهقی: ۹۳/۲، ابن حبان: ۱۷۶۷

۲۹۳: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کیلئے کھڑے ہوتے تو **الله اکبر** کہتے، پھر رکوع کرتے وقت **الله اکبر** کہتے، جب رکوع کے بعد سیدھے کھڑے ہو جاتے تو "**سمع الله لمن حمده**" کہتے پھر اسی حالت میں کھڑے "**ربنا ولک الحمد**" کہتے ، پھر جب سجدہ کیلئے جھکتے تو **الله اکبر** کہتے ،اور سجدہ سے سر اٹھاتے وقت **الله اکبر** کہتے، پھر تکمیل نماز تک اسی طرح کرتے ،اور جب دوسری رکعت میں بیٹھنے کے بعد اُٹھتے تو **الله اکبر** کہتے۔(بخاری ومسلم)

تشریح: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث متعدد طرق سے منقول ہے۔ زیر مطالعہ طریق میں؛**ربنا و لک الحمد** ؛ہے جبکہ دوسرے طریق میں؛**ربنا لک الحمد** ؛ہے یعنی اس میں واؤ نہیں ہے، یہ واؤ عاطفہ بھی ہو سکتی ہے اور حالیہ بھی، عاطفہ ہونے کی صورت میں اس کا مفہوم اس طرح ہوگا کہ اے ہمارے رب! ہم تیری اطاعت کرتے ہیں اور تیری حمد وستائش بیان کرتے ہیں۔

(۱) اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ رکوع سے اٹھتے وقت تسمیع ہے اور باقی تمام مقامات پر تکبیر ہے۔(۲) پہلی تکبیر کو تحریمہ کہتے ہیں اور دیگر تکبیرات کو تکبیرات انتقال کہتے ہیں۔(۳) نماز کی ایک رکعت میں پانچ تکبیرات ہیں، جبکہ نماز پنجگانہ کے فرائض میں کل چورانویں ؛۹۴؛ تکبیرات ہیں۔

فقہی احکام: (۱) تکبیر تحریمہ مکمل طور پر قبلہ رخ کھڑے ہونے کے بعد کہی جائے۔(۲) رکوع کی تکبیر رکوع جاتے وقت کہی جائے ،**سمع الله لمن حمده**، سیدھا کھڑے ہونے کے بعد کہا جائے۔(۳) سجدہ اولیٰ کی تکبیر سجدہ کیلئے جھکنے کے بعد کہی جائے۔(۴) سجدہ سے اٹھنے کی تکبیر سر اٹھاتے ہی کہی جائے۔(۵) تشہد کے بعد والی تکبیر سیدھا کھڑے ہونے کے بعد کہی جائے۔(۶) امام اور مقتدی دونوں کو **سمع الله لمن حمده** اور دونوں کو **ربنا ولک الحمد** کہنا چاہیے۔(۷) امام تمام تکبیرات بلند آواز سے کہے گا۔

۲۹۴: وَعَنْ أَبِی سَعِیدٍ اَلْخُدْرِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ کَانَ رَسُولُ اَللَّهِ ﷺ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ اَلرُّکُوعِ قَالَ " اَللَّهُمَّ رَبَّنَا لَکَ

اَلْحَمْدُ مِلْءَ اَلسَّمَوَاتِ وَمِلْءَ اَلْأَرْضِ ,وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ ,أَهْلَ اَلثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ ,أَحَقُّ مَا قَالَ اَلْعَبْدُ وَكُلُّنَا لَكَ عَبْدٌ اَللَّهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ ,وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ ,وَلَا يَنْفَعُ ذَا اَلْجَدِّ مِنْكَ اَلْجَدُّ " رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

مسلم، کتاب الصلاۃ، باب ما یقول اذا ارفع رأسه من الرکوع: ۴۷۶، ابوداود: ۸۴۸، ابن خزیمة: ۳۱۰/۱، البخاری: ۴۹۶، البیهقی: ۹۴/۲، النسائی: ۱۹۸/۲

۲۹۴: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب رکوع سے سر اُٹھا لیتے تھے تو فرماتے :"اے ہمارے آقا و پروردگار! ہمہ قسم کی حمد وستائش تیرے لائق ہے، اتنی تعریف کہ جس سے زمین وآسمان پُر ہو جائیں، اس کے بعد ہر وہ چیز پُر ہو جائے جو تو چاہے، اے حمد وستائش کے مالک! جو کچھ بندے نے کہا تو ہی اس کا سب سے بڑھ کر حق دار ہے، ہم سب تیرے ہی بندے ہیں، اے اللہ! جو کچھ تو عطا کرے اس میں کوئی رکاوٹ ڈالنے والا نہیں اور جسے منع کر دے اسے کوئی دینے والا نہیں، کسی صاحب شرف کو اس کا صاحب شرف ہونا تیرے مقابلے میں کچھ مفید نہیں۔(مسلم)

لغوی تحقیق: مـــلء: میم مکسور اور لام ساکن اور ہمزہ منصوب اور اسے مرفوع پڑھنا بھی درست ہے لیکن منصوب پڑھنا بلیغ اور راجح ہے، منصوب ہونے کی صورت میں یہ مصدر ہوگا اور اس کے معنی خوب اچھی طرح بھرنے کے ہونگے ،مرفوع ہونے کی صورت میں یہ مبتدا محذوف کی خبر ہوگا۔ **بـعـد** :ظرف ہے، ظروف مضاف واقع ہوتی ہیں، لیکن جب ان کا مضاف بظاہر محذوف مگر ذہن میں محفوظ ہو تو اس وقت یہ مبنی برضمہ ہوتی ہے، اسی بنا پر دال مضموم ہے یعنی زمین وآسمان کے بھرائی کے برابر حمد وثنا کے بعد۔ **ثـنـاء** : زبان سے کسی کی تعریف کرنا۔ **المجد**: بزرگی۔ **الجد**: بزرگی۔

تشریح: رحمت عالم ﷺ رکوع کے بعد سیدھے کھڑے ہو کر کوئی نہ کوئی دعا ضرور پڑھتے تھے، اس سلسلہ میں آپ ﷺ سے جو دعائیں منقول ہیں ان میں سے ایک وہ ہے جو زیر مطالعہ حدیث میں مذکور ہے، حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح کی احادیث منقول ہیں، جبکہ رفاعہ بن رافع سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھنے والے ایک صحابی نے قومہ کی حالت میں یہ الفاظ پڑھے؛ **ربنا لک الحمد حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیه** ؛ رحمت عالم ﷺ نے نماز سے فارغ ہو کر دریافت فرمایا کہ یہ کلمات کس شخص نے کہے ہیں؟ اس صحابی نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! میں نے، آپ ﷺ نے فرمایا:"میں نے تیس سے زیادہ فرشتوں کو دیکھا، وہ ان کلمات کو لکھنے میں ایک دوسرے سے مسابقت کر رہے تھے۔"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:"جب امام؛ **سمع الله لمن حمده** ؛ کہے تو تم ؛ **ربنا لک الحمد حمداً کثیراً طیبا مبارکا فیه** ؛ کہو، جس کے یہ کلمات فرشتوں کے انہیں کلمات کے ساتھ موافق آ گئے، اس کے تمام گناہ معاف کر دیئے گئے ۔ یہ تمام احادیث اس حقیقت کی عکاس ہیں کہ آپ ﷺ نے صحابہ کو تمام نمازوں میں یہ کلمات پڑھنے کی تعلیم دی تھی اور جن حضرات کا یہ خیال ہے کہ یہ الفاظ نفلی نمازوں کیلئے مختص ہیں، ان کا قول بلا دلیل اور باطل ہے اور ان کا یہ مؤقف بھی باطل ہے کہ رکوع کے بعد فقط سیدھے کھڑے ہو جانا ہی کافی ہے۔

فقہی احکام: (۱) درج بالا دعا رکوع کے بعد پڑھنا مسنون ہے۔(۲) ان کلمات کو فرشتوں کی ایک بڑی تعداد تحریر کرتی ہے۔(۳) ان کلمات کے کہنے سے سابقہ تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔(۴) دنیاوی جاہ وجلال اور حسب ونسب عمل صالح کے بغیر بے قدر و قیمت

ہیں۔(۵) ہمہ قسم کی حمد وستائش اللہ ہی کیلئے سزاوار ہے۔(٦) داتا اور مشکل کشا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

۲۹۵: وَعَنِ اِبْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ، قَالَ رَسُولُ اَللَّهِ ﷺ " أُمِرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ عَلَى اَلْجَبْهَةِ وَأَشَارَ بِيَدِهِ إِلَى أَنْفِهِ وَالْيَدَيْنِ ,وَالرُّكْبَتَيْنِ ,وَأَطْرَافِ اَلْقَدَمَيْنِ " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

البخاری، کتاب الآذان، باب السجود علی الانف: ۸۱۲، مسلم: ۴۹۰، ۴۹۱، النسائی: ۲ /۲۰۸، ابوداود: ۸۸۹، ۸۹۰، ابن ماجة: ۱۰۴۰، احمد: ۱ /۲۷۰، ابن خزیمة: ۱ /۳۲۰، ابوعوانة: ۱۸۲/۲، الدارمی: ۱ /۳۰۲، الطبرانی: ۱۰۸۵۵ ـ ۱۰۸٦۸، الدارقطنی: ۳۴۸/۱

۲۹۵: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:" مجھے سات ہڈیوں (اعضاء) پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، پیشانی پر، آپ ﷺ اپنے دست مبارک سے اپنی ناک، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنوں اور پاؤں کی انگلیوں کی طرف اشارہ فرمایا۔"(بخاری ومسلم)

لغوی تحقیق: **سبعة**: سات۔**اعظم**: ہمزہ مفتوح، عین ساکن اور ظاء مضموم، عظم کی جمع ہے یعنی ہڈیاں۔**الجبهة**: جیم مفتوح، باء ساکن، پیشانی۔ **الیدین**: ہتھیلیاں۔اطراف: انگلیاں۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث میں ہیئت سجدہ کو جزوی طور پر بیان کیا گیا ہے یعنی فقط اعضاء کا تذکرہ ہے جن کا زمین پر لگنا ضروری ہے، ان اعضاء کی کل تعداد سات ہے یعنی دونوں ہاتھ کی ہتھیلیاں، دونوں گھٹنے، دونوں پاؤں کی انگلیاں، پیشانی اور ناک۔

اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ جو شخص مذکورہ اعضا میں سے کوئی ایک عضو بھی زمین پر نہیں رکھتا، اس کی نماز نہیں ہوتی، نیز اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ پیشانی اور ناک اگر چہ بظاہر دو اعضا ہیں لیکن ہیئت سجدہ میں رحمت عالم ﷺ نے انہیں ایک ہی شمار کیا ہے، لہٰذا ان دونوں کو ایک ساتھ زمین پر رکھنا ضروری ہے، رحمت عالم ﷺ نے ہیئت سجدہ کی یہ تعلیم فقط نظری طور پر ہی نہیں فرمائی بلکہ صحابہ کو اپنی نماز کا مشاہدہ بھی کرایا۔ ناک اور پیشانی کو ایک ساتھ زمین پر رکھنے کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عائشہ اور حضرت عباس بن سہل رضی اللہ عنہم سے متعدد طرق سے احادیث مروی ہیں، ان میں سے بعض پر اگر چہ کلام بھی ہے تاہم بعض طرق صحیح بھی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام محمد اور قاضی ابو یوسف نے اسی کو اختیار کیا ہے۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ناک اور پیشانی کو زمین پر رکھنے کا ذکر ہے۔

فقہی احکام: حالت سجدہ میں سات اعضا کو زمین پر رکھنا لازم ہے۔

۲۹٦: وَعَنِ اِبْنِ بُحَيْنَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ اَلنَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا صَلَّى فَرَّجَ بَيْنَ يَدَيْهِ ,حَتَّى يَبْدُوَ بَيَاضُ إِبِطَيْهِ . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

البخاری، کتاب الآذان، باب یبدی ضبعیه و یجافی فی السجود: ۸۰۷، مسلم: ۴۹۵، النسائی: ۲/ ۲۱۲، مسند احمد: ۳۴۵/۵، ابن خزیمة: ۱/ ۳۲٦، البیهقی: ۱۱۴/۲

۲۹٦: حضرت عبداللہ بن بُحینة رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز پڑھتے تو سجدہ کرتے وقت اپنے دونوں ہاتھوں کو پہلوؤں سے اس قدر دور رکھتے کہ آپ ﷺ کی بغلوں کی سفیدی نظر آتی۔(بخاری ومسلم)

لغوی تحقیق: فرج: باب تفعیل سے فعل ماضی ہے یعنی ہاتھوں اور پہلوؤں کے درمیان فاصلہ رکھتے تھے۔بیاض: سفیدی۔ابطیه: ہمزہ مکسور، ابط کا تثنیہ ہے، نون اضافت کی وجہ سے ساقط ہے، بغلیں۔

تشریح: زیرمطالعہ حدیث میں حالت سجدہ میں کلائیوں اور کہنیوں کی ہیئت بیان کی گئی ہے یعنی انہیں پہلوؤں سے اتنا دور رکھنا ہے کہ بغلیں مکمل طور کھلی رہیں۔اس روایت میں یہ بھی صراحت ہے کہ رحمت عالم ﷺ کی بغلیں عام انسانوں کی طرح سیاہ یا سیاہی مائل نہ تھیں بلکہ سفید تھیں۔ایک حدیث میں ہے کہ پیچھے صف میں کھڑے ہونے والوں کو آپ ﷺ کی بغلوں کی سفیدی نظر آتی تھی۔

فقہی احکام: حالت سجدہ میں ہاتھوں کو پہلوؤں سے دور رکھنا چاہیے۔

۲۹۷:وَعَنِ اَلْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ،قَالَ رَسُولُ اَللَّهِ ﷺ" إِذَا سَجَدْتَّ فَضَعْ كَفَّيْكَ وَارْفَعْ مِرْفَقَيْكَ"رَوَاهُ مُسْلِمٌ

مسلم،کتاب الصلاۃ، باب الاعتدال فی السجود ووضع الکفین علی الارض و رفع المرفقین عن الجنبین: ۴۹۴، ابن خزیمۃ : ۳۲۹/۱ ، مسند احمد: ۲۸۳/۴ ، البیھقی: ۱۱۳/۲

۲۹۷: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"جب تم سجدہ کرو تو ہتھیلیوں کو زمین پر رکھو اور کہنیوں کو اُٹھا کر رکھو۔"اسے مسلم نے بیان کیا ہے۔

لغوی تحقیق: مرفقیک:میم مکسور،راء ساکن اور فاء مفتوح،مرفق کا تثنیہ ہے،نون اضافت کی وجہ سے ساقط ہے۔

تشریح: زیرمطالعہ حدیث میں حالت سجدہ میں ہتھیلیوں اور کہنیوں کی ہیئت کا ذکر ہے یعنی ہتھیلیوں کو زمین پر رکھنا جبکہ کہنیوں کو زمین سے اٹھا کر رکھنا ہے۔ایک روایت میں ہے کہ کہنیوں کو رانوں سے دور رکھنا ہے۔ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ اتنا دور رکھتے کہ اگر بکری کا بچہ آپ ﷺ کے ہاتھوں کے درمیان سے گزرنا چاہتا تو آسانی سے گزر سکتا تھا۔

۲۹۸:وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ اَلنَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا رَكَعَ فَرَّجَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ ,وَإِذَا سَجَدَ ضَمَّ أَصَابِعَهُ .رَوَاهُ اَلْحَاكِمُ

الحاکم: ۲۲۴/۱ ، ۲۲۷، المطالب العالیۃ: ۵۱۸

۲۹۸: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب رکوع فرماتے تو (اپنے ہاتھوں کی) انگلیوں کو کھلا رکھتے اور جب سجدہ فرماتے تو انہیں باہم ملا لیتے۔(حاکم)

تشریح: امام حاکم نے اس حدیث کے پہلے جز کو عمرو بن عوف اور دوسرے کو حارث بن عبداللہ کے طریق سے نقل کیا اور دونوں کو مسلم کی شرط کے مطابق قرار دیا ہے اور امام ذہبی نے امام حاکم کی موافقت کی ہے۔یہ دونوں طرق حضرت وائل رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں اس لئے یہ حدیث ایک ہی ہے۔اس حدیث میں حالت رکوع وسجود میں ہاتھوں کی انگلیوں کی کیفیت بیان کی گئی ہے یعنی حالت رکوع میں انگلیوں کے درمیان فاصلہ ہونا چاہیے۔اسی طرح کی ایک حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی مرفوعاً منقول ہے مگر وہ روایت ضعیف ہے،البتہ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث جو اس جز سے متعلق ہے وہ صحیح ہے۔

حضرت وائل رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث جس میں حالت سجدہ میں انگلیوں کو باہم ملانے کا ذکر ہے وہ احمد بن علی کی وجہ سے ضعیف ہے ،جبکہ حالت سجدہ میں ہاتھوں کی انگلیوں کی ہیئت کا ذکر راقم کی معلومات کے مطابق کسی دوسری حدیث میں بھی نہیں ہے۔

فقہی احکام: (۱) حالت رکوع میں ہاتھ گھٹنوں کے اوپر رہنے چاہیے۔(۲) ہاتھوں کی انگلیاں کھلی رکھنی چاہیں۔

۲۹۹: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ رَأَيْتُ رَسُولَ اَللَّهِ ﷺ يُصَلِّي مُتَرَبِّعًا . رَوَاهُ النَّسَائِيُّ ,وَصَحَّحَهُ اِبْنُ خُزَيْمَةَ .

النسائی، کتاب الافتتاح، باب کیف صلاۃ القاعد: ۱۶۶۱ ، ابن خزیمۃ، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ جالساً اذا لم یقدر علی القیام ، باب التربع فی الصلاۃ اذا صلی المرء جالساً: ۱۲۳۸ ، الدارقطنی: ۳۹۷/۱، البیھقی: ۳۰۵/۲، مسلم: ۵۰۵/۱،(۷۳۱)،

الحاکم: ۱/ ۲۵۸

تنبیہ: مؤلف رحمہ اللہ نے زیر مطالعہ حدیث ابن خزیمہ کے نقل کردہ الفاظ میں درج کی ہے۔

۲۹۹: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز چارزانوں بیٹھ کر پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ اسے نسائی نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے۔

لغوی تحقیق: **متربعا:** باب تفعل سے اسم فاعل کا صیغہ ہے، پاؤں کے باطنی حصہ کو مخالف ران کے نیچے رکھ لینا اور ہاتھوں کی انگلیوں کو کھول کر انہیں گھٹنوں پر رکھ کر بیٹھ جانا۔

تشریح: بیٹھنے کی یہ ہیئت کسی مرض کی بنا پر ہے جیسا کہ ابن خزیمہ اور نسائی کے ترجمۃ الباب سے عیاں ہو رہا ہے، ظاہر ہے کسی عذر کی وجہ سے کسی رکن کے طریقہ ادائیگی میں تخفیف رخصت کے زمرے میں آتی ہے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات طیبہ کے آخری سالوں میں کسی بیماری کی وجہ سے ایسا کرنے لگے تھے جیسا کہ محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے منقول ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد کھڑے ہو کر پڑھا کرتے تھے لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بوڑھے ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر تلاوت فرماتے رہتے اور جب رکوع کرنے کے قریب پہنچتے تو کھڑے ہو جاتے پھر کھڑے ہو کر تیس سے چالیس آیات تک تلاوت فرماتے پھر رکوع فرماتے۔ اسی طرح ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے سے گر گئے تھے جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دایاں پہلو زخمی ہو گیا تھا، اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی امامت فرماتے رہے تھے۔

۳۰۰: **وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يَقُولُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي ,وَارْحَمْنِي ,وَاهْدِنِي, وَعَافِنِي ,وَارْزُقْنِي " رَوَاهُ الْأَرْبَعَةُ إِلَّا النَّسَائِيُّ ,وَاللَّفْظُ لِأَبِي دَاوُدَ ,وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ .**

ابو داود، کتاب الصلاۃ، باب الدعاء بین السجدتین: ۸۵۰، الترمذی: ۲۸۴، ابن ماجۃ: ۸۹۸، الحاکم: ۱/ ۳۹۳، عبد الرزاق: ۲/ ۱۸۷، ابن خزیمۃ: ۶۸۴، البیہقی: ۲۸۰۸

تنبیہ: مؤلف رحمہ اللہ کی درج کردہ الفاظ بلاشبہ ابوداؤد کے ہیں، مگر ترتیب ابوداؤد کی نہیں۔

۳۰۰: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دوسجدوں کے درمیان یہ دعا پڑھا کرتے تھے: "اے اللہ! میری مغفرت فرما، مجھ پر رحم فرما، مجھے راہ راست پر چلا، مجھے معاف فرما۔" اسے ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے، مذکورہ الفاظ ابوداؤد کے روایت کردہ ہیں اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

لغوی تحقیق: وارزقنی: یہ رزق سے ماخوذ ہے، ہر وہ چیز جس سے نفع حاصل کیا جائے، اسے رزق کہتے ہیں۔

تشریح: یہ روایت الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ ابن عباس سے کئی طرق سے مروی ہے اور اسی سے ملتے جلتے الفاظ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ ابن عباس سے مروی طرق کا مرکزی راوی کامل بن العلاء ہے۔ امام یحییٰ بن معین اور امام یعقوب بن سفیان نے اس کی توثیق کی ہے، جبکہ امام نسائی اور امام ابن حبان نے اس پر کلام کیا ہے۔ امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ امام بیہقی نے اس پر مہر تصدیق ثبت کی ہے اور علامہ البانی نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی روایت حارث الاعور کی وجہ سے ضعیف ہے۔ دوسجدوں کے درمیان دعا پڑھنے سے متعلق ایک حدیث حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، اس میں ؛رب اغفر لی ، رب اغفر لی ؛مذکور ہے۔ ابن خزیمہ میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسجدوں کے درمیان سجدہ کی مقدار کے برابر بیٹھتے تھے اور بار بار ؛رب اغفر لی ،رب اغفر لی ؛پڑھتے تھے، یہ حدیث پہلی حدیث سے زیادہ صحیح ہے۔

فقہی احکام: دوسجدوں کے درمیان فقط سیدھے بیٹھنا ہی نہیں بلکہ مذکورہ دعا بھی پڑھنی چاہیے۔

۳۰۱: وَعَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ يُصَلِّي ,فَإِذَا كَانَ فِي وِتْرٍ مِنْ صَلَاتِهِ لَمْ يَنْهَضْ حَتَّى يَسْتَوِيَ قَاعِدًا. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ .

البخاری، کتاب الآذان، باب من استوی قاعداً فی وتر من صلاته ثم نهض: ۸۲۳، الترمذی: ۲۸۷،النسائی: ۲/ ۲۳۴، (۱۱۵۳)، ابوداود: ۸۴۴، احمد: ۵/ ۵۳، ۵۴

۳۰۱: حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا، آپ ﷺ جب طاق رکعت پڑھ کر فارغ ہوتے تو اس وقت تک کھڑے نہیں ہوتے تھے جب تک سیدھے نہیں بیٹھ جاتے تھے۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

لغوی تحقیق: وتر من صلاة: پہلی اور تیسری رکعت۔ لم ینهض: تیزی سے کھڑے نہیں ہوتے تھے۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث میں صراحتاً مذکور ہے آپ ﷺ دوسرے سجدہ سے فارغ ہو کر اس وقت تک کھڑے نہیں ہوتے تھے جب تک سیدھے نہیں بیٹھ جاتے تھے، اس طرح بیٹھنے کو جلسہ استراحت کہا جاتا ہے، جلسہ استراحت کا اگر چہ بعض احادیث میں ذکر نہیں، لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ آپ ﷺ کبھی بیٹھتے تھے اور کبھی نہیں بیٹھتے تھے۔ کیونکہ یہ بات معروف و مسلم ہے کہ کسی چیز کا عدم ذکر اس کے نہ ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ جلسہ استراحت بڑھاپے کی وجہ سے تھا، ان حضرات کے پاس اس مفروضے کی تائید میں کوئی کمزور دلیل بھی نہیں، جبکہ صلاة المسی میں یہ صراحتاً مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے اسے جلسہ استراحت کی تعلیم فرمائی تھی۔

فقہی احکام: جلسہ استراحت مسنون ہے۔

۳۰۲: وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَنَتَ شَهْرًا بَعْدَ الرُّكُوعِ ,يَدْعُو عَلَى أَحْيَاءٍ مِنْ أَحْيَاءِ الْعَرَبِ , ثُمَّ تَرَكَهُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَلِأَحْمَدَ وَالدَّارَقُطْنِيِّ نَحْوُهُ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ ,وَزَادَ فَأَمَّا فِي الصُّبْحِ فَلَمْ يَزَلْ يَقْنُتُ حَتَّى فَارَقَ الدُّنْيَا

مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب استحباب القنوت فی جمیع الصلاة اذا نزلت بالمسلمین نازلة: ۶۷۵ ـ ۶۷۷، البخاری: ۴۰۸۹، النسائی: ۲/ ۲۰۳، ابن ماجة: ۱۲۴۳، احمد: ۳/ ۱۶۲، ۲۱۶، ابن خزیمة : ۶۲۰، الدارقطنی: ۲/ ۳۹، البیهقی: ۲/ ۲۰۱

۳۰۲: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے رکوع کے بعد پورا مہینہ قنوت نازلہ پڑھی تھی، اس میں آپ ﷺ عرب کے بعض قبائل (رعل، ذکوان، عصیہ اور بنولحیان) کیلئے بددعا فرماتے تھے، پھر آپ ﷺ نے بددعا کرنا چھوڑ دیا تھا۔ (بخاری ومسلم) احمد اور دارقطنی میں ایک دوسرے طریق سے اسی کی مثل مروی ہے، اور اس میں مزید یہ الفاظ بھی ہیں: فجر کہ نماز میں آپ ﷺ تادم زیست دعائے قنوت فرماتے رہے۔

لغوی تحقیق: قنت: ذومعنی لفظ ہے، یہاں اس سے مراد حالت نماز میں کھڑے ہو کر دعا کرنا ہے، اسے عرف عام میں دعائے قنوت یا قنوت نازلہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

تشریح: رحمت عالم ﷺ نوع انسانی کو ابدی نیند سلانے کیلئے تشریف نہیں لائے تھے بلکہ آپ ﷺ کی بعثت کا مقصد نوع انسانی کو حیات جاودانی بخشنا تھا، مگر انسانیت کے دشمن قطعہ ارض کو امن وآشتی کا گہوارہ دیکھنا نہیں چاہتے تھے۔ ایسے مفسدین کا قلع قمع انسانیت پر احسان عظیم تھا، لہٰذا محسنِ انسانیت ﷺ نے انسانیت کی خیرخواہی کی خاطر ایسے لوگوں کے خلاف سیف وسنان اور لسان کا استعمال فرمایا۔

زیر مطالعہ حدیث میں جن لوگوں کیلئے بددعا کرنے کا ذکر ہے ان لوگوں کا تعلق رعل، ذکوان، عصیہ اور لحیان کے قبائل سے تھا۔ یہ بھیڑیے، بھیڑوں کے روپ میں رحمت عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے عرض کیا کہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں، ہمیں اپنی تعلیم وتربیت کیلئے مبلغین درکار ہیں۔ رحمت عالم ﷺ نے ان کی درخواست پر اسلام کے وہ عظیم سپوت ان کے ساتھ روانہ کر دیئے جنہیں رحمت عالم ﷺ نے اپنے خون و پسینہ سے سینچا تھا۔ ان مکار بھیڑیوں نے اسلام کے اس قیمتی سرمایہ کو نہایت بے دردی سے شہید کر دیا۔ ہر انصاف پسند قاری کے دل کی دھڑکنیں یہی کہتی ہیں کہ ایسے ظالموں کیلئے بددعا ہی نوع انسانی کی خیر خواہی کی ضامن ہے، اس لیے آپ ﷺ نے ان کیلئے مسلسل ایک ماہ تک حالت نماز میں رکوع کے بعد بددعا فرمائی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں نماز فجر، حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں فجر اور مغرب، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں نماز ظہر اور عشا میں بددعا کرنے کا ذکر ہے۔ احمد اور دارقطنی میں ایک دوسرے طریق سے مروی ہے، اور اس میں مزید یہ الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ فجر کی نماز میں دعائے قنوت آخری وقت تک کرتے رہے۔ اس حدث کو امام حاکم نے صحیح قرار دیا ہے، جبکہ ابن جوزی نے ضعیف کہا ہے۔

فقہی احکام: (۱) اسلام دین دعوت ہے اس لیے داعیوں کی جماعت ہمہ وقت دعوتی میدان میں سرگرم عمل رہے۔ (۲) سربراہ مملکت کا یہ فریضہ ہے کہ وہ دعوت کے کام کو فروغ دے۔ (۳) امن وآشتی کے دشمنوں کا قلع قمع کرنا ضروری ہے۔ (۴) قنوت نازلہ ہاتھ اُٹھا کر کرنی چاہیے۔ (۵) مقتدیوں کو بلند آواز سے آمین کہنی چاہیے۔ (۶) ہنود، یہود اور صلیبیوں کیلئے بددعا کرنا جائز ہے۔ (۷) رحمت عالم ﷺ کے پاس علم غیب کی چابیاں نہیں تھیں۔ (۸) سربراہ مملکت کو چاہیے کہ وہ رعایا کے رنج والم اور مصائب کو اپنے رنج والم اور مصائب خیال کرے۔ (۹) فرض نمازوں میں دعائے قنوت جائز ہے۔

۳۰۳: وَعَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ لَا يَقْنُتُ إِلَّا إِذَا دَعَا لِقَوْمٍ ,أَوْ دَعَا عَلَى قَوْمٍ .صَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ .

ابن خزیمة ، کتاب الصلاة، باب ذکر البیان ان النبی لم یقنت دهره کله: ۶۱۹ ، ۶۲۰، التنقیح: ۲/۱۰۶۷ ، ۱۰۶۸

۳۰۳: حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ دعائے قنوت فقط اسی وقت فرماتے جب کسی قوم کیلئے دعا یا بددعا فرمانا ہوتی۔ اسے ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے۔

لغوی تحقیق: **دعا لقوم**: اس مادے کے بعد جب حرف جر لام آئے اس وقت اس کے معنی دعا کے ہونگے اور جب اس کے بعد "علی" حرفِ جر آئے تو اس کا معنی بددعا ہوگا۔

تشریح: یہ حدیث سابقہ حدیث کی معارض ہے، کیونکہ اس میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ صبح کی نماز میں ہمیشہ قنوت پڑھتے تھے جبکہ اس حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ قنوت اس وقت فرماتے تھے جب مسلمانوں کیلئے دعا یا اسلام دشمنوں کیلئے بددعا کرنا ہوتی تھی۔

یہ روایت احمد اور دارقطنی کی روایت کے مقابلے میں زیادہ صحیح ہے ممکن ہے کوئی صاحب علم میری اس رائے سے اختلاف رائے کرتے ہوئے یہ کہے کہ یہ روایت قتادہ کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ راقم کے نزدیک چونکہ ابن خزیمہ میں مروی مدلسین کی عنعنہ سماع پر محمول ہے، کیونکہ امام ابن خزیمہ جب مدلسین کی معنعن روایت کے سماع سے آگاہ نہیں ہوتے تو اس کا اظہار کر دیتے ہیں یہاں انہوں نے اظہار نہیں کیا اس لیے وہ یقیناً سماع سے آگاہ ہیں، نیز اس روایت کی شاہد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث بھی ہے کہ آپ ﷺ

فقط اسی وقت قنوت پڑھتے جب آپ ﷺ نے کسی کیلئے دعا یا بددعا کرنا ہوتی تھی۔

فقہی احکام: بوقت ضرورت نماز پنجگانہ میں رکوع کے بعد یا رکوع سے پہلے دعائے قنوت پڑھی جا سکتی ہے۔

۳۰۴: وَعَنْ سَعْدِ بْنِ طَارِقٍ الْأَشْجَعِيِّ قَالَ قُلْتُ لِأَبِي يَا أَبَتِ إِنَّكَ قَدْ صَلَّيْتَ خَلْفَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَأَبِي بَكْرٍ, وَعُمَرَ ,وَعُثْمَانَ ,وَعَلِيِّ ,أَفَكَانُوا يَقْنُتُونَ فِي الْفَجْرِ؟ قَالَ أَيْ بُنَيَّ ,مُحْدَثٌ . رَوَاهُ الْخَمْسَةُ ,إِلَّا أَبَا دَاوُدَ .

الترمذی ، ابواب الصلاة، باب فی ترک القنوت:۴۰۳، ابن ماجة: ۱۲۴۱، النسائی: ۲/ ۲۰۴، مسند احمد: ۳/ ۴۷۲، البیهقی: ۳۲۴۰-۳۲۴۴

۳۰۴: حضرت سعد بن طارق اشجعی بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے عرض کیا، ابو جان! آپ رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کی اقتدا میں نمازیں پڑھتے رہے ہیں کیا وہ فجر میں قنوت پڑھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: میرے لخت جگر یہ بدعت ہے۔ اسے احمد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

تشریح: یہ حدیث گزشتہ سے پیوستہ حدیث کے صریح مخالف ہے، کیونکہ اس میں فجر کی نماز میں ہمیشہ دعائے قنوت کا ذکر ہے، جبکہ اس میں اس کی نہ صرف نفی ہے بلکہ ایک صحابی نے اسے بدعت قرار دیا ہے۔ اس روایت پر اگرچہ خطیب بغدادی نے کلام کیا ہے لیکن انصاف کی بات یہی ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، امام بیہقی نے ان دونوں احادیث کے تعارض کو نہایت عمدہ انداز میں حل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ طارق بن اشیم رضی اللہ عنہ قنوت کے پڑھنے کو یاد نہیں رکھ سکے جبکہ حضرت انس اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما نے اسے یاد رکھا ہے۔ ممکن ہے کہ حضرت طارق بن اشیم رضی اللہ عنہ کی مراد یہ ہو کہ دعائے قنوت کو فجر کی نماز کا حصہ سمجھنا بدعت ہو **(واللہ اعلم بالصواب)**

طارق بن اشیم سے مروی حدیث کی تائید حضرت ام سلمہ، حضرت صفیہ بنت عبید، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی روایات سے بھی ہوتی ہے لیکن یہ تمام روایات سخت ضعیف ہیں، انہیں بطور استشہاد پیش کرنا بھی درست نہیں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث کے ناقابل استشہاد ہونے کا سبب یہ ہے کہ اس کا ایک راوی عنبسہ بن عبدالرحمٰن کذاب ہے، جبکہ محمد بن یعلیٰ اور عبداللہ بن نافع سخت مجروح ہیں۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث کے مرکزی راوی بھی عنبسہ (کذاب) اور عبداللہ بن نافع (ضعیف) ہیں۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی روایت محمد بن جابر کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی روایت بشر بن حرب کی وجہ سے ضعیف ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت ابویعلیٰ کوفی کی وجہ سے ضعیف ہے۔

فقہی احکام: دعائے قنوت کسی بھی نماز کا حصہ نہیں تاہم بوقت ضرورت تمام نمازوں میں کی جا سکتی ہے۔

۳۰۵: وَعَنْ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ عَلَّمَنِي رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ كَلِمَاتٍ أَقُولُهُنَّ فِي قُنُوتِ الْوِتْرِ "اَللّٰهُمَّ اهْدِنِي فِيمَنْ هَدَيْتَ ,وَعَافِنِي فِيمَنْ عَافَيْتَ ,وَتَوَلَّنِي فِيمَنْ تَوَلَّيْتَ ,وَبَارِكْ لِي فِيمَا أَعْطَيْتَ ,وَقِنِي شَرَّ مَا قَضَيْتَ ,فَإِنَّكَ تَقْضِي وَلَا يُقْضَى عَلَيْكَ ,إِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ وَالَيْتَ ,تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ " رَوَاهُ الْخَمْسَةُ وَزَادَ الطَّبَرَانِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ "وَلَا يَعِزُّ مَنْ عَادَيْتَ" زَادَ النَّسَائِيُّ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ فِي آخِرِهِ "وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ"

الترمذی ، ابواب الصلاة، باب ماجاء فی القنوت فی الوتر: ۴۶۷، ابوداود: ۱۴۲۵، النسائی: ۳/ ۲۴۸، ابن ماجة: ۱۱۷۸، احمد: ۱/ ۱۹۹، ۲۰۰، ابن خزیمة : ۲/ ۱۵۱، الاذکار: ۴۸، الخلاصة: ۴۵۵، الاحکام الوسطی: ۲/ ۹۸، البیهقی: ۲/ ۲۰۹،

المعجم الکبیر: ۲/ ۲۷۰۳، بیان الوھم والایھام: ۲/ ۵۰، الاروء: ۴/ ۱۷۴، التلخیص الحبیر: ۱/ ۲۷۳

۳۰۵: حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے چند کلمات سکھائے جنہیں میں وتروں میں پڑھتا ہوں "اے اللہ! مجھے ہدایت سے سرفراز فرما کر ان لوگوں میں شامل کر دے جنہیں تو نے ہدایت سے نوازا ہے، اور مجھے معاف کر کے ان لوگوں میں شامل کر دے جو تیری عافیت سے سرفراز ہیں، مجھے بھی ان لوگوں میں شامل کر دے جنہیں تو نے اپنے دوست قرار دیا ہے، تو نے جو کچھ مجھے عنایت فرمایا ہے، اسے بابرکت بنا دے، جس شر کا تو نے فیصلہ فرمایا ہے مجھے اس سے محفوظ فرما کیونکہ فیصلہ صادر فرمانے پر تو ہی قادر ہے، تیرے خلاف فیصلہ صادر نہیں کیا جا سکتا، تو جس کا مولیٰ بن جائے اسے کوئی ذلیل وخوار نہیں کر سکتا، اے ہمارے رب! تو بابرکت اور بلند و بالا ہے۔" اسے پانچوں نے بیان کیا ہے بیہقی اور طبرانی نے مزید الفاظ بھی نقل کیے ہیں۔ "تو جس کا دشمن بن جائے اسے کوئی عزت نہیں دے سکتا۔" امام نسائی نے ایک اور طریق سے اس حدیث کے آخر میں مزید یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں۔ "ہمارے نبی کریم ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی ان گنت رحمتیں ہوں۔"

تشریح: مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے زیر مطالعہ حدیث کے تین طریق نقل کئے ہیں، پہلے طریق سے مروی حدیث کو امام ابن خزیمہ، امام ابن حبان، امام نووی، حافظ عبدالحق اشبیلی، امام ابن قطان اور علامہ ناصر الدین البانی نے صحیح قرار دیا ہے۔

"**ولا یعز من عادیت**" کے الفاظ متعدد طرق سے منقول ہیں، علامہ ناصر الدین البانی نے انہیں بھی صحیح قرار دیا ہے، البتہ "**صلی اللہ علی النبی**" کے الفاظ منقطع سند سے منقول ہیں اس لیے یہ روایت ضعیف ہے، بعض روایات میں ہاتھ اٹھانے کا بھی ذکر ہے۔

فقہی احکام: (۱) وتروں میں دعائے قنوت پڑھنا واجب نہیں بلکہ مسنون ہے۔ (۲) دعائے قنوت نہ پڑھنے پر سجدہ سہو نہیں۔ (۳) دعائے قنوت قبل از رکوع اور بعد از رکوع دونوں طرح درست ہے۔

۳۰۶: وَلِلْبَيْهَقِيِّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُعَلِّمُنَا دُعَاءً نَدْعُو بِهِ فِي الْقُنُوتِ مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ وَفِي سَنَدِهِ ضَعْفٌ.

السنن الکبری للبیھقی، کتاب الصلاۃ، باب دعاء القنوت: ۳۲۲۴، ۳۲۲۵، نتائج الافکار: ۲/ ۱۴۴

تنبیہ: نور الحسن نے فتح العلام: ۱۹۵ میں دونوں طریق کے ضعیف ہونے کی علت الگ الگ بیان کی ہے یعنی پہلے طریق کو ایک مجہول راوی کی وجہ سے اور دوسرے طریق کو عبدالرحمٰن بن ہرمز کے ضعیف ہونے کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے، حالانکہ دونوں طریق کا مرکزی راوی یہی ہے، بس فرق اتنا سا ہے، ایک طریق کی سند ولید بن مسلم، حدثنا ابن جریج عن ابن ہرمز عن برید بن ابی مریم عن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہے جبکہ دوسرے طریق کی سند عبدالمجید بن عبدالعزیز عن ابن جریج اخبرنی عبدالرحمٰن بن ہرمز ان برید بن ابی مریم ہے

۳۰۶: بیہقی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں دعا سکھاتے تھے جسے ہم صبح کی نماز میں بطور قنوت پڑھتے تھے اس کی سند میں کمزوری ہے۔

تشریح: امام بیہقی نے یہ روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے دو طرق سے نقل کی ہے، دونوں طرق میں مرکزی راوی عبدالرحمٰن بن ہرمز ہے کیونکہ یہ دونوں طرق میں موجود ہے۔ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے نتائج الافکار میں عبدالرحمٰن بن ہرمز کو مجہول قرار دیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ یہ وہ عبدالرحمٰن بن ہرمز نہیں جو الاعرج کے لقب سے معروف ہیں، البتہ امام بیہقی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

۳۰۷۔۳۰۹: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ "إِذَا سَجَدَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَبْرُكْ كَمَا يَبْرُكُ الْبَعِيرُ، وَلْيَضَعْ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ" أَخْرَجَهُ الثَّلَاثَةُ وَهُوَ أَقْوَى مِنْ حَدِيثِ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ رضی اللہ عنہ، رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ إِذَا

سَجَدَ وَضَعَ رُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ . أَخْرَجَهُ الْأَرْبَعَةُ ، فَإِنْ لِلْأَوَّلِ شَاهِدًا مِنْ حَدِيثِ ، اِبْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما صَحَّحَهُ اِبْنُ خُزَيْمَةَ , وَذَكَرَهُ الْبُخَارِيُّ مُعَلَّقًا مَوْقُوفًا.

ابو داود، كتاب الصلاة، باب كيف يضع ركبتيه قبل يديه: ۸۴۰،الترمذي: ۲۶۹، النسائي: ۲/ ۲۰۷، شرح معاني الآثار: ۱/ ۱۷۴، ابن خزيمة : ۱/ ۳۱۸، ۳۱۹، ابن ماجة: ۸۹۲، الحاكم: ۱/ ۲۲۶، البيهقي: ۲/ ۹۸، الدارقطني: ۱/ ۳۴۵، الدارمي: ۱/ ۳۰۳ (۱۳۲۶)، ابن ابی شيبة: ۱/ ۲۹۴

۳۰۷۔۳۰۹: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی ایک سجدہ کرے تو وہ اس طرح مت بیٹھے جس طرح اونٹ بیٹھتا ہے، اسے چاہیے کہ وہ گھٹنوں سے پہلے ہاتھ زمین پر رکھے۔اسے تینوں نے روایت کیا ہے، یہ حدیث وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے زیادہ قوی ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کی نماز کا مشاہدہ کیا، آپ ﷺ جب سجدہ کیلئے جھکتے تو ہاتھوں سے پہلے گھٹنے رکھتے تھے۔اسے چاروں نے نقل کیا ہے۔پہلی حدیث کی مؤید وہ حدیث بھی ہے جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔اسے ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے۔امام بخاری نے اسے تعلیقاً موقوف نقل کیا ہے۔

لغوی تحقیق: يبرك: برک سے ماخوذ ہے، اُونٹ کے بیٹھنے کو برک کہتے ہیں۔ كما يبرك البعير: یہ جملہ پہلے جملے کی تاکید ہے۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث سے دو امور واضح ہوئے (۱) اونٹ کی طرح بیٹھنا ممنوع ہے۔(۲) سجدہ کے لیے جھکتے وقت گھٹنوں سے پہلے ہاتھ رکھے جائیں۔یہ بات تو سب پر عیاں ہے کہ اونٹ بیٹھتے وقت پہلے آگے والی ٹانگیں زمین پر رکھتا ہے، لیکن اس امر میں اختلاف ہے کہ اونٹ کے آگے والے پاؤں کو انسانی ہاتھوں کے مشابہ قرار دیا جائے یا پیچھے والے پاؤں کو ہی پاؤں قرار دیا جائے، جن علما نے ظاہری ترتیب کو پیش نظر رکھا ہے انہوں نے اونٹ کی پچھلی ٹانگوں کو ہی ٹانگیں قرار دیا ہے۔ظاہر ہے کہ یہ حدیث ان حضرات کے خیالات کے واضح طور پر خلاف ہے، لہٰذا انہوں نے اس سے بچنے کیلئے حدیث کے متن کو منقلب قرار دیا ہے۔یعنی ان کا کہنا ہے کہ حدیث کے الفاظ در حقیقت اس طرح ہیں "وليضع ركبتيه قبل يديه" لیکن کسی راوی سے تسامح ہوا، اس نے الفاظ آگے پیچھے کر دیئے، ان حضرات کا یہ قول بلا دلیل ہے۔

بعض حضرات نے اس حدیث کو معلول قرار دیتے ہوئے یہ کہا ہے کہ امام بخاری نے التاريخ الكبير میں اس روایت کے مرکزی راوی محمد بن عبداللہ بن الحسن کے بارے میں لکھا ہے کہ ابوزناد سے یہ روایت فقط موصوف ہی نقل کرتے ہیں اور میرے علم میں نہیں کہ موصوف نے ابوزناد سے کچھ سنا ہے یا نہیں؟ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ ابوزناد سے فقط موصوف نے ہی روایت نقل کی ہے لیکن جہاں تک امام بخاری کے قول کا تعلق ہے تو اس بارے میں ان کا موقف واضح ہے کہ انہوں نے اپنی صحیح میں فقط انہیں رواۃ کی مرویات شامل کی ہیں جن معاصرین کا باہم کم از کم ایک بار لقا (ملاقات) ثابت ہو، جبکہ امام مسلم وغیرہ غیر مدلسین رواۃ کیلئے محض معاصرت ہی شرط قرار دیتے ہیں، لہٰذا یہ راوی امام بخاری کی شرائط پر پورا نہیں اترتا، لیکن دیگر ائمہ کی شرائط کے عین مطابق ہے، لہٰذا امام بخاری کے قول کو بنیاد بنا کر اسے معلول قرار دینا کسی طرح بھی درست نہیں۔

جہاں تک تفرد کا تعلق ہے تو اس بارے میں عرض ہے کہ اہل علم بسا اوقات ثقہ راوی کے تفرد کو علت قرار دیتے ہیں، لیکن کب؟ اس کیلئے کوئی خاص ضابطہ متعین نہیں، یہ محدث کی ایک خداداد صلاحیت ہے جسے وہ خاص مقام پر استعمال کرتا ہے۔

اس روایت کے معلول ہونے کی دوسری علت یہ بیان کی جاتی ہے کہ دراوردی بھی اس روایت کو بیان کرنے میں تنہا ہے۔یہ

دعویٰ درست نہیں، کیونکہ ابوداؤد، ترمذی اور نسائی سے مروی حدیث میں عبداللہ بن نافع دراوردی کا متابع موجود ہے، نیز حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث اس کی شاہد بھی ہے۔ ابن عمر سے مروی اس حدیث کو امام ابن خزیمہ، امام حاکم، امام ذہبی، حافظ ابن حجر اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے۔ ابن خزیمہ اس حدیث کو صحیح تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ اسے منسوخ بھی قرار دیتے ہیں۔

موصوف نے اس سلسلے میں دو احادیث بطور ناسخ نقل کی ہیں، ان میں سے ایک حدیث حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کی نماز کا مشاہدہ کیا آپ ﷺ جب سجدہ کیلئے جھکتے تو ہاتھوں سے پہلے گھٹنے رکھتے۔ یہ روایت ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ غیر صریح بھی ہے کیونکہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کے محض مؤخر الاسلام ہونے کو بنیاد بنا کر زیر مطالعہ حدیث کو منسوخ قرار دینا ناسخ، منسوخ کے مسلم ضابطوں کے خلاف ہے۔ امام ابن شیبہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث نقل کی ہے، اس میں ہاتھوں سے قبل گھٹنے رکھنے کا ذکر ہے لیکن یہ روایت بھی عبداللہ بن سعید المقبری کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔

حضرت وائل رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت کے الفاظ بھی اس کی مثل ہیں اور وہ روایت عبدالجبار کا اپنے والد سے سماع ثابت نہ ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ اسی طرح کی ایک روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، وہ روایت ایک راوی کے مجہول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

امام ابن خزیمہ نے دوسری حدیث حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ پہلے ہم گھٹنوں سے پہلے ہاتھ رکھا کرتے تھے لیکن بعد میں ہمیں حکم ہوا کہ ہم گھٹنوں کو ہاتھوں سے پہلے رکھیں۔ یہ حدیث اگر چہ زیر مطالعہ حدیث کیلئے صراحتاً ناسخ ہے لیکن یہ سخت ضعیف ہے۔ کیونکہ اس روایت کی سند میں اسماعیل بن یحییٰ اور اس کا بیٹا ابرہیم بن اسماعیل دونوں ضعیف ہیں۔

اہل علم کا وہ گروہ جو ہیت ترکیبی کو سامنے رکھتا ہے، ان کا کہنا ہے کہ اونٹ اور دیگر چار ٹانگوں والے جانوروں کی پچھلی ٹانگیں انسانی ہاتھوں کے مشابہ ہوتی ہیں کیونکہ ان جانوروں کے گھٹنے آگے والی ٹانگوں میں ہوتے ہیں، جیسا کہ امام طحاوی حنفی **شرح معانی الآثار** میں رقم طراز ہیں کہ **ان البعیر رکبتاہ فی یدیه و کذالک فی سائر البھائم و بنو آدم لیسوا کذالک**۔ باس بیان سے واضح ہوا کہ ان حضرات کا موقف اس حدیث کی روشنی میں صحیح ہے اور حدیث کا متن بھی محفوظ ہے۔

فقہی احکام: ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے رکھنا راجح ہے۔

۳۱۰: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ إِذَا قَعَدَ لِلتَّشَهُّدِ وَضَعَ يَدَهُ الْيُسْرَى عَلَى رُكْبَتِهِ الْيُسْرَى, وَالْيُمْنَى عَلَى الْيُمْنَى ,وَعَقَدَ ثَلَاثَةً وَخَمْسِينَ ,وَأَشَارَ بِإِصْبَعِهِ السَّبَّابَةِ.رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ وَقَبَضَ أَصَابِعَهُ كُلَّهَا، وَأَشَارَ بِالَّتِي تَلِي الْإِبْهَامَ .

مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، باب صفة الجلوس فی الصلاۃ: ۵۸۰، الدارقطنی: ۱/ ۳۴۹ مسند احمد: ۲ / ۶۵، ابوداود: ۹۹۰، البیھقی: ۲/ ۱۳۲، ابوعوانة: ۱/ ۳۷۶، ابن خزیمة : ۷۱۲، ۷۱۴، ۷۱۶، ۷۱۸

۳۱۰: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب تشہد کیلئے بیٹھتے تھے تو اپنے بائیں ہاتھ کو بائیں گھٹنے پر اور دائیں ہاتھ کو دائیں گھٹنے پر رکھتے اور ترپین کی گرہ بناتے اور انگشت شہادت سے اشارہ فرماتے۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے، مسلم ہی کی ایک روایت میں کہ آپ ﷺ اپنی تمام انگلیاں بند کر لیتے اور انگوٹھے سے ملحقہ انگلی کے ساتھ اشارہ فرماتے۔

لغوی تحقیق: **عقد ثلاثاو خمسین**: اپنی انگلیوں کو گرہ دے کر ترپین کا ہندسہ بنا لیتے۔ اس کی صورت امام بیہقی نے حضرت وائل رضی اللہ عنہ

سے مروی حدیث میں نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ دو انگلیوں کو بند کر لیتے، انگوٹھے اور درمیانی انگلی کا دائرہ بنا لیتے، اور انگوٹھے سے ملحقہ انگلی سے اشارہ فرماتے۔ امام عبدالرزاق نے وائل سے مروی حدیث اس طرح نقل کی ہے کہ آپ ﷺ انگوٹھے کو درمیانی انگلی پر رکھ لیتے، مسلم سے مروی حدیث کا بھی یہی مفہوم ہے۔ السبابة: انگوٹھے سے ملحقہ انگلی جسے انگشت شہادت کہا جاتا ہے۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث میں تشہد میں بیٹھنے کی کیفیت بیان کی گئی ہے یعنی دائیں ہاتھ کو دائیں گھٹنے پر اور بائیں ہاتھ کو بائیں گھٹنے پر رکھا جائے، دائیں ہاتھ سے ترپین کا ہندسہ بنایا جائے اور انگشت شہادت سے اشارہ کیا جائے۔ نسائی اور بیہقی میں اسماعیل بن جعفر سے مروی طریق میں ہے کہ نگاہ کو انگشت شہادت پر رکھا جائے، ابن خزیمہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ کی نگاہ اشارے سے تجاوز نہ کرتی تھی اور انگشت شہادت قبلہ رُخ رکھتے تھے۔ خزاعی سے مروی حدیث میں ہے کہ انگشت شہادت میں قدر خم پیدا کیا جائے۔

بیہقی اور ابوعوانہ میں ہے کہ آپ ﷺ اپنی انگلی سے اشارہ فرماتے تھے لیکن اسے حرکت نہیں دیتے تھے، حافظ ابن قیم نے **و لا یحرکھا** یعنی حرکت نہیں دیتے تھے الفاظ کو غیر محفوظ بتایا ہے ممکن ہے کہ اسی علت کی وجہ سے مسلم نے یہ الفاظ نقل نہیں کئے۔ امام نسائی، امام احمد اور امام ابن خزیمہ وغیرہم نے زائدة بن قدامہ کے طریق سے وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی جو روایت نقل کی ہے، اس میں ہے کہ آپ ﷺ انگشت شہادت کو حرکت دیتے تھے، امام ابن خزیمہ نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد **یحرکھا** کے الفاظ کو ابن قدامہ کا تفرد قرار دیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ بائیں ہاتھ کو کھول کر بائیں گھٹنے پر رکھتے تھے۔ اس حدیث سے ایک بات یہ بھی واضح ہوئی کہ تشہد کیلئے بیٹھنے کے ساتھ ہی اشارہ کرنا شروع کر دینا چاہیے، جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ کلمہ شہادت کے وقت اشارہ کرنا چاہیے وہ حضرات اپنے دعوی کے ثبوت میں کوئی دلیل نہیں رکھتے۔

فقہی احکام: (۱) دائیں ہاتھ کے ساتھ ترپین کا ہندسہ بنا کر اسے دائیں گھٹنے پر رکھا جائے۔ (۲) بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں گھٹنے پر رکھا جائے۔ (۳) تشہد کیلئے بیٹھتے ہی انگوٹھے سے ملحقہ انگلی کے ساتھ قبلہ کی طرف اشارہ کیا جائے۔ (۴) انگلی میں قدر خم پیدا کیا جائے۔ (۵) تشہد میں نگاہ انگشت شہادت پر رہے۔

۳۱۱: **وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہما قَالَ اِلْتَفَتَ إِلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ " إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ اَلتَّحِيَّاتُ لِلَّهِ, وَالصَّلَوَاتُ ,وَالطَّيِّبَاتُ ,اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ ,اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ, أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ,وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ ,ثُمَّ لِيَتَخَيَّرْ مِنَ الدُّعَاءِ أَعْجَبَهُ إِلَيْهِ ,فَيَدْعُو " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ, وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ وَلِلنَّسَائِيِّ ، كُنَّا نَقُولُ قَبْلَ أَنْ يُفْرَضَ عَلَيْنَا التَّشَهُّدُ وَلِأَحْمَدَ ،أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ عَلَّمَهُ التَّشَهُّدَ ,وَأَمَرَهُ أَنْ يُعَلِّمَهُ النَّاسَ .**

البخاری، کتاب الآذان، باب التشهد فی الآخرة: ۸۳۱، مسلم: ۴۰۲، ابوداود: ۹۶۸، الترمذی: ۲۸۹، النسائی: ۲ / ۲۳۸، ۲۴۰، ابن ماجة: ۸۹۹، احمد: ۱/ ۳۸۲، الدارمی: ۱۳۴۷، الدارقطنی: ۱/ ۳۵۳

۳۱۱: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہماری طرف نظر شفقت فرمائی اور فرمایا: "تم میں سے کوئی ایک جب نماز پڑھے تو یہ دعا پڑھے، لسانی، بدنی اور مالی عبادات اللہ ہی کے لیے ہے، اے نبی ﷺ! آپ ﷺ پر سلام ہو اور اللہ تعالیٰ کی

رحمتیں اور برکتیں ہوں، ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر سلام ہو، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اس کے بعد اسے کوئی سی دعا جو اسے سب سے زیادہ پسند ہو منتخب کر کے پڑھنی چاہیے۔"

(بخاری و مسلم) مذکورہ الفاظ بخاری کے ہیں، نسائی میں ہے ہم تشہد کے فرض ہونے سے پہلے کہا کرتے تھے۔ مسند احمد میں ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کہ تشہد سکھایا اور انہیں حکم دیا کہ وہ بھی لوگوں کو سکھائیں۔

لغوی تحقیق: **التحیات:** یہ تحیة کی جمع ہے۔ یہ لفظ متعدد معانی پر دلالت کرتا ہے، مثلاً دوام و ہمیشگی، عظمت و کبریائی، لسانی عبادات وغیرہ، یہاں یہ تمام معانی مراد لیے جاسکتے ہیں۔ **الصلوات:** یہ صلاۃ کی جمع ہے، نماز پنجگانہ یا بدنی عبادت۔ **الطیبات:** یہ طیبة کی جمع ہے، پاکیزہ قول و عمل یا مالی عبادات۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ قعدہ اخیرہ اور اس میں تشہد پڑھنا، دونوں فرض ہیں یعنی یہ دونوں نماز کے ارکان میں سے ہیں اس لئے دونوں کی ادائیگی ضروری ہے۔ اس موقف کی تائید حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت سے بھی ہوتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں تشہد کی تعلیم اسی طرح فرماتے تھے جس طرح قرآن حکیم کی سورتوں کی تعلیم فرماتے تھے۔ آپ ﷺ نے تشہد کے ابتدائی الفاظ مختلف صحابہ کو مختلف سکھائے جیسا کہ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے الفاظ تشہد نقل کر کے واضح کیا ہے۔

۳۱۲: وَلِمُسْلِمٍ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ يُعَلِّمُنَا اَلتَّشَهُّدَ "اَلتَّحِيَّاتُ اَلْمُبَارَكَاتُ اَلصَّلَوَاتُ لِلّٰهِ......" إِلَى آخِرِهِ .

مسلم، کتاب الصلاۃ، باب التشہد فی الصلاۃ: ۴۰۲، ۴۰۳، ابو داود: ۹۷۴، النسائی: ۲ / ۲۴۲، الترمذی: ۲۸۹، ۲۹۰، ابن ماجۃ: ۹۰۱، ۹۰۲، احمد: ۲۶۶۵/۱، الدارمی: ۱۳۴۷، الدارقطنی: ۱/ ۳۵۰، ۳۵۱، الحاکم: ۱/ ۳۹۹

۳۱۲: مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں تشہد کیلئے یہ الفاظ سکھایا کرتے تھے، **التحیات المبارکات الصلوات الطیبات لله ......الی آخرہ۔**

تشریح: تشہد کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما سے بھی مرفوع احادیث منقول ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی الفاظ اسی طرح ہیں (**التحیات لله والصلوات الطیبات**)، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے تعلیم فرمائی کہ تم جب بھی قعدہ (تشہد) میں بیٹھو تو تمہاری زبان پر سب سے پہلے یہ الفاظ جاری ہوں: **التحیات الطیبات الصلوات لله......۔**

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں (**بسم الله و بالله التحیات لله و الصلوات الطیبات ......**) ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے موقوفاً منقول ہے، فقیہ مدینہ قاسم بن محمد فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب قعدہ میں بیٹھتیں تو یہ کلمات پڑھتی تھیں: **التحیات الطیبات الصلوات الزاکیات لله ......**

ان تمام روایات میں محفوظ ترین الفاظ وہ ہیں جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہیں احناف اور اہلحدیث یہی الفاظ پڑھتے ہیں جبکہ شوافع نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی الفاظ کو اختیار کیا ہے۔ تشہد کی باقاعدہ تعلیم سے پہلے صحابہ نے قعدہ کیلئے الفاظ خود منتخب کئے تھے جیسا کہ نسائی میں مروی روایت سے عیاں ہو رہا ہے۔

فقہی احکام: (۱) قعدہ اخیرہ اورتشہد کا پڑھنا دونوں نماز کے رکن ہیں۔(۲) عبداللہ بن مسعود سے مروی الفاظ کو قعدہ میں پڑھنا بہتر ہے، تاہم دیگر صحابہ سے مروی الفاظ پڑھنے سے بھی فرض کی ادائیگی ہو جائے گی (۳) تشہد کے بعد کوئی سی دعا پڑھی جاسکتی ہے تاہم مسنون دعائیں پڑھنا افضل ہیں

۳۱۳: وَعَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعَ رَسُولُ اَللَّهِ ﷺ رَجُلاً يَدْعُو فِي صَلَاتِهِ ,لَمْ يَحْمَدِ اَللَّهَ ,وَلَمْ يُصَلِّ عَلَى اَلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ " عَجِلَ هَذَا " ثُمَّ دَعَاهُ ,فَقَالَ " إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِتَحْمِيدِ رَبِّهِ وَالثَّنَاءِ عَلَيْهِ ,ثُمَّ يُصَلِّي عَلَى اَلنَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ يَدْعُو بِمَا شَاءَ " رَوَاهُ أَحْمَدُ ,وَالثَّلَاثَةُ ,وَصَحَّحَهُ اَلتِّرْمِذِيُّ ,وَابْنُ حِبَّانَ ,وَالْحَاكِمُ.

ابوداود، كتاب الصلاة، باب الدعاء: ۱۴۸۱ ،الترمذى: ۳۴۷۷، النسائى: ۳/ ۴۴، احمد: ۶/ ۱۸ ، ابن خزيمة : ۷۱۰، ابن حبان : ۱۹۶۰ ، الحاكم: ۱/ ۲۳۰ ، الطبرانى: ۱۸/ ۳۰۷

۳۱۳: حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو اپنی نماز میں دعا کرتے ہوئے سنا اس نے نہ تو اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی اور نہ نبی کریم ﷺ پر درود بھیجا، آپ ﷺ نے فرمایا:"اس نے جلد بازی کی۔" پھر آپ ﷺ نے اسے طلب فرمایا اور اسے تعلیم فرمائی کہ تم میں سے جو بھی نماز پڑھے، وہ اپنی نماز کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد وستائش سے کرے پھر نبی کریم ﷺ پر درود بھیجے، پھر اپنی من پسند دعا کرے۔" اسے احمد اور تینوں نے روایت کیا ہے، ترمذی، ابن حبان اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔

لغوی تحقیق: عجل: جیم مکسور، اس نے جلد بازی کی۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث میں بعض آداب دعا کی تعلیم دی گئی ہے، آداب دعا میں سے، اہم ادب یہ ہے کہ دعا کرنے والا نہایت اطمینان سے دعا کرے اور جلد بازی سے گریز کرے، کیونکہ دعا عجز وانکساری اور تذلیل سے عبارت ہے۔ ظاہر ہے کہ عجز وانکساری اور تذلل کا تقاضہ ہے کہ مانگنے والا اپنی درخواست نہایت اطمینان سے پیش کرے۔(۲) دعا کا دوسرا ادب یہ ہے کہ اس کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد وستائش سے کیا جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی نے اسے اپنی ذمہ داری کو پوری کرنے کی توفیق بخشی ہے۔(۳) دعا کا تیسرا ادب یہ ہے کہ رحمت عالم ﷺ پر درود بھیجا جائے کیونکہ آپ ﷺ ہی نے انسان کا اس کے خالق سے رابطہ بحال کیا ہے۔

مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو تشہد کے باب میں درج کر کے اشارہ دیا ہے کہ تشہد میں سارے آداب شامل ہیں کیونکہ تشہد میں بیٹھنا اطمینان وسکون کا عکاس ہے، تشہد کا افتتاحیہ حمد وستائش اور وسطانیہ سلام کے گل ہائے عقیدہ سے عبارت ہے، اس کے بعد اسے جائز من پسند درخواست کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

فقہی احکام: (۱) دعا اطمینان سے کی جائے۔(۲) دعا کا آغاز حمد وستائش سے کیا جائے۔(۳) رحمت عالم ﷺ پر درود بھیجا جائے۔ (۴) دعا کا اختتام من پسند اور جائز درخواست پر ہونا چاہیے۔

۳۱۴: وَعَنْ أَبِي مَسْعُودٍ اَلْأَنْصَارِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ بَشِيرُ بْنُ سَعْدٍ يَا رَسُولَ اَللَّهِ! أَمَرَنَا اَللَّهُ أَنْ نُصَلِّيَ عَلَيْكَ ,فَكَيْفَ نُصَلِّي عَلَيْكَ؟ فَسَكَتَ ,ثُمَّ قَالَ " قُولُوا اَللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ ,وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ ,كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ, وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ ,وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ ,كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ فِي اَلْعَالَمِينَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ .وَالسَّلَامُ كَمَا عَلَّمْتُكُمْ " رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَزَادَ اِبْنُ خُزَيْمَةَ فِيهِ ، فَكَيْفَ نُصَلِّي عَلَيْكَ ,إِذَا نَحْنُ صَلَّيْنَا عَلَيْكَ فِي صَلَاتِنَا.

مسلم، كتاب الصلاة، باب الصلاة على النبى بعد التشهد: ۴۰۵، ابوداود: ۹۸۰، الترمذى: ۳۲۲۰، النسائى: ۳/ ۴۵، الحاكم:

۱/ ۲۶۸، احمد: ۴/ ۱۱۸، البیھقی: ۲/ ۲۴۶، الدارمی: ۱/ ۳۰۹، ابن خزیمة: ۷۱۱، ابن حبان: ۱۹۵۸، ۱۹۵۹، مؤطا: ۱/ ۱۶۵، ۱۶۶، مسند الشافعی: ۱/ ۹۰، ۹۱، عبد الرزاق: ۳۱۰۸، الطبرانی: ۱۷/ ۲۵۱

۳۱۴: حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بشیر بن سعدؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ ﷺ پر درود بھیجنے کا حکم دیا ہے ہم آپ ﷺ پر درود کس طرح بھیجیں؟ رحمت عالم ﷺ نے تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد فرمایا: " کہو **اللھم صلی علی محمد** ....اے اللہ! محمد اوران کی آل پر رحمتیں نازل فرما، جس طرح تو نے ابراہیم کی آل پر رحمتیں نازل فرمائی ہیں، برکات نازل فرما محمد پر اور آل محمد پر جس طرح تو نے آل ابراہیم پر تمام جہانوں میں برکات نازل فرمائی ہیں، بلا شبہ تو تعریف کیا ہوا اور بزرگی والا ہے۔ رہا سلام وہ تو تم نے جان ہی لیا ہے۔" اسے مسلم نے بیان کیا ہے اور ابن خزیمہ نے مزید یہ الفاظ نقل کیے ہیں، جب ہم حالت نماز میں ہوں تب ہم آپ ﷺ پر درود کس طرح پڑھیں؟

لغوی تحقیق: آل: یہ ذومعنی لفظ ہے، اس سے مراد تمام متقی اہل ایمان بھی ہو سکتے ہیں اور فقط آپ ﷺ کی ازواج مطہرات، آپ ﷺ کی بیٹیاں، ان کی اولادیں اور قبیلہ بنو ہاشم کے افراد بھی ہوسکتے ہیں۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہو کہ تشہد کے بعد اگر دعائیں پڑھنی ہوں تو ان سے پہلے رحمت عالم ﷺ پر درود بھیجنا واجب ہے نیز یہ بھی واضح ہوا کہ قرآن حکیم میں ایمان والوں کو جس درود وسلام کا مکلّف ٹھہرایا گیا ہے یہ درود وسلام وہی ہے جو ہم تشہد میں بیٹھ کر پڑھتے ہیں۔ نیز یہ بھی واضح ہوا کہ درود سے مراد درود ابراہیمی ہے، آپ ﷺ سے درود سے متعلق تقریباً چالیس کے قریب احادیث منقول ہیں اور ان سب میں درود ابراہیمی ہی الفاظ کی کمی وبیشی کے ساتھ مذکور ہے، درود رحمت عالم ﷺ کے لیے حصول رحمت کی ایک درخواست ہے جو امتی اللہ کے حضور پیش کرتے ہیں۔

فقہی احکام: (۱) تشہد کے بعد دعاؤں سے پہلے درود پڑھنا چاہیے۔

(۲) درود پڑھنے سے درود پڑھنے والے کے درجات بلند ہوتے ہیں۔ (۳) خودساختہ درود پڑھنا بدعت ہے۔

۳۱۵: **وَعَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ " إِذَا تَشَهَّدَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنْ أَرْبَعٍ ,يَقُولُ ،اَللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِکَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ ,وَمِنْ عَذَابِ اَلْقَبْرِ ,وَمِنْ فِتْنَةِ اَلْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ ,وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ اَلْمَسِيحِ اَلدَّجَّالِ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ "إِذَا فَرَغَ أَحَدُكُمْ مِنَ اَلتَّشَهُّدِ اَلْآخِرِ "**

البخاری، کتاب الجنائز، باب التعوذ من عذاب القبر: ۱۳۷۷، مسلم: ۵۸۸، ابوداود: ۹۸۳، الترمذی: ۳۶۰۴، ابن ماجة: ۹۰۹، احمد: ۲/ ۲۳۷، الدارمی: ۱۳۵۰، ابن حبان: ۱۰۰۲، عبد الرزاق: ۶۷۵۵، النسائی: ۳/ ۵۷، ۸/ ۲۷۵، ابن ابی شیبة: ۱۰/ ۱۹۳، احکام الاحکام: ۲/ ۷۵

۳۱۵: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے کوئی ایک جب تشہد پڑھے تو اسے چاہیے کہ وہ چار چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنے کیلئے اس طرح کہے، اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں جہنم کے عذاب سے، قبر کے عذاب سے، زندگی اور موت کے فتنوں سے اور مسیح دجال کے فتنوں سے۔" (بخاری ومسلم) صحیح مسلم میں ہے کہ جب تم آخری تشہد پڑھ کر فارغ ہوجاؤ تب یہ دعا پڑھو۔

لغوی تحقیق: فتنة: آزمائش، نیز یہ شرک کے معنی میں بھی مستعمل ہے، امام ابن دقیق العید فرماتے ہیں کہ اس سے جہالت، خواہشات

نفسانی اور بے صبری وغیرہ کے فتنے بھی ہو سکتے ہیں۔ **المسیح**: میم مفتوح، اس سے مراد دجال ہے، دجال کو مسیح کیوں کہا گیا ہے؟ اس بارے میں مختلف اقوال ہیں، جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کی ایک آنکھ چونکہ خراب ہوگی اس بنا پر مسیح کہا گیا ہے۔

تشریح: رحمت عالم ﷺ نے حالت تشہد میں اس تعوذ کی فقط تعلیم ہی نہیں فرمائی بلکہ خود بھی ان چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب فرمایا کرتے تھے، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے، ان احادیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ زندگی موت کے فتنے اور دجال کی شرانگیزی انتہائی خطرناک فتنے ہیں۔ جبکہ قبر اور جہنم کے عذاب نہایت دردناک عذاب ہیں، ان فتنوں اور عذابوں سے فقط وہی افراد محفوظ رہ سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی پناہ میں ہونگے۔ یہ روایت ان لوگوں کے نظریات کو مسترد کرتی ہے جو عذاب قبر کے منکر ہیں نیز اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اس دعا کو قعدہ اخیرہ میں پڑھنا چاہیے۔ امام ابن حزم اس کے وجوب کے قائل ہیں، لیکن جمہور کے نزدیک اس کا پڑھنا مستحب ہے۔ راقم کے نزدیک جمہور کا موقف راجح ہے، کیونکہ دیگر احادیث انہیں کے موقف کی مؤید ہیں۔ صحیح مسلم میں مروی حدیث میں اگرچہ قعدہ اخیرہ کی صراحت ہے، لیکن حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک دوسری حدیث میں قعدہ اولیٰ کا بھی ذکر ہے۔

فقہی احکام: (۱) عذاب قبر برحق ہے۔ (۲) موت وحیات کے فتنے انتہائی خطرناک ہیں۔ (۳) محفوظ پناہ گاہ فقط اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ (۴) تشہد اخیرہ میں تعوذ کا پڑھنا مستحب ہے۔ (۵) قعدہ اولیٰ میں بھی یہ دعا پڑھی جا سکتی ہے۔

۳۱۶: وَعَنْ أَبِي بَكْرٍ اَلصِّدِّيقِ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ قَالَ لِرَسُولِ اَللَّهِ ﷺ عَلِّمْنِي دُعَاءً أَدْعُو بِهِ فِي صَلَاتِي قَالَ "قُلْ ،اَللَّهُمَّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْمًا كَثِيرًا ,وَلَا يَغْفِرُ اَلذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ ,فَاغْفِرْ لِي مَغْفِرَةً مِنْ عِنْدِكَ ,وَارْحَمْنِي ,إِنَّكَ أَنْتَ اَلْغَفُورُ اَلرَّحِيمُ " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب الآذان، باب الدعا قبل السلام: ۸۳۴، مسلم: ۲۷۰۵، الترمذی: ۳۵۳۱، ابن ماجۃ: ۳۸۳۵، مسند احمد: ۱/ ۴، البیھقی: ۲/ ۱۵۴، ابن خزیمۃ: ۸۴۶

۳۱۶: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ﷺ مجھے ایسی دعا سکھائیں جو میں اپنی نماز میں پڑھوں، آپ ﷺ نے فرمایا: " کہو، اے اللہ! میں نے خود پر بہت ظلم کیا ہے، تیرے سوا گناہوں کو کوئی بخشنے والا نہیں، مجھے اپنی جناب سے معاف فرما، اور مجھ پر رحم فرما، بلاشبہ تو بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔"

تشریح: اس حدیث کو اگرچہ مؤلف علیہ السلام اور بعض محدثین نے تشہد کے باب میں درج کیا ہے تاہم حدیث کے سیاق سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ اس دعا کو نماز کے کسی بھی رکن میں پڑھا جا سکتا ہے۔ یہ دعا الفاظ کے اعتبار سے نہایت مختصر مگر مفہوم کے اعتبار سے نہایت جامع ہے، کیونکہ اس میں ایک طرف انسان کی بے بسی اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور وسعت رحمت کا تذکرہ ہے۔ یہی وہ دو اہم اوصاف ہیں جن کا ایک جامع دعا میں پایا جانا اشد ضروری ہے۔

اس حدیث سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ انسانیت کی معراج کا راز اعتراف جرم اور معذرت میں ہے، جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رحمت جتنی زیادہ ہے وہ اتنا ہی زیادہ خوش نصیب ہے۔

فقہی احکام: (۱) اس دعا کو آغاز نماز، رکوع وسجود اور تشہد میں پڑھا جا سکتا ہے۔ (۲) اعتراف جرم اور معذرت انسانیت کی معراج ہے۔

۳۱۷: وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ اَلنَّبِيِّ ﷺ فَكَانَ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِينِهِ " اَلسَّلَام عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اَللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ " وَعَنْ شِمَالِهِ " اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اَللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ " رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ بِسَنَدٍ صَحِيحٍ .

ابو داود، کتاب الصلاة، باب فی السلام: ۹۹۷، تمام المنة: ۱/ ۱۷۱، رفع الغین: ۴، ابو داؤد نسخة عزت عبید دعاس: ۲۰۷، بذل المجهود: ۵/ ۳۳۷، نتائج الافکار: ۲/ ۲۲۲، الاحکام الوسطی: ۲/ ۴۱۳، الالمام: ۱/ ۱۱۰، ابن خزیمة: ۱/ ۳۵۹، المحلی: ۳/ ۲۷۵، عبد الرزاق: ۲/۲۱۸ ــ ۲۲۰، شرح معانی الآثار: ۱/ ۲۶۹، المطالب العالیة: ۵۳۰، ۵۴۶ ــ ۵۴۸، التلخیص: ۱/ ۲۷۱

تنبیہ: مؤلف رحمہ اللہ نے زیر مطالع حدیث کو بلوغ المرام میں صحیح قرار دیا ہے جبکہ التلخیص الحبیر میں منقطع کہا ہے، تلخیص میں مؤلف رحمہ اللہ سے تسامح ہوا ہے، کیونکہ انہوں نے وہاں اس روایت کو عبد الجبار بن وائل عن وائل کے طریق سے ظاہر کیا ہے حالانکہ ابوداؤد میں یہ حدیث علقمہ بن وائل عن وائل کے طریق سے ہے، علقمہ کا اپنے والد سے سماع ثابت ہے۔

۳۱۷: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھی، آپ ﷺ جب دائیں طرف سلام پھیرتے تو **السلام علیکم و رحمة الله و برکة** فرماتے اور بائیں جانب سلام پھیرتے تو **السلام علیکم و رحمة الله و برکة** فرماتے۔ ابوداؤد نے یہ حدیث صحیح سند سے نقل کی ہے۔

تشریح: ابوداؤد کے متداول نسخہ میں دوسری طرف سلام پھیرتے وقت "وبرکاتہ" کے الفاظ مذکور نہیں، علامہ ناصر الدین البانی **تمام المنة** میں فرماتے ہیں، ابوداؤد کے نسخے میری نظر سے گزرے ہیں ان میں دوسری طرف سلام پھیرتے وقت "**وبرکاته**" کے الفاظ نہیں ہیں۔ خود مؤلف رحمہ اللہ نے بھی نتائج الافکار میں ان الفاظ کی موجودگی کا انکار کیا ہے، اسی طرح علامہ عبد الحق اشبیلی اور علامہ ابن اثیر نے یہ حدیث علقمہ بن وائل عن ابیہ کے طریق سے ان الفاظ کے ذکر کے بغیر درج کی ہے۔

علامہ الاثیوبی نے اس مسئلہ پر ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام موصوف نے **رفع الغین عمن ینکر ثبوت زیادة وبرکاته من الجانبین** رکھا ہے اس میں موصوف لکھتے ہیں کہ ابوداؤد کے متعدد نسخے ہیں بعض میں دوسری طرف سلام پھیرتے وقت ان الفاظ کا تذکرہ موجود ہے اور بعض مطبوعات میں یہ الفاظ موجود نہیں۔ واضح رہے کہ مکتبہ محمودیہ مدینہ منورۃ میں موجود مخطوطہ میں یہ الفاظ موجود ہیں، اسی طرح عزت عبید دعاس کے نسخہ میں بھی یہ الفاظ موجود ہیں اور **بذل المجهود** کے متن میں بھی موجود ہیں، نیز علامہ ابن دقیق العید نے اپنی معروف کتاب **الالمام** میں بھی ذکر کئے ہیں۔

راقم کے نزدیک اس لفظ کا عدم ذکر کاتب یا نساخ کے تسامح کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ موسیٰ بن قیس یا ان کے شیوخ میں سے کسی ایک نے کبھی یہ الفاظ ذکر کئے اور کبھی چھوڑ دیئے ہیں، جیسا کہ امام طبرانی نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: **هكذا رواه موسىٰ بن قيس عن سلمة قال عن علقمة بن وائل و زاد فى السلام و بركاته**۔ ان الفاظ کی موجودگی کا اظہار حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے مروی مرفوع احادیث سے بھی ہوتا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث کو امام ابن خزیمہ نے ابو اسحاق السبعی کے طریق سے نقل کیا ہے، موصوف چونکہ اختلاط کا شکار ہو گئے تھے اور یہ صراحت موجود نہیں کہ عمر بن عبید طنافسی نے ان سے اختلاط سے قبل سنا ہے، لہٰذا یہ حدیث ضعیف ہے۔

امام ابن حزم نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث کو حماد بن ابی سلیمان کے طریق سے نقل کیا ہے، موصوف کمزور قوت یادداشت کے مالک تھے اس لیے یہ طریق بھی ضعیف ہے۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو امام عبد الرزاق نے ابو اسحاق کے طریق سے نقل کیا ہے اس میں بھی دونوں طرف

کے سلام کے ساتھ "وبرکاته" کا ذکر ہے۔لیکن یہ روایت ابواسحاق کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے المطالب العالیہ میں اور امام طحاوی نے معانی الآثار میں یہ روایت شعبہ کے طریق سے نقل کی ہے،اس میں زیر بحث الفاظ موجود نہیں۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن عمر واقدی کے طریق سے نقل کیا ہے، موصوف روایت حدیث میں سخت ضعیف ہیں۔

فقہی احکام: (۱) سلام پھیرتے وقت السلام علیکم کہنا لازم ہے (۲) السلام علیکم و رحمة الله و بر كاته بھی کہا جا سکتا ہے

۳۱۸: وَعَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقُولُ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ مَكْتُوبَةٍ "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ ,لَهُ الْمُلْكُ ,وَلَهُ الْحَمْدُ ,وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ,اللَّهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ ,وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ , وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

البخاری، کتاب الآذان، باب الذکر بعد الصلاۃ: ۸۴۴، مسلم: ۵۹۳، ابوداود: ۱۵۰۵، النسائی: ۳/ ۷۰، احمد: ۴/ ۲۴۷، الدارمی: ۱۳۴۹، ابن خزیمۃ : ۷۴۲، ابن حبان: ۲۰۰۵ - ۲۰۰۷، ابوعوانة: ۲/ ۲۴۳، الطبرانی: ۲۰/ ۳۷۳

۳۱۸: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ فرض نماز کے بعد یہ دعا پڑھا کرتے تھے:"اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، بادشاہت اسی کے لیے ہے اور تعریف کے لائق وہی ہے،اور وہ ہر چیز پر قادر ہے،اے اللہ! جو کچھ تو عنایت فرمائے اس میں کوئی رکارٹ ڈالنے والا نہیں اور جو کچھ تو نہ دے وہ کوئی دلوا نہیں سکتا، کسی صاحب شرافت کو تیرے بغیر شرافت میسر نہیں آسکتی۔"(بخاری ومسلم)

لغوی تحقیق: دبر: دال اور باء مضموم، یہ لفظ متعدد معانی میں مستعمل ہے، یہاں اس سے مراد اختتام نماز ہے۔ مکتوبة: فرض نماز۔

الجد :جیم مفتوح دال مشدد، امام بخاری فرماتے ہیں کہ اس کا معنی الغنا ہے یعنی کسی بھی شخص کے لیے اس کا مال ومتاع، جاہ وحشمت، اولاد وعزت آبرو اس وقت تک مفید نہیں ہوسکتی جب تک اللہ تعالیٰ کا فضل ورحمت شامل حال نہ ہو۔ ویسے تو اللہ تعالیٰ ہمہ وقت دعائیں سنتا ہے اور انہیں شرف قبولیت سے نوازتا ہے لیکن بعض اوقات ایسے ہیں جن میں وہ اپنے بندوں پر خصوصی شفقت فرماتا ہے، ان اوقات میں فرض نماز کے بعد والا وقت بھی ہے۔

تشریح: رحمت عالم ﷺ ان اوقات میں متعدد دعائیں فرمایا کرتے تھے، جن میں سے دو دعاؤں کا ذکر زیر مطالعہ حدیث میں ہے، یہ دعائیں بھی نہایت جامع ہیں، کیونکہ ان میں توحید ذاتی کے ساتھ ساتھ توحید صفاتی کا بھی تذکرہ ہے یعنی کسی کو کچھ دینے یا نہ دینے کے اختیارات اللہ کے پاس ہیں، اس کے اختیارات میں مداخلت کرنے کا کوئی مجاز نہیں، خواہ وہ کتنی بھی قد آور شخصیت کا مالک ہی کیوں نہ ہو، انسان تو اس قدر بے بس ہے اور بے اختیار ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو مال وزر، جاہ حشمت اور افرادی و مادی قوتیں عطا بھی کردے تب بھی وہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کے بغیر ان سے مستفید نہیں ہوسکتا۔

فقہی احکام: (۱) اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں اس کا کوئی شریک نہیں۔(۲) کچھ دینا یا نہ دینا اسی کے اختیار میں ہے۔
(۳) میسر چیز سے افادہ کرنا بھی انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔

۳۱۹: وَعَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ رضی اللہ عنہ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ يَتَعَوَّذُ بِهِنَّ دُبُرَ الصَّلَاةِ "اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ ,وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ أَنْ أُرَدَّ إِلَى أَرْذَلِ الْعُمُرِ ,وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا ,وَأَعُوذُ

بِکَ مِنْ عَذَابِ اَلْقَبْرِ " رَوَاهُ اَلْبُخَارِیُّ.

البخاری، کتاب الجهاد، باب ما یتعوذ من الجبن: ۲۸۲۲ ، کتاب الدعوات: ۶۳۷۰ ، ۶۳۹۰، الترمذی: ۳۵۶۷،

النسائی: ۸/ ۲۵۶ ، ۲۶۶ ، ۲۷۱ ، ۲۷۲، احمد: ۱/ ۱۸۳ ، ابن ابی شیبة: ۱۰/ ۱۸۹ ، ابن حبان: ۱۰۰۴

تنبیہ: امام بخاری نے صحیح بخاری میں یہ حدیث پانچ مرتبہ نقل کی ہے لیکن کسی ایک مقام پر بھی لفظ "کل" استعمال نہیں کیا جبکہ بلوغ المرام کے بعض ہندی نسخہ میں یہ لفظ موجود ہے، حدیث کا باقی متن تین طریق کو جمع کرنے سے پورا ہوتا ہے، اس لیے راقم نے بخاری سے تین حوالے نقل کیے ہیں۔

۳۱۹: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز کے بعد یہ تعوذ پڑھا کرتے تھے: "اے اللہ! میں بخیلی اور بزدلی سے محفوظ رہنے کیلئے تیری پناہ کا طلب گار ہوں، اور ذلیل ترین عمر کی طرف لوٹائے جانے سے بھی تیری پناہ کا طلب گار ہوں، دنیا کے فتنوں اور قبر کے عذاب سے محفوظ رہنے کیلئے بھی تیری پناہ چاہتا ہوں۔" اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

لغوی تحقیق: **البخل**: باء مضموم، خاء ساکن، جائز اور مناسب مصارف میں مال کو خرچ کرنے سے گریز کرنا۔ **الجبن**: جیم مضموم اور باء ساکن، **امر بالمعروف نهی عن المنکر** اور جہاد میں شریک ہونے سے پہلو تہی کرنا۔ **ارذل العمر**: بڑھاپے کی وہ عمر جس میں اعصاب و اعضا اور عقل جواب دے جائے۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث میں جس عمر سے پناہ طلب کی گئی ہے، یہ وہ عمر ہے جس میں انسان چلنے پھرنے حتیٰ کہ اٹھنے بیٹھنے سے بھی عاجز آ جاتا ہے، قوت یادداشت اور شعور و فکر ختم ہو جاتے ہیں، انسان سے ایام شیر گی جیسی حرکات و سکنات کا صدور ہونا شروع ہو جاتا ہے، بنا بریں اس کے پیارے اور لاڈلے بھی اس سے اعراض کرنے لگتے ہیں۔

۳۲۰: وَعَنْ ثَوْبَانَ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُولُ اَللَّهِ ﷺ إِذَا اِنْصَرَفَ مِنْ صَلَاتِهِ اِسْتَغْفَرَ اَللَّهَ ثَلَاثًا ,وَقَالَ " اَللَّهُمَّ أَنْتَ اَلسَّلَامُ وَمِنْكَ اَلسَّلَامُ .تَبَارَكْتَ يَا ذَا اَلْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ " رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب استحباب الذکر بعد الصلاة: ۵۹۱، النسائی: ۳/ ۶۸ ، ابو داود: ۱۵۱۳ ، الترمذی: ۳۰۰، ابن خزیمة : ۷۳۷ ، ۶۳۸ ، ابن حبان: ۲۰۰۳، البیهقی: ۳۰۸۶ ، ۳۰۸۷

تنبیہ: مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے استغفر کے بعد لفظ الله متن میں نقل کیا ہے جبکہ صحیح مسلم، بیہقی، ابوداود، ترمذی، ابن خزیمہ اور ابن حبان میں لفظ الله متن حدیث میں موجود نہیں۔ درست بھی یہی ہے کیونکہ اگر یہ لفظ متن میں ہوتا تو پھر ولید اپنے شیخ اوزاعی سے یہ سوال کیوں کرتے کیف الاستغفار ؟ (استغفار کیسے کریں) اور اوزاعی یہ جواب کیوں دیتے یقول استغفر الله (کہو استغفر اللہ)۔ (صحیح مسلم: ۵۹۱)

۳۲۰: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز سے فارغ ہوتے تو تین مرتبہ (**استغفر الله**) اللہ سے استغفار کرتے پھر یہ دعا پڑھتے، "اے اللہ! تو سلامتی والا ہے اور سلامتی تجھ ہی سے ہے، اے جلال و اکرام کے مالک! تو ہی بڑی برکت والا ہے۔" (مسلم)

تشریح: سلام پھیرنے کے فوراً بعد تین دفعہ استغفار کرنا اس حقیقت کا کھلے دل سے اعتراف ہے، کہ بندہ اس حق کی ادائیگی کرنے سے قاصر رہا ہے، جو اس کے مالک کا اس پر حق تھا، کیونکہ حق کی ادائیگی کا تقاضہ تھا کہ عابد، معبود کے سامنے ہمہ تن گوش ہو کر قیام و قعود اور رکوع و سجود کی ادائیگی کرتا، لیکن شیطان لعین اس پر بار بار حملے کر کے حق کی ادائیگی میں برابر مداخلت کرتا رہا ہے۔

۳۲۱۔۳۲۲: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُولِ اَللَّهِ ﷺ قَالَ " مَنْ سَبَّحَ اَللَّهَ دُبُرَ كُلِّ صَلَاةٍ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ ,وَحَمِدَ اَللَّهِ

ثَلاثًا وَثَلاثِينَ ,وَكَبَّرَ اَللَّهُ ثَلاثًا وَثَلاثِينَ ,فَتِلْكَ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ ,وَقَالَ تَمَامَ اَلْمِائَةِ لا إِلَهَ إِلَّا اَللَّهُ وَحْدَهُ لا شَرِيكَ لَهُ, لَهُ اَلْمُلْكُ ,وَلَهُ اَلْحَمْدُ ,وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ,غُفِرَتْ خَطَايَاهُ ,وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ اَلْبَحْرِ " رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِي رِوَايَةٍ أُخْرَى " أَنَّ اَلتَّكْبِيرَ أَرْبَعٌ وَثَلاثُونَ"

مسلم، كتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب استحباب الذكر بعد الصلاة: ۵۹۵ ـ ۵۹۷، البخاری: ۸۴۳، ابن حبان: ۲۰۱۲ ـ ۲۰۱۵، ابن خزيمة: ۷۴۸، ۷۵۰، مسند احمد: ۳۷۱/۲

تنبیہ: ہندی مطبوعہ نسخوں میں؛غفرت له؛ ہے جبکہ صحیح مسلم میں لفظ؛ له؛نہیں ہے۔

۳۲۱ـ۳۲۲: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"جس نے نماز کے بعد تینتیس بار **سبحان الله** اور تینتیس بار **الحمد لله** اور تینتیس بار **الله اکبر** کہا، یہ مجموعی طور پر ننانوے بار ہوا اور سو کا ہندسہ پورا کرنے کیلئے **لا اله الاالله** ......کہا: االلہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں، بادشاہت اسی کی ہے، حمد وستائش کے لائق وہی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس کی تمام خطائیں معاف کر دیں جائیں گی اگر چہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔"اسے مسلم نے روایت کیا ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ "**الله اکبر** چونتیس بار کہا۔"

لغوی تحقیق: سبح: اس کی تسبیح بیان کی یعنی سبحان اللہ کہا۔ زبد: زاء اور باء مفتوح، جھاگ۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے عطا بن یزید لیثی نقل کرتے ہیں تو وہ انہیں الفاظ سے نقل کرتے ہیں، لیکن جب یہ روایت ابو صالح اور محمد بن ابی عائشہ نقل کرتے ہیں تو وہ قدرے مختلف الفاظ سے تفصیلاً نقل کرتے ہیں۔ یعنی وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ فقرا کی ایک جماعت رحمت عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ مال دار تو صدقہ وخیرات کی وجہ سے درجات کے تمام زینے سر کر کے دائمی نعمت حاصل کر چکے ہیں، وہ ہماری طرح نماز بھی پڑھتے ہیں اور روزے بھی رکھتے ہیں، لیکن انہیں مالدار ہونے کی وجہ سے ہم پر برتری حاصل ہے، کیونکہ وہ اس کے ذریعے حج اور عمرہ بھی کرتے ہیں، جہاد میں حصہ بھی لیتے ہیں اور صدقہ وخیرات بھی کرتے ہیں، رحمت عالم ﷺ نے فرمایا:"میں تمہیں ایسا نسخہ کیمیا بتائے دیتا ہوں، جس کی وجہ سے تم آگے نکل جانے والوں کے ساتھ مل جاؤ گے اور تمہارے پیچھے آنے والا تمہارے ساتھ مل نہیں پائے گا، تمہارا مقابلہ وہی کر سکے گا جو تمہاری طرح اسی نسخہ کیمیا کو اختیار کرے گا، تم ہر نماز کے بعد تینتیس بار **سبحان الله**، تینتیس بار **الحمدلله**، اور تینتیس بار ہی **الله اکبر** کہو۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے مذکورہ درخواست رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کی تو آپ ﷺ نے انہیں مذکورہ نسخہ کیمیا کی تعلیم فرمائی، اس میں آخری بار **لا اله الاالله وحده لاشریک له، له الملک وله الحمد و هو علی کل شئی قدیر** کی ہدایت کی گئی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ایک روایت میں ہے کہ فقراء مہاجرین نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ درخواست پیش کی تھی۔

صاحب سبل السلام نے و فـــــی روایة لکھ کر جس دوسری روایت کی طرف اشارہ کیا ہے وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے طریق سے تو منقول نہیں البتہ حضرت کعب بن عجرہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما سے مروی طرق سے منقول ہے۔ اگر ان کی اس دوسرے طریق سے مراد کعب بن عجرہ یا زید بن ثابت رضی اللہ عنہما کا طریق ہے تو پھر درست ہے ورنہ ان سے تسامح ہوا ہے۔

حضرت سہیل رضی اللہ عنہ سے مروی طریق میں تینوں کو ملا کر تینتیس بار پڑھنا مذکور ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں

دس دس بار پڑھنے کا بھی ذکر ہے۔

فقہی احکام: (۱) نماز کے بعد تسبیح وتکبیر وتہلیل کو ملا کر سو کی گنتی پوری کرنا مسنون ہے۔(۲) یہ عمل صدقہ وخیرات کے مقابلے میں زیادہ محبوب اور وزنی ہے۔(۳) دائمی عمل اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے اگر چہ وہ کم ہی ہو۔

۳۲۳: وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ لَهُ " أُوصِيكَ يَا مُعَاذُ لَا تَدَعَنَّ دُبُرَ كُلِّ صَلَاةٍ أَنْ تَقُولَ، اَللَّهُمَّ أَعِنِّي عَلَى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ " رَوَاهُ أَحْمَدُ ,وَأَبُو دَاوُدَ ,وَالنَّسَائِيُّ بِسَنَدٍ قَوِيٍّ .

ابوداود، كتاب الصلاة، باب في الاستغفار: ۱۵۲۲، النسائي: ۵۳/۳، احمد: ۲۴۴/۵، ابن خزيمة: ۷۵۱، ابن حبان: ۲۰۲۰، الحاكم: ۲۷۳/۱

۳۲۳: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: "اے معاذ! میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ نماز سے فارغ ہو کر ان کلمات کو ضرور پڑھنا۔ اے اللہ! اپنا ذکر اور شکر اور احسن طریقے سے اپنی عبادت کرنے پر میری اعانت فرما۔" اس روایت کو احمد، ابوداؤد اور نسائی نے قوی سند سے بیان کیا ہے۔

لغوی تحقیق: لا تدعن: تاء، دال اور عین مفتوح اور نون مشدد ومفتوح، مت ترک کرنا۔

تشریح: نماز پڑھنے کی وجہ سے جسمانی طہارت کے ساتھ ساتھ بڑی حد تک باطنی طہارت بھی ہو چکی ہوتی ہے، اس لیے اس وقت انسان کے منہ سے جو بات نکلتی ہے وہ دل سے نکلتی ہے۔ پھر یہ وقت دعاؤں کی قبولیت کا بھی ہے۔ عجز وانکساری اور سنہری وقت کا جب باہم امتزاج ہوتا ہے تو پھر خالق حقیقی کی طرف سے اپنے بندوں کو پیغام فوز وفلاح ملتا ہے، اس لیے رحمت عالم ﷺ نے اس موقع سے بھی خوب فائدہ اٹھایا اور اُمت کو بھی رغبت دلائی کہ وہ بھی اس سے خوب فائدہ حاصل کریں، مؤلف رحمہ اللہ نے بھی اسی مناسبت سے متعدد دعائیں نقل کی ہیں۔

امام حاکم نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد اسے صحیحین کی شرط کے مطابق قرار دیا ہے اور امام ذہبی نے امام حاکم کی تحقیق کی توثیق کی ہے۔ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے لیکن اسے صحیحین کی شرط کے مطابق قرار دینا درست نہیں کیونکہ عقبہ بن مسلم کی مرویات کو شیخین نے صحیحین میں جگہ نہیں دی۔

فقہی احکام: سلام پھیرنے کے بعد اسی جگہ بیٹھ کر مسنون دعاؤں میں سے زیادہ سے زیادہ دعائیں پڑھیں جائیں، خاص کر اس دعا کو ہر نماز کے بعد پڑھا جائے۔

۳۲۴: وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ " مَنْ قَرَأَ آيَةَ اَلْكُرْسِيِّ دُبُرَ كُلِّ صَلَاةٍ مَكْتُوبَةٍ لَمْ يَمْنَعْهُ مِنْ دُخُولِ اَلْجَنَّةِ إِلَّا اَلْمَوْتُ " رَوَاهُ النَّسَائِيُّ ,وَصَحَّحَهُ اِبْنُ حِبَّانَ وَزَادَ فِيهِ اَلطَّبَرَانِيُّ ﴿ وَقُلْ هُوَ اَللَّهُ أَحَدٌ ﴾

السنن الكبرى للنسائي: ۹۹۲۸، عمل اليوم و الليلة للنسائي: ۱۰۰، عمل اليوم و الليلة لابن سني: ۱۲۳، ۱۲۴، موضوعات لابن جوزي: ۲۴۴/۱، الطبراني: ۷۵۳۲، المعجم الاوسط: ۸۰۶۴

۳۲۴: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس شخص نے فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھی وہ فوت ہوتے ہی جنت میں داخل ہو جائے گا۔" اسے نسائی نے بیان کیا ہے اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے اور طبرانی نے مزید الفاظ نقل کیے ہیں کہ

" آیت الکرسی کے ساتھ سورۃ اخلاص بھی پڑھی۔"

تشریح: آیت الکرسی کی فضیلت کے بارے میں اور بھی احادیث منقول ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے بستر پر لیٹتے وقت اسے پڑھا، اللہ تعالی اسے اور اس کے گھر کو اپنی حفاظت میں رکھے گا اسی طرح سورۃ اخلاص کو قرآن حکیم کی ایک تہائی قرار دیا گیا ہے، آیت الکرسی اور سورۃ اخلاص کے مضامین میں بڑی حد تک یکسانیت موجود ہے، دونوں میں عقیدہ توحید نہایت واضح اور مؤثر انداز میں بیان کیا گیا ہے، ان کی تلاوت عقیدہ توحید میں نکھار پیدا کرتی ہے، عقیدہ توحید ہی جنت کی کلید ہے، اس ناطے زیر مطالعہ حدیث میں واضح کیا گیا ہے کہ اس کی تلاوت کرنے والا مرنے کے فوراً بعد جنت میں داخل ہو جائے گا۔

مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے آیت الکرسی سے متعلق حدیث کی سند کو ابن حبان کے حوالے سے صحیح قرار دیا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، لیکن امام ابن جوزی کو اس بارے میں سخت غلطی لگی ہے، کیونکہ انہوں نے اس حدیث کو موضوعات میں شامل کیا ہے، البتہ علامہ البانی نے **قل هو الله احد** کی زیادتی کو باطل قرار دیا ہے۔

فقہی احکام: (۱) عقیدہ توحید جنت کی کلید ہے۔ (۲) آیت الکرسی اور سورۃ اخلاص اللہ تعالی کو بہت پسند ہیں (۳) جنت موجود ہے۔ (۴) قیامت سے پہلے بھی آدمی جنت میں داخل ہو سکتا ہے۔

۳۲۵: وَعَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اَللَّهِ ﷺ "صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِى أُصَلِّى" رَوَاهُ اَلْبُخَارِىُّ.

البخاری، کتاب الآذان، باب اذان للمسافرین: ۶۳۱، مسند احمد: ۵۳/۳، ابن خزیمة: ۲۹۵/۱، البیهقی: ۳۴۵/۲، ابن حبان: ۱۶۵۸، صحیح مسلم: ۶۷۴، النسائی: ۹/۲، الدارقطنی: ۳۷۲/۱، الدارمی: ۲۸۶/۱، ابوعوانة: ۳۳۱/۱، مسند الشافعی: ۱۲۹/۱، الطبرانی: ۶۳۷/۱۹، مشکل الآثار: ۲۹۶/۲

۳۲۵: حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "نماز اس طرح پڑھو جس طرح تم نے مجھے پڑھتے دیکھا ہے۔" (بخاری)

تشریح: اس حدیث کو اسلام میں بنیادی حیثیت حاصل ہے، کیونکہ اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ نماز اور دیگر امور کے بارے میں آپ ﷺ کے اقوال وافعال قرآنی اجمال کی تبیین وتشریح ہے، نیز اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ جس شخص نے نماز سے متعلق آپ ﷺ کے اقوال وافعال سے آگاہی حاصل کر لی ہے اس کے لیے لازم ہو گیا کہ وہ نماز کو طریق نبوی کے مطابق ادا کرے۔ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے نماز کی بابت آپ ﷺ کے اعمال اور فرمودات نقل کرنے کے بعد حدیث نقل کر کے واضح کیا ہے کہ اس فرمان نبوی کی روشنی میں آپ پر لازم ہو گیا کہ آپ تکبیر تحریمہ سے لے کر سلام پھیرنے کے الفاظ اور انداز تک طریقہ رسول کو اختیار کریں۔ مزید تفصیل کیلئے **احکام الاحکام شرح عمدة الاحکام** کا مطالعہ فرمائیں۔

فقہی احکام: (۱) قرآن نے نماز کے بارے میں جو مجمل حکم دیا تھا آپ ﷺ کا عمل اس کا بیان ہے۔
(۲) تمام مسلمان پر لازم ہے کہ وہ نماز اسی طرح پڑھیں جس طرح رحمت عالم ﷺ پڑھتے رہے ہیں۔

۳۲۶: وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رضی اللہ عنہما قَالَ، قَالَ لِيَ رَسُولُ اللّٰه ﷺ " صَلِّ قَائِمًا ,فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا ,فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَعَلَى جَنْبٍ " رَوَاهُ اَلْبُخَارِيُّ.

البخاری، کتاب تقصیر الصلاة، باب اذا لم یطق قاعداً صلی علی جنب: ۱۱۱۷، ابوداود: ۹۵۲، الترمذی: ۳۷۲، احمد: ۴۲۶/۴،

ابن خزيمة : ٩٧٩

۳۲۶: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "نماز کھڑے ہوکر پڑھو، اگر کھڑے ہوکر پڑھنے کی طاقت نہیں تو پھر بیٹھ کر پڑھو، اور اگر بیٹھ کر پڑھنے کی بھی طاقت نہیں تو پھر پہلوں کے بل لیٹ کر پڑھو۔" اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

لغوی تحقیق: جنب: جیم مفتوح، اور نون ساکن، پہلو۔

تشریح: اس حدیث سے نماز کی اہمیت اور اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر شفقت وعنایت کا اظہار ہوتا ہے، یعنی نماز ایک ایسی عبادت جس کو اس کے وقت پر ادا کرنا ہر عاقل و نالغ مسلمان پر فرض ہے، انسان کی صحت اور وقت کے پیش نظر اس کی تعداد رکعات اور ارکان کی ادائیگی میں تخفیف ہے، لیکن معافی نہیں۔ یعنی حالت سفر میں چار رکعات کی جگہ دو رکعت اور بیماری کے آخری درجات میں اشاروں کے ساتھ ادا کرنے کی اجازت ہے، لیکن بالکل معاف نہیں، عصر حاضر میں اتنی اہم عبادت کے ساتھ ہمارا یہ سلوک ہے کہ گھروں کے گھر بے نمازوں سے بھرے ہوئے ہیں۔

تنبیہ: ہندی نسخہ کے کاتب نے اس حدیث کے ذکر کرنے کے بعد اس کے الفاظ کو صحیح بخاری کی طرف منسوب کیا ہے لیکن صحیح بخاری میں آخری لفظ یعنی فاوم موجود نہیں، اس لفظ کے نقل کرنے میں کاتب سے یقیناً تسامح ہوا ہے۔

فقہی احکام: (۱) جس شخص کو بواسیر ہو وہ بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے۔ (۲) بواسیر والا شخص ایک وضو سے ایک نماز پڑھ سکتا ہے۔ (۳) لیٹ کر نماز پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ دائیں پہلو کے بل اس طرح لیٹ جائے کہ چہرہ قبلہ رُخ ہو۔ (۴) ارکان نماز کی ادائیگی اشاروں سے بھی کی جاسکتی ہے۔

۳۲۷: وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لِمَرِيضٍ صَلَّى عَلَى وِسَادَةٍ ,فَرَمَى بِهَا وَقَالَ " صَلِّ عَلَى الْأَرْضِ إِنْ اِسْتَطَعْتَ ,وَإِلَّا فَأَوْمِ إِيمَاءً ,وَاجْعَلْ سُجُودَكَ أَخْفَضَ مِنْ رُكُوعِكَ " رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ بِسَنَدٍ قَوِيٍّ وَلَكِنْ صَحَّحَ أَبُو حَاتِمٍ وَقْفَهُ.

السنن الكبرى للبيهقى، كتاب الصلاة، باب الايماء بالركوع و السجود اذا عجز عنها: ٣٦٢٨ـ٣٦٧٧، معجم الكبير للطبرانى: ٢٠٩/١٢، العلل لابن ابى حاتم: ١٧٩، تهذيب التهذيب: ٣٣٦/٢، الجرح و التعديل: ١٧٣/٣، بيان الوهم والايهام: ٢٢/٢

۳۲۷: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اس مریض سے جس نے تکیہ پر نماز پڑھی تھی اس کا تکیہ پھینکتے ہوئے فرمایا: "اگر استطاعت ہے تو پھر زمین پر نماز پڑھو، ورنہ اشارے سے اس طرح پڑھو کہ اپنے سجدے کیلئے اشارہ رکوع سے قدرے نیچے کرو۔" اسے بیہقی نے قوی سند سے بیان کیا ہے، لیکن ابوحاتم نے اس کے موقوف ہونے کو درست قرار دیا ہے۔

لغوی تحقیق: وسادة: واؤ پر زبر، زیر، پیش تینوں حرکات پڑھنا درست ہیں، البتہ زیر زیادہ مستعمل ہے۔ ہر وہ چیز جو سونے والا اپنے سر کے نیچے رکھتا ہے، یعنی تکیہ۔ اخفض: یہ خفض سے ماخوذ ہے، خفض متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے یہاں نیچے کے معنی میں استعمال ہوا ہے، یعنی زیادہ نیچا۔ اوم: ہمزہ مفتوح اور واؤ ساکن، یہ باب افعال سے امر کا صیغہ ہے یعنی اشارے سے پڑھو۔

تشریح: یہ حدیث امام بیہقی نے سفیان ثوری عن ابی الزبیر عن جابر کے طریق سے نقل کی ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک مریض کی تیمارداری کیلئے تشریف لے گئے، رحمت عالم ﷺ جب وہاں پہنچے تو وہ تکیہ پر سجدہ کر رہا تھا، آپ ﷺ نے اس کا تکیہ پکڑ کر پھینک دیا، پھر اس نے لکڑی پکڑی اور اس پر سجدہ کرنا شروع کر دیا، آپ ﷺ نے اس سے وہ بھی لیکر پھینک دی، اور فرمایا:

"حتی المقدور سجدہ زمین پر، ورنہ اشارے سے کرو، سجدے کیلئے اشارہ رکوع سے قدرِ نیچا کرو۔"

امام بزار فرماتے ہیں کہ یہ حدیث سفیان ثوری سے فقط ابوبکر حنفی نقل کرتے ہیں ممدوح کا یہ بیان درست نہیں۔ کیونکہ ابوبکر حنفی کی متابعت عبدالوھاب بن عطا نے کی ہے۔

امام ابوحاتم نے **العلل** میں اس حدیث کو موقوف قرار دیا ہے۔اس روایت میں موقوف ہونے کے علاوہ دو علتیں اور بھی ہیں۔(۱) سفیان ثوری نے اس روایت کو ابوزبیر سے معنعن نقل کیا ہے۔(۲) ابوزبیر مکی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے معنعن نقل کیا ہے، سفیان ثوری اور ابوزبیر دونوں معروف مدلس ہیں اس لیے ان کے عنعنہ کی وجہ سے یہ روایت ضعیف ہے۔البتہ تقریباً یہی متن امام طبرانی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً نقل کیا ہے۔

صاحب سبل السلام نے اس روایت کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔علامہ ہیثمی نے اس کے ضعیف ہونے کی نشاندہی کرتے ہوئے حفص بن سلیمان کو متروک قرار دیا ہے، شیخ خالد بن ضیف اللہ الشلاحی نے اسے کو قوی قرار دیتے ہوئے اس کے جملہ رواۃ کو ثقہ قرار دیا ہے۔انہوں نے لکھا ہے کہ علامہ ناصرالدین البانی نے اس حدیث کو **السلسلة الصحيحة** میں درج کرنے کے بعد اس سند کو صحیح اور اس کے جملہ رواۃ کو ثقہ قرار دیا ہے۔

امام بیہقی نے عبداللہ بن عمر سے یہ روایت موقوفاً نقل کی ہے، اور اس کے مرفوع طریق پر نقد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ نافع سے یہ روایت مرفوعاً فقط عبداللہ بن عامر ہی بیان کرتے ہیں اور وہ اس لائق نہیں کہ ان کی زیادتی کو قبول کیا جائے۔

ان بیانات سے یہ واضح ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت نافع اور طارق بن شھاب نقل کرتے ہیں، طارق بن شھاب نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت مرفوع نقل کی ہے، جبکہ نافع سے ان کے اکثر شاگرد موقوف اور عبداللہ بن عامر اسلمی مرفوع نقل کرتے ہیں، طارق بن شہاب کے طریق سے عبداللہ بن عمر سے مروی روایت کے صحیح یا ضعیف ہونے میں اختلاف کا سبب حفص بن سلیمان ہے، اس نام کے دو راوی ہیں، ایک کا نام حفص بن سلیمان المنقری ہے، اس کی تاریخ وفات ۱۳۰ ہجری ہے، دوسرے کا نام حفص بن سلیمان المقری ہے اس کی تاریخ وفات ۱۸۰ ہجری ہے، اس نے نوے سال کی عمر پائی ہے، گویا ان دونوں میں تقریباً تیس سال کی باشعور معاصرت ہے۔

علامہ حمدی عبدالمجید السلفی اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ علامہ ہیثمی **مجمع الزوائد** ۱۴۸/۲ میں لکھتے ہیں کہ اس روایت کی سند میں حفص بن سلیمان المنقری ہے اور وہ متروک ہے، امام احمد سے اس کی توثیق اور تضعیف دونوں منقول ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ امام احمد بن حنبل کے دو معارض قول حفص بن سلیمان المنقری کے بارے میں نہیں بلکہ حفص بن سلیمان المقری کے بارے میں ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے عبداللہ بن احمد عن ابیہ کے طریق سے اسے صالح اور ابن ابی حاتم نے عبداللہ عن ابیہ کے طریق سے متروک الحدیث قرار دیا ہے۔ حفص بن سلیمان المنقری کو امام احمد نے صالح کہا ہے، امام بخاری اور امام نسائی نے اس کو توثیق کی ہے، امام ابوحاتم اور ابن قطان نے اس کے بارے میں لابأس بہ کہا ہے(**الجرح والتعديل : ۱۷۲/۲ ؛ بيان الوهم والايهام : ۲۲/۲**)

ان بیانات سے یہ واضح ہوا کہ اگر حفص بن سلیمان المنقری ہے تو پھر یہ روایت صحیح ہے اور علامہ ہیثمی کا اسے متروک قرار دینا درست نہیں، البتہ علامہ ذہبی نے حفص بن سلیمان المقری کے ترجمہ میں اسے قیس بن مسلم کا شاگرد بتایا ہے، زیر مطالعہ روایت حفص بن سلیمان، قیس بن مسلم ہی سے نقل کرتا ہے، اس لیے اس سے تو بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد حفص بن سلیمان المقری ہے، اس پر امام

بخاری، امام شعبہ، ابن خراش، ابن حبان اور علی بن مدینی وغیرہم نے سخت جرح کی ہے، جبکہ دیگر نامور ائمہ نے بھی اس پر نقد کیا ہے، لہٰذا اس سند میں اگر یہی ہے تو پھر روایت ضعیف ہے۔

ان روایات کے معارض آثار بھی منقول ہیں جیسا کہ امام بیہقی نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے وہ چمڑے کے تکیہ پر سجدہ کرتی تھیں۔ اسی طرح انہوں نے عدی بن حاتم سے نقل کیا ہے کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے اور ان کے سامنے ایک ہاتھ کے برابر بلند دیوار تھی جس پر وہ سجدہ کرتے تھے۔ امام بخاری نے اھبان بن اوس سے نقل کیا ہے کہ ان کے گھٹنے میں تکلیف تھی، وہ سجدہ کرتے وقت گھٹنوں کے نیچے تکیہ رکھ لیا کرتے تھے۔

فقہی احکام: (۱) کسی عذر کی بنا پر سجدہ اشارے سے کرنا جائز ہے۔ (۲) اگر زیادہ جھکنا دُشوار ہو تو پھر دیوار یا تکیہ وغیرہ پر سر رکھ کر سجدہ کرنا جائز ہے۔ (۳) عذر کی بنا پر گھٹنے وغیرہ کے نیچے تکیہ رکھنا بھی جائز ہے۔

۸۔ بَابُ سُجُوْدِ السَّهْوِ وَغَيْرِهِ سجدہ سہو وغیرہ کا بیان

[مِنْ سُجُوْدِ التَّلاوَةِ وَ الشُّكْرِ]

۳۲۸: عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُحَيْنَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى بِهِمُ الظُّهْرَ ,فَقَامَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ ,وَلَمْ يَجْلِسْ ,فَقَامَ النَّاسُ مَعَهُ ,حَتّٰى إِذَا قَضَى الصَّلَاةَ ,وَانْتَظَرَ النَّاسُ تَسْلِيمَهُ ,كَبَّرَ وَهُوَ جَالِسٌ .وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ,قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ ,ثُمَّ سَلَّمَ . أَخْرَجَهُ السَّبْعَةُ ,وَهٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِيِّ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ ، يُكَبِّرُ فِي كُلِّ سَجْدَةٍ وَهُوَ جَالِسٌ وَسَجَدَ النَّاسُ مَعَهُ ,مَكَانَ مَا نَسِيَ مِنَ الْجُلُوسِ.

البخاري، كتاب السهو، باب ما جاء في السهو اذا قام من ركعتي الفريضة: ۱۲۲۴، مسلم: ۵۷۰ ابو داود: ۱۰۳۴، الترمذي: ۳۹۱، النسائي: ۱۹/۳، ابن ماجة: ۱۲۰۶، البيهقي: ۳۴۳/۲، ابن خزيمة: ۱۰۳۲، مسند احمد: ۲۲۹۸۱

۳۲۸: حضرت عبداللہ بن بحینة رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کو ظہر کی نماز پڑھائی، آپ ﷺ دو رکعت پڑھ کر بیٹھنے کی بجائے کھڑے ہو گئے، صحابہ بھی آپ ﷺ کے ساتھ کھڑے ہو گئے حتیٰ کہ آپ ﷺ نے نماز مکمل فرما لی، صحابہ سلام پھیرنے کے منتظر تھے، لیکن آپ ﷺ نے بیٹھے ہی اللہ اکبر کہا اور سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے فرمائے، پھر سلام پھیر دیا۔ اسے ساتوں نے روایت کیا ہے اور مذکورہ الفاظ بخاری کے ہیں۔ مسلم کی روایت میں ہے، آپ ﷺ نے بیٹھے بیٹھے ہی سجدہ کیلئے الگ الگ اللہ اکبر کہا اور لوگوں نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ یہ سجدے درمیانے تشہد بھول کر چھوڑنے کی وجہ سے کئے۔

لغوی تحقیق: سھو: سین مفتوح اور ہاء ساکن، کسی چیز کو لاعلمی میں چھوڑ دینا۔

تشریح: رحمت عالم ﷺ کا سہو بھی اُمت کیلئے باعث برکت ہے، اور اگر آپ ﷺ سے سہو کا صدور نہ ہوتا تو اُمت کے افراد سے تو یقیناً سہو ہونا تھا اور اگر آپ ﷺ سے سہو کا صدور نہ ہوتا تو پھر سہو کی تلافی کا طریقہ بھی معرض وجود میں نہ آتا، جبکہ اس کی اشد ضرورت تھی۔ سہو اگرچہ بظاہر صفات محمودہ میں سے نہیں ہے، لیکن اس کا شمار انسانی امتیازات میں ضرور ہوتا ہے، خاص کر جب انسان سہو کی تلافی کر لیتا ہے تو پھر سہو بھی صفات محمودہ میں شامل ہو جاتا ہے، کیونکہ سہو کے صدور پر جب انسان افسردہ ہوتا ہے تو وہ اللہ کے حضور عجز وانکساری کے

عالم میں معذرت پیش کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کو انسان کی یہی حرکت سب سے زیادہ پسند ہے۔اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہو کہ قعدہ اولیٰ فرض نہیں، اگر یہ رہ جائے تو پھر سجدہ سہو سے اس کی تلافی ہو جاتی ہے۔

فقہی احکام: (۱) کسی بھی انسان سے بھول ہو سکتی ہے۔(۲) بھول کی وجہ سے نماز فاسد نہیں ہوتی (۳) درمیانہ تشہد فرض نہیں۔(۴) درمیانے تشہد کی تلافی سجدہ سہو سے ہو جاتی ہے۔(۵) اگر امام درمیانہ تشہد پڑھے بغیر سیدھا کھڑا ہو جائے تو پھر وہ مقتدیوں کے لقمہ دینے پر بھی نہ بیٹھے۔

۳۲۹: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ إِحْدَى صَلَاتِي الْعَشِيِّ رَكْعَتَيْنِ ,ثُمَّ سَلَّمَ ,ثُمَّ قَامَ إِلَى خَشَبَةٍ فِي مُقَدَّمِ الْمَسْجِدِ ,فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَيْهَا ,وَفِي الْقَوْمِ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ ,فَهَابَا أَنْ يُكَلِّمَاهُ ,وَخَرَجَ سَرَعَانُ النَّاسِ ,فَقَالُوا أَقُصِرَتْ الصَّلَاةُ ,وَرَجُلٌ يَدْعُوهُ النَّبِيُّ ﷺ ذَا الْيَدَيْنِ ,فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ,أَنَسِيتَ أَمْ قُصِرَتْ؟ فَقَالَ " لَمْ أَنْسَ وَلَمْ تُقْصَرْ " فَقَالَ بَلَى ,قَدْ نَسِيتَ ,فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ ,ثُمَّ كَبَّرَ ,فَسَجَدَ مِثْلَ سُجُودِهِ ,أَوْ أَطْوَلَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَكَبَّرَ, ثُمَّ وَضَعَ رَأْسَهُ ,فَكَبَّرَ ,فَسَجَدَ مِثْلَ سُجُودِهِ ,أَوْ أَطْوَلَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ وَكَبَّرَ .مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ,وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ ،صَلَاةُ الْعَصْرِ ، وَلِأَبِي دَاوُدَ ، فَقَالَ أَصَدَقَ ذُو الْيَدَيْنِ؟ فَأَوْمَأُوا أَيْ: نَعَمْ وَهِيَ فِي الصَّحِيحَيْنِ لَكِنْ بِلَفْظِ فَقَالُوا وَ فِي رِوَايَةٍ لَهُ وَلَمْ يَسْجُدْ حَتَّى يَقَّنَهُ اللَّهُ ذَلِكَ .

البخاری، کتاب السهو، باب من یکبر فی سجدتی السهو: ۱۲۲۹، مسلم: ۵۷۳، ابوداود: ۱۰۰۸ ـ ۱۰۱۲، الترمذی: ۳۹۸، ۳۹۹، النسائی: ۲۰/۳ ـ ۲۲، ابن ماجة: ۱۲۱۴، مسند احمد: ۲۳۴/۲، الدارمی: ۱۵۰۵

۳۲۹: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے سورج ڈھلنے کے بعد کی دو نمازوں میں سے کسی ایک نماز کی دو رکعات پڑھا کر سلام پھیر دیا اور مسجد کے سامنے رکھی ہوئی لکڑی کے پاس جا کر کھڑے ہو گئے اور اپنا دست مبارک اسی پر رکھ دیا، مقتدیوں میں اس وقت ابوبکر، عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے، یہ دونوں اس سلسلے میں آپ ﷺ سے بات کرنے سے گھبرا رہے تھے اور جلد باز لوگ مسجد سے جا چکے تھے، مسجد میں بیٹھے دیگر لوگ باہم ایک دوسرے سے پوچھنے لگے، کیا نماز میں کمی ہو گئی ہے؟ ان میں سے ایک آدمی جسے رحمت عالم ﷺ (پیار سے) دو ہاتھوں والا کہتے تھے، اس نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ کیا نماز کم ہو گئی ہے یا آپ ﷺ بھول گئے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "نہ نماز کم ہوئی ہے اور نہ مجھ سے بھول ہوئی ہے۔" اس نے عرض کیا: یا حضرت! آپ ﷺ یقیناً، بھول گئے ہیں، پھر آپ ﷺ نے بقیہ دو رکعات پڑھا کر سلام پھیر دیا، پھر اللہ اکبر کہہ کر معمول کے سجدوں کی طرح یا ان سے قدرے لمبا سجدہ فرمایا، پھر آپ ﷺ نے سجدے سے سر اٹھاتے ہوئے اللہ اکبر کہا، پھر آپ ﷺ نے سجدے میں سر رکھا اور اللہ اکبر کہا اور معمول کے سجدوں کے مطابق یا ان سے قدرے لمبا سجدہ فرمایا، پھر آپ ﷺ نے سجدہ سے سر اٹھایا اور اللہ اکبر کہا۔(بخاری و مسلم) یہ الفاظ بخاری کے ہیں، مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ وہ نماز عصر کی تھی۔ابوداؤد میں ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ سے ذوالیدین کی بات کی تصدیق چاہی تو صحابہ نے اشارے سے تصدیق کی۔مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ نے اللہ کی طرف سے یقین ہونے کے بعد سجدہ سہو کیا۔

لغوی تحقیق: **العشی:** عین مفتوح، شین مکسور اور یاء مشدد، زوال آفتاب سے لیکر غروب آفتاب تک کا وقت، اس دورانیہ میں ظہر اور عصر کی نمازیں پڑھی جاتی ہیں۔مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی حدیث میں ظہر کی صراحت بھی مذکور ہے، بخاری کی ایک روایت میں فقط ظہر اور ایک روایت میں ظہر یا عصر، میں سے کوئی ایک ہے۔میرا غالب گمان ہے کہ وہ عصر کی نماز تھی، یہ بھول حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی

تلامذہ سے ہوئی ہے۔ **سرحان:** سین مفتوح اور راء ساکن، سرح سے ماخوذ ہیں یہ مادہ متعدد معنی میں مستعمل ہوا ہے، قرآن حکیم میں یہ مادہ طلاق کے مترادف استعمال ہوا ہے، یہاں اس سے مراد جلد بازی کرنے والے ہیں۔ سین مکسور اور راء ساکن کے ساتھ یہ لفظ بھیڑیے کا معنی دیتا ہے، **ذوالیدین:** دو ہاتھوں والا، یہ ہاتھوں کے لمبا ہونے سے کنایہ ہے، رحمت عالم ﷺ اس صحابی کا عرفی نام پیار سے لیتے تھے، اس صحابی کا اصل نام خرباق بن عمرو رضی اللہ عنہ تھا۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ خطاء ونسیان منصب نبوت کے منافی نہیں لیکن یہ بات ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیا کو خطاء ونسیان پر قائم نہیں رہنے دیتا بلکہ انہیں بہت جلد مطلع کر دیتا تھا، جس سے وہ فوراً اپنی اصلاح فرما لیتے تھے، نیز اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ اگر کوئی شخص بھول کر سلام پھیر لے اور سلام پھیرنے کے بعد باتیں بھی کر لے تب بھی اس کی نماز کا سابقہ حصہ فاسد نہیں ہوگا، البتہ بھول کا یقین ہو جانے کے بعد اگر گفتگو کرتا رہا تو پھر سابقہ نماز بھی فاسد ہو جائے گی۔ صحیحین اور ابوداؤد کی روایات میں بظاہر تضاد ہے، لیکن اس میں مطابقت کی آسان صورتیں موجود ہیں، یعنی آپ ﷺ نے جب ذوالیدین کی تصدیق چاہی تو بعض صحابہ نے سر کے اشارے سے اور بعض نے زبان سے بول کر تصدیق کی۔ بنابریں راوی نے کبھی **فاومؤا** کہا اور کبھی **فقالوا** کہا نیز مطابقت کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اشارہ کلام ہی کے قائم مقام ہے، اس لیے راوی نے اسے قول سے تعبیر کر دیا۔

فقہی احکام: (۱) بھول انسانیت کا وصف ہے۔ (۲) جملہ انبیا سے نسیان کا صدور ہوا ہے اور یہ ان کے انسان ہونے کا عکاس ہے، انبیا عالم الغیب نہ تھے۔ (۳) اگر نماز مکمل ہونے سے پہلے بھول کر سلام پھیر لے یا نماز میں اضافہ ہو جائے تو پھر پہلے دونوں طرف سلام پھیرا جائے اور اس کے متصل بعد سہو کے دو سجدے کئے جائیں۔ (۴) اگر نماز میں کمی واقع ہو جائے تو پھر سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کئے جائیں۔ (۵) ان سجدوں کا طریقہ معمول کے سجدوں کی طرح ہے۔ (۶) جب ایک کام میں بہت سے شریک ہوں تو ایسی صورت میں کسی ایک کی بات کی دوسروں سے تصدیق کروائی جاسکتی ہے۔

۳۳۰: وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى بِهِمْ ,فَسَهَا فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ,ثُمَّ تَشَهَّدَ ,ثُمَّ سَلَّمَ .رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ ,وَالتِّرْمِذِيُّ وَحَسَّنَهُ ,وَالْحَاكِمُ وَصَحَّحَهُ.

ابوداود، کتاب الصلاة، باب سجدتي السهو فيهما تشهد و تسليم: ۱۰۳۹، الترمذی: ۳۹۳، ابن خزیمة: ۱۳۴/۲، الحاکم: ۳۲۴/۱، البیهقی: ۳۵۴/۲، ۳۵۵، فتح الباری: ۹۸/۳

۳۳۰: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں نماز پڑھائی، آپ ﷺ بھول گئے اور آپ ﷺ نے دو سجدے کئے، پھر تشہد پڑھا، سلام پھیرا۔ اسے ابوداؤد، ترمذی اور حاکم نے بیان کیا ہے، امام ترمذی نے اسے حسن اور امام حاکم نے صحیح کہا ہے

تشریح: خالد الحذاء سے یہ روایت ان کے کئی تلامذہ نقل کرتے ہیں، ان سے مروی فقط ایک طریق یعنی اشعث عن محمد بن سیرین میں دو سلاموں کے درمیان تشہد کا ذکر ہے، پھر یہ طریق بھی متعدد الفاظ سے منقول ہے، ایک میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سجدہ سہو کے بعد تشہد پڑھا اور سلام پھیرا، ایک طریق میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کو نماز پڑھائی اور آپ ﷺ بھول گئے اس بنا پر آپ ﷺ نے سلام اور کلام کے بعد سجدہ سہو کیا۔ محمد بن یحییٰ کے طریق سے مروی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کو نماز پڑھائی اور آپ ﷺ اس میں بھول گئے تو آپ ﷺ نے دو سجدے کئے، پھر تشہد پڑھا پھر سلام پھیر دیا۔

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ تشہد کا ذکر کرنے میں اشعث الحمرانی کا تفرد ہے، کیونکہ امام شعبہ، وہیب، ابن علیہ، ثقفی، ہشیم، حماد بن زید

اور یزید بن زریع جب خالد الحذاء سے روایت نقل کرتے ہیں تو وہ تشہد کا ذکر نہیں کرتے، اسی طرح ابن سیرین سے یہ روایت ایوب نقل کرتے ہیں تو وہ بھی تشہد کا ذکر نہیں کرتے، جبکہ ہشیم سے مروی روایت میں تشہد کا ذکر سہو کے سجدوں سے پہلے ہے، ان بیانات سے یہ واضح ہوا کہ تشہد کا ذکر اشعث کی خطا ہے۔ امام بیہقی کی اس تحقیق پر نقد کرتے ہوئے ابن ترکمانی حنفی لکھتے ہیں کہ اشعث ثقہ ہے اور ثقہ کے زائد الفاظ مقبول ہوتے ہیں۔ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ اشعث ثقہ ہے مگر ابن ترکمانی کا یہ قول درست نہیں کہ ثقہ کی زیادتی علی الاطلاق مقبول ہوتی ہے، علم حدیث پر نظر رکھنے والے اس امر سے آگاہ ہیں کہ ثقہ کی زیادتی ہر جگہ مقبول نہیں ہوتی، بلکہ انہیں مقامات پر مقبول ہوتی ہے، جہاں قرائن اس کے مؤید ہوتے ہیں، جبکہ یہاں قرائن اس زیادتی کے خلاف ہیں، لہٰذا یہ زیادتی شاذ ہے، اس زیادتی کے شاذ ہونے پر نامور ماہرین فن کا اتفاق ہے۔

فقہی احکام: سجدہ سہو کرنے کے بعد تشہد پڑھنے کی روایت شاذ ہونے کی وجہ سے ناقابل عمل ہے۔

۳۳۱: وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ ﷺ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ "إِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ ,فَلَمْ يَدْرِ كَمْ صَلَّى أَثَلَاثًا أَوْ أَرْبَعًا؟ فَلْيَطْرَحِ الشَّكَّ وَلْيَبْنِ عَلَى مَا اسْتَيْقَنَ ,ثُمَّ يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ ,فَإِنْ كَانَ صَلَّى خَمْساً شَفَعْنَ لَهُ صَلَاتَهُ ,وَإِنْ كَانَ صَلَّى تَمَامًا كَانَتَا تَرْغِيمًا لِلشَّيْطَانِ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب السهو فی الصلاة و السجود له: ۵۷۱، ابوداود: ۱۰۲۴، النسائی: ۲۷/۳، ابن ماجة: ۱۲۱۰، احمد: ۸۳/۳، الدارقطنی: ۳۷۱/۱، الدارمی: ۱۵۰۲، مؤطا: ۹۵/۱، البیهقی: ۳۳۱/۲

۳۳۱: حضرت ابوسعید خدری ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تم میں سے کسی ایک کو اپنی نماز میں شک گزرے اور اسے معلوم نہ رہے کہ اس نے تین رکعات پڑھیں ہیں یا چار، ایسی صورت میں وہ شک کو نظرانداز کرے اور یقین پر بنا قائم کرے، پھر سلام سے قبل دو سجدے کرے، اگر اس نے پانچ رکعات پڑھی ہونگی تو یہ دونوں سجدے ایک رکعت کے قائم مقام ہو کر رکعات کو جفت بنا دیں گے اور اگر اس نے نماز پوری پڑھی ہوگی تو پھر یہ دونوں سجدے شیطان کے لیے باعث ذلت ہونگے۔"

لغوی تحقیق: **لم یدر**: یاء مفتوح اور دال ساکن، اصل میں یدری تھا، یاء حرف علت، لم حرف جازم کی وجہ سے ساقط ہوگئی یعنی وہ نہیں جانتا۔ **فلیطرح**: پھینک دے۔ **شفعن**: دونوں سجدہ رکعات کو جفت بنا دیں گے۔ **ترغیماً**: رسوائی اور ذلت۔

تشریح: نمازی کو اگر تعداد رکعت میں شک واقع ہو جائے یعنی اسے یہ یقین نہ ہو کہ اس نے چار رکعات پڑھی ہیں یا تین تو اسے اس خیال پر بنیاد رکھنی چاہیے جو غالب ہو، اگر دونوں طرح کے خیالات برابر ہوں تو پھر تین رکعات کو بنیاد بنا کر ایک رکعت اور پڑھ لے اور سلام پھیرنے سے قبل دو سجدے کر لے، اگر اس نے پانچ رکعات پڑھی ہونگی تو یہ دو سجدے ایک مکمل رکعت کا کام دیں گے۔ اس طرح اس کی نماز کے چار فرض اور دو نفل ہو جائیں گے۔ اگر چار رکعات پڑھی ہونگی تو پھر دو سجدے بے خیالی کی وجہ سے پیدا ہونے والے نقصان کو دور کر دیں گے، اس طرح ہر دو صورتوں میں شیطان کی سعی مذمومہ ناکام ہوگی اور وہ ذلیل و خوار ہوگا۔

فقہی احکام: (۱) شک کو ختم کر کے یقین پر بنیاد رکھنی چاہیے۔ (۲) اگر ظن غالب کا فقدان ہو تو پھر کم پر بنیاد رکھی جائے۔ (۳) سجدہ سہو بھول کی تلافی کرنے کے ساتھ ساتھ شیطان کے لیے باعث ذلت بھی ہے۔

۳۳۲: وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ ﷺ قَالَ صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَلَمَّا سَلَّمَ قِيلَ لَهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ,أَحَدَثَ فِي الصَّلَاةِ شَيْءٌ؟ قَالَ " وَمَا ذَلِكَ" قَالُوا صَلَّيْتَ كَذَا ؟ ,قَالَ فَثَنَى رِجْلَيْهِ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ ,فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ,ثُمَّ سَلَّمَ ,ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا

بِوَجْهِهِ فَقَالَ " إِنَّهُ لَوْحَدَثَ فِي اَلصَّلَاةِ شَيْءٌ أَنْبَأْتُكُمْ بِهِ ,وَلَكِنْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ أَنْسَى كَمَا تَنْسَوْنَ ,فَإِذَا نَسِيتُ فَذَكِّرُونِي ,وَإِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ فَلْيَتَحَرَّ اَلصَّوَابَ ,فَلْيُتِمَّ عَلَيْهِ ,ثُمَّ لِيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ ، فَلْيُتِمَّ ,ثُمَّ يُسَلِّمْ ,ثُمَّ يَسْجُدُ وَلِمُسْلِمٍ ،أَنَّ اَلنَّبِيَّ ﷺ سَجَدَ سَجْدَتَي اَلسَّهْوِ بَعْدَ اَلسَّلَامِ وَالْكَلَامِ .

البخاری، کتاب الصلاة، باب توجه نحو القبلة: ۴۰۱، مسلم: ۵۷۲، ابوداود: ۱۰۱۹ ، ۱۰۲۰ ، ۱۰۳۰ ، ۱۰۳۱، الترمذی: ۳۹۲ ، ۳۹۳، النسائی: ۲۹/۳، ابن ماجة: ۱۲۱۱ ، البیهقی: ۳۳۰/۲، ابن خزیمة : ۱۰۲۸

۳۳۲: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی، جب آپ ﷺ نے سلام پھیرا تو آپ ﷺ سے عرض کیا گیا، اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا نماز کی بابت کوئی نیا حکم آیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:"وہ کیسے؟"انہوں نے عرض کیا: آپ ﷺ نے اتنی اتنی نماز پڑھی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے دونوں پاؤں دوہرے کئے اور رُخ انور قبلہ کی طرف فرمایا پھر دو سجدے کئے اور سلام پھیرا، پھر صحابہ کی طرف رُخ انور پھیرتے ہوئے فرمایا:"اگر نماز میں کوئی نیا حکم آتا تو میں تمہیں ضرور آگاہ کرتا، لیکن میں بھی انسان ہوں، جس طرح تم بھول جاتے ہو، میں بھی اسی طرح بھول گیا ہوں، جب میں بھول جاؤں تو تم مجھے یاد دہانی کراؤ، اور جب تم میں سے کوئی نماز کے بارے میں شک میں مبتلا ہو جائے تو درست صورت حال تک پہنچنے کی کوشش کرے ، پھر اسے بنیاد بنا کر نماز مکمل کرے، پھر سلام پھیرے، پھر دو سجدے کرے۔" صحیح مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ نے سلام اور کلام کے بعد سہو کے دو سجدے فرمائے۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث سے واضح ہوا کہ امام اگر بھول جائے تو مقتدی حضرات کو چاہیے کہ وہ **سبحان الله** کہہ کر امام کو اس کی غلطی سے آگاہ کر دیں، اور غلطی میں بھی اس کی اقتدا کریں، نیز اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ سجدہ سہو سلام پھیرنے کے بعد کیا جا سکتا ہے، سجدہ سہو سلام پھیرنے کے بعد کیا جائے یا پہلے؟ اس سلسلے میں صحابہ سے مختلف احادیث منقول ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں خطا و نسیان کی صورت میں سجدہ کرنے کا حکم ہے، لیکن اس میں صراحت نہیں کہ سجدہ سہو سلام پھیرنے سے پہلے کیا جائے یہ بعد، البتہ ابوداؤد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں قبل از سلام کی تعیین ہے، اس طرح حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں قبل از سلام کا ذکر ہے، اسی طرح حضرت بحینہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں بھی قبل از سلام کا ذکر ہے، جبکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں بعد از سلام کا ذکر ہے۔

ان احادیث کے پیش نظر ائمہ میں اختلاف پایا جاتا ہے، اہل علم کے ایک گروہ کا خیال ہے کہ سجدہ سہو قبل از سلام ہونا چاہیے، ایک گروہ کا خیال ہے کہ اس میں اختیار ہے چاہے قبل از سلام کرے یا بعد از سلام۔ امام مالک کا کہنا ہے کہ اگر نماز میں زیادتی واقع ہو جائے تو پھر سجدہ سہو بعد از سلام کیا جائے اور اگر کمی واقع ہو جائے تو پھر قبل از سلام کیا جائے۔

احناف کے نزدیک بعد از سلام کیا جائے۔ جن حضرات کا کہنا ہے کہ قبل از سلام ہی کرنا چاہیے ان کا کہنا کہ بعد از سلام کی حدیث منسوخ ہے، کیونکہ قبل از سلام کا ذکر حضرت ابو ہریرہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما سے مروی احادیث میں ہے، اور یہ دونوں متاخر الاسلام ہیں، راقم کے نزدیک نسخ کا یہ دعویٰ درست نہیں کیونکہ کسی صحابی کے متأخر الاسلام ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کی مرویات ان تمام صحابہ کی مرویات کی ناسخ ہیں جو مقدم الاسلام ہیں۔

فقہی احکام: (۱) سجدہ سہو سلام سے پہلے اور بعد دونوں طرح درست ہیں، تاہم پہلے زیادہ بہتر ہے کیونکہ زیادہ تر احادیث اس کی مؤید

ہیں۔(۲)بعد از سلام ہونے کی صورت میں پہلے دونوں طرف سلام پھیرنا ہوگا، کیونکہ ایک طرف سلام پھیر کر سجدہ سہو کرنا ثابت نہیں۔
(۳)سجدہ سہو کے بعد تشہد پڑھنا درست نہیں۔

۳۳۳:وَلِأَحْمَدَ ,وَأَبِي دَاوُدَ ,وَالنَّسَائِيِّ مِنْ حَدِيثِ عَبْدِالله بْنِ جَعْفَرٍ مَرْفُوعاً "مَنْ شَکَّ فِي صَلَاتِهِ ,فَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ بَعْدَمَا يُسَلِّمُ" وَصَحَّحَهُ اِبْنُ خُزَيْمَةَ.

ابوداود، کتاب الصلاۃ، باب من قال بعد التسلیم: ۱۰۳۳، النسائی: ۳/۳۰، احمد: ۱/۲۰۴، ابن خزیمة: ۲/۱۰۹، ۱۱۶، البیهقی: ۲/۳۳۶

۳۳۳:احمد، ابوداؤد اور نسائی میں حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے مروی مرفوع حدیث میں ہے کہ "جس شخص کو نماز میں شک لاحق ہو جائے وہ سلام پھیرنے کے بعد دو سجدے کرے۔" اس حدیث کو ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے۔

تشریح: یہ روایت مصعب بن شیبہ اور اس کے شیخ کی وجہ سے ضعیف ہے نیز امام ابن خزیمہ نے عبداللہ بن جعفر سے مروی جس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، اس میں صراحت نہیں کہ سجدہ سہو سلام سے پہلے یا بعد کیا جائے، البتہ انہوں نے عبداللہ بن مسعود سے جو حدیث نقل کی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سجدہ سہو سلام کے بعد کیا جائے۔امام ممدوح اس حدیث کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ شک دور کرنے کے بعد زیادہ پر بنیاد رکھی جائے، تو پھر سہو کے سجدے بعد از سلام کئے جائیں اور اگر کم پر بنیاد رکھی جائے تو پھر سلام سے پہلے کئے جائیں۔

فقہی احکام: کم پر بنیاد رکھنی چاہیے کیونکہ یہی احوط ہے۔

۳۳۴:وَعَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ "إِذَا شَکَّ أَحَدُکُمْ ,فَقَامَ فِي الرَّکْعَتَيْنِ ,فَاسْتَتَمَّ قَائِمًا , فَلْيَمْضِ وَلَا يَعُوْدُ ,وَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ ,وَإِنْ لَمْ يَسْتَتِمْ قَائِمًا فَلْيَجْلِسْ وَلَا سَهْوَ عَلَيْهِ" رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ ,وَابْنُ مَاجَة, وَالدَّارَقُطْنِيُّ ,وَاللَّفْظُ لَهُ بِسَنَدٍ ضَعِيفٍ.

الدارقطني، کتاب الصلاۃ، باب الرجوع الی القعود قبل استتمام القیام: ۱/۳۷۸، ابوداود: ۱۰۳۷، ۱۰۳۶، ابن ماجة: ۱۲۰۸، شرح معانی الآثار: ۱/۴۴۰، المجموع: ۴/۱۲۲، ابوداؤد الطیالسی: ۶۹۵، البیهقی: ۲/۳۴۴، الارواء: ۲/۱۱۱

تنبیہ: مؤلف رحمہ اللہ نے مذکورہ روایت کے الفاظ کو امام دارقطنی کی طرف منسوب کیا ہے، لیکن دارقطنی کے مطبوعہ نسخہ میں یہ روایت بعینہٖ ان الفاظ کے ساتھ موجود نہیں، کیونکہ دارقطنی میں فلیمض کے بعد ولا یعود کے الفاظ نہیں ہیں، نیز مؤلف رحمہ اللہ نے فان لم یستتم کے الفاظ نقل کئے ہیں جبکہ دارقطنی میں و ان لم یستتم ہے۔البتہ ابن ماجہ اور ابوداؤد کے مقابلے میں دارقطنی کے الفاظ قریب تر ہیں۔

۳۳۴:حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"تم میں سے کسی ایک کو جب شک گزرے اور وہ دوسری رکعت میں بیٹھے بغیر اٹھ جائے اور وہ بالکل سیدھا کھڑا ہو جائے تو وہ اپنی نماز کو جاری رکھے اور دوبارہ مت بیٹھے اور بعد میں سہو کے دو سجدے کرلے، اور اگر اسے بالکل سیدھا کھڑے ہونے سے پہلے یاد آ جائے تو پھر وہ بیٹھ جائے، اس پر سجدہ سہو نہیں ہے۔" اسے ابوداؤد، ابن ماجہ اور دارقطنی نے روایت کیا ہے۔مذکورہ الفاظ دارقطنی کے ہیں، اس روایت کی سند ضعیف ہے۔

تشریح: اس رویات کا مرکزی راوی جابر بن یزید جعفی ہے، یہ محدثین کے نزدیک سخت ضعیف ہے، امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ میری اس کتاب (سنن ابی داؤد) میں جابر بن یزید جعفی سے مروی یہی ایک روایت ہے۔امام نووی فرماتے ہیں، اس روایت کو امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہ نے ضعیف سند سے نقل کیا ہے۔

یہ روایت جابر بن یزید کے طریق سے تو یقیناً ضعیف ہے، لیکن اس روایت کے بیان کرنے میں قیس بن ربیع اور ابراہیم بن طہمان نے جابر بن یزید کی متابعت کی ہے، نیز مغیرہ بن شعبہ سے عملی طور پر بھی اسی طرح منقول ہے جیسا کہ زید بن علاقہ کا بیان ہے وہ کہتے ہیں کہ مغیرہ بن شعبہ نے ہمیں نماز پڑھائی، جب انہوں نے دو رکعات پڑھ لی تو وہ بیٹھے بغیر سیدھے کھڑے ہو گئے، مقتدی حضرات میں سے کسی نے سبحان اللہ کہا لیکن مغیرہ بن شعبہ نے انہیں اشارے سے کھڑے ہونے کا حکم دیا، اور جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو انہوں نے سلام پھیرا پھر دو سجدے کئے اور پھر سلام پھیرا، اس کے بعد انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے اسی طرح کیا تھا، یہ روایت مسعودی کی وجہ سے ضعیف ہے، یہی روایت ابن ابی لیلیٰ کے طریق سے بھی اسی طرح منقول ہے مگر یہ طریق بھی ابن ابی لیلیٰ کی وجہ سے ضعیف ہے، کیونکہ اس کی یادداشت بہت زیادہ کمزور تھی۔ ان دونوں کی متابعت اگرچہ علی بن مالک نے بھی کی ہے، لیکن یہ مطابقت بھی مفید نہیں کیونکہ یہ شخص بھی ضعیف ہے۔

امام بیہقی نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ وہ سیدھے کھڑے ہونے سے پہلے بیٹھ گئے اس کے باوجود انہوں نے سجدہ سہو کیا تھا۔ علامہ البانی فرماتے ہیں کہ یہ روایت متعدد طریق سے متابعت کی وجہ سے صحیح ہے خاص کر امام طحاوی کا نقل کردہ طریق تو انفرادی طور پر بھی صحیح ہے۔

فقہی احکام: (۱) درمیانہ تشہد نماز کا رکن نہیں۔ (۲) اس کے چھوٹ جانے پر نماز فاسد نہیں ہوتی۔ (۳) اگر سیدھے کھڑے ہونے سے پہلے یاد آ جائے تو فوراً بیٹھ جانا چاہیے، اس صورت میں سجدہ سہو بھی نہیں ہے۔ (۴) اگر کوئی سجدہ سہو کر لے تو کوئی حرج نہیں، اگر سیدھے کھڑے ہو جانے کے بعد یاد آئے تو اسے واپس نہیں بیٹھنا چاہیے، البتہ نماز کے اختتام پر سجدہ سہو کرنا چاہیے۔

۳۳۵: وَعَنْ عُمَرَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ " لَيْسَ عَلَى مَنْ خَلْفَ الْإِمَامِ سَهْوٌ فَإِنْ سَهَا الْإِمَامُ فَعَلَيْهِ وَعَلَى مَنْ خَلْفَهُ " رَوَاهُ الْبَزَّارُ وَالْبَيْهَقِيُّ بِسَنَدٍ ضَعِيفٍ.

البیهقی، کتاب الصلاة، باب من سها خلف الامام دونه لم یسجد للسهو: ۳۹۹۱، الدارقطنی: ۱/۳۷۷

۳۳۵: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ "مقتدی پر سجدہ سہو نہیں، ہاں! اگر امام بھول جائے تو پھر امام اور مقتدی دونوں پر سجدہ سہو ہے۔" اس روایت کو بزار اور بیہقی نے ضعیف سند سے نقل کیا ہے۔

تشریح: اس روایت سے یہ ثابت ہوا کہ اگر مقتدی نماز میں بھول جائے تو اس پر سجدہ سہو نہیں، اور اگر امام بھول جائے تو سب پر سجدہ سہو ہے، لیکن یہ روایت دو علتوں کی وجہ سے انتہائی ضعیف ہے۔ (۱) خارجہ بن مصعب پر ماہرین فن نے سخت جرح کی ہے امام ابن معین اور امام ابو حاتم نے اسے جھوٹا قرار دیا ہے۔ (۲) خارجہ بن مصعب کے استاد ابو حسین المدینی کو امام ابن کثیر اور امام بیہقی نے مجہول قرار دیا ہے۔ اسی مفہوم کی ایک روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی منقول ہے، لیکن وہ روایت بھی عمر بن عمرو عسقلانی کے متروک ہونے کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔

امام بیہقی نے ابو زناد سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں فقہاے مدینہ کا فتویٰ اسی روایت کے مطابق ہے۔ نواب نور الحسن نے لکھا ہے کہ احناف اور شوافع کا مسلک بھی یہی ہے۔

۳۳۶: وَعَنْ ثَوْبَانَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ " لِكُلِّ سَهْوٍ سَجْدَتَانِ بَعْدَمَا يُسَلِّمُ " رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ ,وَابْنُ مَاجَةَ بِسَنَدٍ ضَعِيفٍ.

ابوداود، کتاب الصلاۃ، باب من نسی ......: ۱۰۳۸، ابن ماجۃ: ۱۲۱۹، مسند احمد: ۲۸۰/۵ ،البیھقی: ۳۹۲۹،۳۹۳۰، ۳۹۶۷

۳۳۶: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "ہر بھول پر سلام پھیرنے کے بعد دوسجدے ہیں۔"اس روایت کو ابوداؤداور ابن ماجہ نے ضعیف سند سے روایت کیا ہے۔

تشریح: اس روایت سے یہ واضح ہوا کہ ہر بھول کے بدلے دوسجدے کرنا ضروری ہے،امام بیہقی نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد اسے ضعیف قرار دیا ہے،لیکن ابن ترکمانی حنفی نے امام بیہقی کے قول کو مسترد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام بیہقی کی بیان کردہ علت کمزور ہے، کیونکہ ابن عیاش نے یہ روایت عبید اللہ الکلاعی شامی سے نقل کی ہے جبکہ خود امام بیہقی کے نزدیک ابن عیاش کی شامی محدثین سے مروی روایات صحیح ہیں۔اس میں تو کوئی شک نہیں کہ ابن عیاش کی شامی محدثین سے روایات صحیح ہیں لیکن ابن ترکمانی کا امام بیہقی پر نقد درست نہیں ہے کیونکہ امام بیہقی نے اس روایت کے ضعیف ہونے کی دو دیگر علتیں بھی نقل کی ہیں۔

(۱) عبدالرحمٰن بن جبر اور حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کے مابین انقطاع ہے،اس روایت کو موصولاً فقط عمرو بن عثمان نے نقل کیا ہے، زبیر بن سالم عنسی کو امام دارقطنی نے منکر الحدیث قرار دیا ہے۔

(۲) امام بیہقی نے اس روایت کے ناقابل احتجاج ہونے کی دوسری علت یہ بیان کی ہے کہ یہ روایت حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے مروی صحیح احادیث کے خلاف ہے، نیز امام بیہقی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا :"نماز میں ہر قسم کی کمی وبیشی کیلئے سہو کے دوسجدے ہی کافی ہیں۔"امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اس روایت کو حکیم بن نافع نے نقل کیا ہے، انہیں امام یحییٰ بن معین نے ثقہ قرار دیا ہے۔

اس روایت سے دوسرا مسئلہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ سہو کے سجدے سلام پھیرنے کے بعد ہی کئے جائیں یہ جملہ بھی آپ ﷺ سے مروی قولی اور عملی حدیث کے خلاف ہے

۳۳۷: وَعَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ سَجَدْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِی ﴿إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ﴾ و ﴿اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ﴾ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، باب سجود التلاوۃ: ۵۷۸، الترمذی: ۵۷۸، ابوداود: ۱۴۰۷، النسائی: ۱۶۲/۲، البیھقی: ۳۱۶/۲، ابوعوانۃ: ۲۰۸/۲، البخاری: ۷۶۶-۱۰۷۵، الدارمی: ۳۴۳/۱، ابن خزیمۃ : ۵۵۹، ابن ماجۃ: ۱۰۵۲، ابن حبان: ۲۷۵۹ ، ۲۷۶۱

تنبیہ: (۱) بلوغ المرام کے بعض مطبوعہ نسخوں میں الذی خلق بھی ہے لیکن مسلم کے مطبوعہ نسخہ میں الذی خلق کے الفاظ نہیں،ان الفاظ کے ساتھ اس روایت کو امام ابوداؤد نے نقل کیا ہے۔(۲) ابن خزیمہ کے مطبوعہ نسخہ میں طباعت کی غلطی کی وجہ سے زیر مطالعہ حدیث پر رقم الحدیث:۹۵۵ درج ہو گیا ہے، جبکہ صحیح رقم الحدیث:۵۵۹ ہے، رقم الحدیث کی یہ غلطی محترم شعیب الارنووط سے صحیح ابن حبان کی تخریج میں بھی سرزد ہوئی ہے۔

۳۳۷: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کی اقتدا میں سورۃ انشقاق اور سورۃ علق میں سجدہ تلاوت کیا۔مسلم

تشریح: سجدہ تلاوت ان آیات کے تلاوت کرنے پر ہے جن میں سجدہ کرنے کا حکم یا اس کی رغبت کا ذکر ہے، خواہ یہ تلاوت نماز میں ہو یا نماز کے علاوہ، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ قرآن حکیم کی تلاوت فرماتے وقت جب آیت سجدہ تلاوت فرماتے تو آپ ﷺ سجدہ فرماتے اور ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ سجدہ کرتے تھے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث

میں ہے کہ ابن آدم جب آیت سجدہ تلاوت کے بعد سجدہ کر کے فارغ ہوتا ہے تو شیطان کف افسوس ملتے ہوئے کہتا ہے، ہائے افسوس! ابن آدم کو سجدہ کرنے کا حکم ملا تو اس نے سجدہ کرلیا، اوراس کے بدلے میں اس کیلئے جنت ہے، مجھے حکم ملا تو میں نے انکار کردیا، میرے لئے آگ ہے۔ ان روایات کے پیش نظر جمہور علما نے کہا کہ سجدہ تلاوت قاری اور سامع دونوں کیلئے سنت ہے۔ جبکہ احناف کے نزدیک واجب ہے، قرآن حکیم میں موجود سجدوں کی تعداد کے بارے میں اہل علم باہم مختلف آراء رکھتے ہیں، امام شافعی کے نزدیک ان کی تعداد گیارہ، احناف کے نزدیک چودہ اور حنابلہ کے نزدیک پندرہ ہے۔

فقہی احکام: سجدہ تلاوت امام اور مقتدی، قاری وسامع دونوں کیلئے مسنون ہے۔

۳۳۸: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ ﴿ص﴾ لَيْسَتْ مِنْ عَزَائِمِ السُّجُودِ ,وَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَسْجُدُ فِيهَا. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

البخاری، کتاب السجود القرآن، باب سجدة ص: ۱۰۶۹، ابوداود: ۱۴۰۹، عبد الرزاق: ۳۳۷/۳، النسائی: ۱۵۹/۲، ابن خزیمة: ۵۵۱، بیھقی: ۳۸۴۳، ابن حبان: ۳۵۴، ۲۷۶۶، البیھقی: ۳۱۸/۲، المجموع: ۶۱/۴، الدارقطنی: ۴۰۷/۱، الطبرانی: ۱۲۳۸۶/۱۲، الترمذی: ۵۸۲

۳۳۸: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سورۃ ص میں مذکور سجدہ ان سجدوں میں نہیں ہے جن کا کرنا ضروری ہے البتہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ سجدہ کرتے دیکھا ہے۔ (بخاری)

لغوی تحقیق: عزائم: یہ عظیمة کی جمع ہے یعنی وہ امور جن کا کرنا ضروری ہے، حدیث میں یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: "ان اللہ یحب ان تؤتی رخصه کما یحب ان تؤتی عزائمة: یعنی اللہ تعالی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کی طرف سے عطا کردہ رخصتوں کو اختیار کیا جائے جیسا کہ وہ چاہتا ہے کہ اس کی طرف سے عائد کردہ فرائض کی تکمیل کی جائے۔"

تشریح: سورۃ ص کی جس آیت میں حضرت داؤد علیہ السلام کے سجدہ کرنے کا ذکر ہے اس میں یا اس کے بعد کسی آیت میں مخاطبین کو نہ تو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور نہ اس کی رغبت دلائی گئی ہے، فقط خبر کے انداز میں یہ بتایا گیا ہے، حضرت داؤد علیہ السلام فوراً سجدے میں گر گئے، رحمت عالم ﷺ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے عمل کی یاد کو تازہ رکھنے کیلئے سجدہ فرمایا جیسا کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے اسی دوران آپ ﷺ نے سورۃ سجدہ کی تلاوت فرمائی، جب آپ ﷺ سجدہ والی آیت پر پہنچے تو آپ ﷺ منبر سے نیچے تشریف لائے اور سجدہ فرمایا، صحابہ نے بھی آپ ﷺ کی اقتدا میں سجدہ فرمایا، دوسرے دن آپ ﷺ نے پھر سورۃ ص کی تلاوت فرمائی، آپ ﷺ جب سجدہ والی آیت پر پہنچے تو صحابہ سجدہ کرنے کیلئے جھکے، رحمت عالم ﷺ نے فرمایا: "یہ سجدہ اللہ کے نبی داؤد کی توبہ کا سجدہ ہے لیکن میں تمہیں دیکھ رہا ہوں کہ تم سجدے کیلئے جھکے ہو۔" (اس کے بعد) آپ ﷺ نیچے تشریف لائے اور سجدہ فرمایا، صحابہ نے بھی سجدہ فرمایا۔ امام نووی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوع حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سورۃ ص کا سجدہ کیا اور فرمایا: "حضرت داؤد علیہ السلام نے تو یہ سجدہ بطور توبہ کیا تھا اور ہم اظہار تشکر کیلئے کرتے ہیں۔" امام نووی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اس کے ضعیف ہونے کی علت حجاج بن محمد کا اختلاط ہے، لیکن حجاج بن محمد کی متابعت عبداللہ بن بدیع، معمر اور محمد بن الحسین نے کی ہے۔

فقہی احکام: سورۃ ص کا سجدۃ بھی مسنون ہے۔

۳۳۹: وَعَنهُ أَنَّ اَلنَّبِيَّ ﷺ سَجَدَ بِ﴿النَّجْمِ﴾ رَوَاهُ اَلْبُخَارِيُّ.

البخاری، کتاب سجود القرآن، باب سجود المسلمین مع المشرکین: ۱۰۷۱، الترمذی: ۵۸۰، الدارقطنی: ۱/ ۴۰۹، البیهقی: ۳۱۴/۲، ابن حبان: ۲۷۶۲ - ۲۷۶۴، احمد: ۱۸۶/۵، الدارمی: ۲۴۳/۲، ابن خزیمة : ۵۶۸

۳۳۹: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے سورۃ نجم کا سجدہ فرمایا۔ (بخاری)

تشریح: اس حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ سورۃ نجم کا سجدہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مسلمانوں کے علاوہ مشرکین اور انسانوں کے علاوہ جنات نے بھی کیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے سورۃ نجم کی تلاوت فرمائی اور سجدہ فرمایا، آپ ﷺ کے ساتھ تمام اقوام (مسلمان اور مشرکین) نے سجدہ کیا ماسوا ایک شخص کے کہ اس نے کھڑے کھڑے اپنی پیشانی پر مٹی مل لی اور کہا میرے لیے یہی کافی ہے۔

فقہی احکام: سورۃ نجم کا سجدہ بھی مسنون ہے۔

۳۴۰: وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَرَأْتُ عَلَى اَلنَّبِيِّ ﷺ ﴿اَلنَّجْمِ﴾ فَلَمْ يَسْجُدْ فِيهَا. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب سجود القرآن، باب من قرأ السجدة و لم یسجد: ۱۰۷۳، مسلم: ۵۷۷، ابوداود: ۱۴۰۴، النسائی: ۲/ ۱۶۰، الترمذی: ۵۸۱

۳۴۰: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو سورۃ نجم کی تلاوت سنائی لیکن آپ ﷺ نے سجدہ نہیں فرمایا۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ سجدہ تلاوت واجب نہیں ہے، کیونکہ اگر سجدہ تلاوت واجب ہوتا تو آپ ﷺ ضرور فرماتے

فقہی احکام: سجدہ تلاوت واجب نہیں۔

۳۴۱: وَعَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ رضی اللہ عنہ قَالَ ، فُضِّلَتْ سُورَةُ اَلْحَجِّ بِسَجْدَتَيْنِ .رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ فِي اَلْمَرَاسِيلِ .

المراسیل: ۷۸، ابن ابی شیبة: ۴۶۳/۱، البیهقی: ۳۸۳۱-۳۸۴۱

۳۴۱: حضرت خالد بن معدان رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "سورۃ حج کو دو سجدوں کی وجہ سے فضیلت دی گئی ہے۔" اسے ابوداؤد نے مراسیل میں روایت کیا ہے۔

لغوی تحقیق: فضلت: فاء مضموم، ضاد مشدد مکسور اور آخر میں تاء ساکن ہے، فضیلت دی گئی۔ المراسیل: میم مفتوح، مرسل کی جمع ہے، وہ روایت جسے تابعی یا تبع تابعی رسول اللہ ﷺ سے براہ راست نقل کرے۔ امام ابوداؤد نے مراسیل کے نام سے ایک کتاب تحریر کی ہے جس میں انہوں نے اسی قسم کی روایات جمع کی ہیں۔

تشریح: اس روایت کے مرسل ہونے کی وجہ یہ ہے خالد بن معدان الکلاعی تیسرے طبقہ کا راوی ہے یہ فی نفسہ ثقہ ہے لیکن اس کی مرویات اکثر مرسل ہی ہیں۔ اس وجہ سے نا قابل احتجاج ہیں، امام بیہقی نے خالد بن معدان عن جبیر بن نفیر عن ابی درداء کے طریق سے موصولاً بھی بیان کیا ہے۔ امام بیہقی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی موصول طریق کو صحیح قرار دیا ہے۔

۳۴۲: وَرَوَاهُ أَحْمَدُ ,وَالتِّرْمِذِيُّ مَوْصُولًا مِنْ حَدِيثِ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ ,وَزَادَ ، فَمَنْ لَمْ يَسْجُدْهُمَا ,فَلَا يَقْرَأْهَا وَسَنَدُهُ ضَعِيفٌ .

الترمذی، ابواب السفر، باب فی السجدة فی الحج: ۵۸۳، احمد: ۱۷۴۱۷، ابوداود: ۱۴۰۲، البیھقی: ۳۸۳۰۔۳۸۳۵، ابن ابی شیبة: ۴۶۳/۱

۳۴۲: اسے احمد اور ترمذی نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے موصولاً بیان کیا ہے اور اس میں یہ الفاظ مزید نقل کیے ہیں "جو شخص یہ دونوں سجدے نہیں کرتا وہ اس سورۃ کی تلاوت مت کرے۔" اس کی سند ضعیف ہے۔

تشریح: یہ روایت عبداللہ بن لھیعہ ہی کے طریق سے موصولاً مذکور ہے موصوف مختلط ہونے کی وجہ سے ضعیف ہیں، علامہ عبدالحق اشبیلی نے اسے سخت ضعیف قرار دیا ہے، امام نووی فرماتے ہیں کہ اس کے مختلط ہونے کی وجہ سے تمام ماہرین فن کا اس کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے، امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ اس کی عقبہ سے مروی روایات منکر ہیں، علامہ عبدالعزیز بن باز نے **ومن لم یسجد ھما فلا یقرأھما** کو سخت ضعیف قرار دیا ہے، البتہ سورۃ حج میں دو سجدوں کا پایا جانا ثابت ہے، جیسا کہ عبداللہ بن ثعلبہ سے منقول ہے، انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں صبح کی نماز پڑھی، انہوں نے سورۃ حج میں دو سجدے کئے۔ اسی طرح نافع سے منقول ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سورۃ حج میں دو سجدے کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس سورۃ کو دو سجدوں کی وجہ سے فضیلت دی گئی ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی کی مثل منقول ہے۔

فقہی احکام: (۱) سورۃ حج کے دونوں سجدے کرنا مسنون ہیں۔ (۲) سجدہ سورۃ کی فضیلت کا ایک ذریعہ ہے۔

۳۴۳: وَعَنْ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا نَمُرُّ بِالسُّجُودِ فَمَنْ سَجَدَ فَقَدْ أَصَابَ ,وَمَنْ لَّمْ يَسْجُدْ فَلاَ إِثْمَ عَلَيْهِ .رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَفِيهِ ، إِنَّ اللَّهَ لَمْ يَفْرِضِ السُّجُودَ إِلَّا أَنْ نَشَاءَ وَهُوَ فِي الْمُوَطَّأَ .

البخاری، کتاب السجود القرآن، باب من رای ان اللہ عزجل لم یوجب السجود: ۱۰۷۷، المؤطا: ۱۳۹، عبد الرزاق: ۳۴۱/۳، البیھقی: ۳۸۶۱

تنبیہ: بلوغ المرام کا وہ نسخہ جو جمیعہ احیاء التراث الاسلامی والوں نے محترم صفی الرحمٰن مبارکپوری کی تعلیق سے شائع کیا ہے اس میں "ان یشاء" ہے، جبکہ بلوغ المرام کے دیگر مطبوعہ نسخوں میں "ان نشاء" مولانا عبدالوکیل علوی نے اس نسخہ کا مع تعلیق ترجمہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بعض نسخوں میں "ان یشاء" کی جگہ "ان نشاء" جمع کے صیغہ سے بھی منقول ہے۔ راقم نے بلوغ المرام کے جتنے بھی مطبوعہ نسخے دیکھے ہیں ان سب میں "ان نشاء" ہی ہے ماسوا زیر بحث نسخہ کے۔ بخاری، مؤطا، بیہقی اور مصنف عبدالرزاق میں جو اس روایت کے اصل مراجع و مصادر ہیں ان میں بھی "ان نشاء" ہی ہے۔ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں بھی "ان نشاء" ہی نقل کیا ہے اور اس کے کسی دوسرے نسخہ کی طرف اشارہ نہیں فرمایا۔ اس طرح صاحب سبل السلام اور صاحب فتح العلام نے بھی کسی دوسرے نسخہ کا عندیہ نہیں دیا، ہاں البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اکثر نسخوں میں "ان نشاء" اور کسی ایک میں "ان یشاء" ہے۔ (۲) ان اللہ کے بعد بعض نسخوں میں تعالیٰ ہے اور بعض میں نہیں ہے، اس لفظ کی عدم موجودگی ہی درست ہے کیونکہ مصادر و مراجع میں یہ لفظ موجود نہیں۔

۳۴۳: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے لوگو! ہم آیات سجدہ کی تلاوت کرتے ہیں جس نے آیت سجدہ پر سجدہ کیا اس نے درست کام کیا اور جس نے سجدہ نہ کیا اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اس روایت کو امام بخاری نے روایت کیا ہے اور اس میں یہ الفاظ بھی ہیں: بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے سجدے فرض نہیں کیے، البتہ اگر ہم چاہیں تو کرلیں۔ اور مؤطا میں بھی اسی طرح ہے۔

تشریح: حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن منبر پر سورۃ نحل کی تلاوت فرمائی، جب وہ آیت سجدہ پر پہنچے تو نیچے اترے اور سجدہ کیا، لوگوں نے بھی سجدہ کیا، جب دوسرا جمعہ آیا تب بھی انہوں آیت سجدہ تلاوت کی، لوگ سجدہ کرنے کیلئے تیار

ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اے لوگو! ہم آیات سجدہ تلاوت کرتے ہیں جس نے سجدہ کیا اس نے درست کام کیا اور جس نے نہ کیا اس پر کوئی گناہ ہے۔

اس کے بعد امام بخاری اور امام عبدالرزاق نے عبداللہ بن عمر کا قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا، اللہ نے ہم پر سجدہ فرض نہیں کیا، البتہ ہم چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ امام مالک نے دونوں قول حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کئے ہیں۔ امام بخاری نے حضرت عمر اور ان کے لخت جگر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے قول نقل کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ سجدہ تلاوت واجب نہیں۔

فقہی احکام: (۱) سجدہ تلاوت واجب نہیں۔ (۲) کسی شرعی عذر کی وجہ سے دوران خطبہ منبر سے نیچے اترا جا سکتا ہے۔

(۳) جمعہ کے خطبہ کے دوران سجدہ تلاوت کیا جا سکتا ہے۔

۳۴۴: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ كَانَ اَلنَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ عَلَيْنَا اَلْقُرْآنَ ,فَإِذَا مَرَّ بِالسَّجْدَةِ ,كَبَّرَ ,وَسَجَدَ ,وَسَجَدْنَا مَعَهُ .رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ بِسَنَدٍ فِيهِ لِينٌ .

ابوداود، کتاب الصلاۃ، باب فی الرجل یسمع السجدۃ و ھو راکب: ۱۴۱۳، عبد الرزاق: ۳۴۵/۳ - ۳۵۰، المجموع: ۶۴/۴، الحاکم: ۲۲۲/۱، ابن ابی شیبۃ: ۱۲/۲

۳۴۴: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہمیں قرآن حکیم کی تلاوت سناتے تھے، جب آپ ﷺ آیت سجدہ پر پہنچتے تو اللہ اکبر کہتے اور سجدہ فرماتے اور ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ سجدہ کرتے تھے۔ اسے ابوداؤد نے کمزور سند سے نقل کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سجدہ تلاوت کرتے وقت اللہ اکبر بھی کہنا چاہیے، سجدہ تلاوت سے متعلق اس روایت کے علاوہ دیگر جتنی بھی روایات منقول ہیں، ان میں سے کسی ایک روایت میں بھی تکبیر کہنے کا ذکر نہیں، بنا بریں اس روایت کو امام عبدالرزاق اور امام ابوداؤد نے پسند کیا ہے۔ یہ روایت امام ابوداؤد نے عبداللہ بن عمر العمری کے طریق سے نقل کی ہے، موصوف محدثین کے نزدیک متکلم فیہ ہیں، اس لئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس روایت کی سند کو کمزور قرار دیا ہے، جبکہ امام حاکم نے یہی روایت عبیداللہ بن عمر العمری کے طریق سے نقل کی ہے، ممدوح ثقہ ہیں یعنی عبیداللہ اور عبداللہ دونوں حقیقی بھائی ہیں ان دونوں کے مشائخ بھی تقریباً مشترک ہیں، ان میں عبیداللہ ثقہ اور عبداللہ ضعیف ہے، عبداللہ سے مروی روایت میں تکبیر کا ذکر ہے، جبکہ عبیداللہ سے مروی روایت میں تکبیر کا ذکر نہیں، اس لئے یہاں عبیداللہ کی متابعت مفید نہیں بلکہ عبداللہ سے مروی روایت کے ضعف میں مزید اضافہ کرتی ہے۔

کیونکہ اللہ اکبر کے الفاظ نقل کرنے میں عبداللہ ضعیف نے عبیداللہ ثقہ کی مخالفت کی ہے، البتہ عطا بن سائب سے مروی روایت میں ہے کہ ہم عبدالرحمٰن سلمی کی موجودگی میں تلاوت کرتے تھے اور جب وہ آیت سجدہ تلاوت کرتے تھے تو اللہ اکبر کہتے، اشارہ کرتے اور سلام پھیرتے ان کا یہ خیال ہے کہ ابن مسعود بھی ایسے ہی کرتے تھے۔ یہ اثر بھی ضعیف ہے کیونکہ عطا بن سائب اختلاط کا شکار ہو گئے تھے معلوم نہیں کہ ان کے شاگرد عبدالسلام نے ان سے یہ روایت اختلاط سے پہلے سنی ہے یا بعد میں؟

امام عبدالرزاق نے ابن سیرین اور ابو قلابہ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ سجدہ تلاوت کرتے وقت اللہ اکبر اور فارغ ہوتے وقت سلام پھیرتے تھے۔ نیز علی الاطلاق جھکتے اور اٹھتے وقت اللہ اکبر کہنا ثابت ہے۔

فقہی احکام: سجدہ تلاوت کے لیے اللہ اکبر کہنا چاہیے۔

۳۴۵: وَعَنْ أَبِي بَكْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ اَلنَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا جَاءَهُ أَمْرٌ يَسُرُّهُ خَرَّ سَاجِداً لِلَّهِ .رَوَاهُ اَلْخَمْسَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ.

ابو داود، کتاب الجهاد، باب فی سجود الشکر: ۲۷۷۴، الترمذی: ۱۵۷۸، ابن ماجۃ: ۱۳۹۴، احمد: ۴۵/۵، البیھقی: ۳۷۰/۲، الدارقطنی: ۴۱۰/۱، التنقیح: ۴۰۰/۱، المجموع: ۶۸/۴

۳۴۵: حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ کو جب کوئی خوشخبری ملتی تو آپ ﷺ اللہ کے حضور سربسجود فرماتے۔ اسے ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور احمد نے روایت کیا ہے۔

تشریح: اس روایت کا مرکزی راوی بکار بن عبدالعزیز ہے، اسے امام ترمذی، یعقوب بن سفیان، ابن عبدالھادی، امام نووی، حافظ عبدالحق اشبیلی نے ضعیف قرار دیا ہے، امام یحیٰ بن معین اور امام بزار نے اس کی توثیق بھی کی ہے اور اسے ضعیف بھی کہا ہے، لیکن اس کی مؤید روایت موجود ہے۔

فقہی احکام: کسی بھی اچھی خبر پر سجدہ شکر ادا کرنا مسنون ہے۔

۳۴۶: وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ رضی اللہ عنہ قَالَ سَجَدَ النَّبِيُّ ﷺ فَأَطَالَ السُّجُودَ ,ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ وَقَالَ "إِنَّ جِبْرِيلَ آتَانِي ,فَبَشَّرَنِي ,فَسَجَدْتُ لِلَّهِ شُكْرًا" رَوَاهُ أَحْمَدُ ,وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ .

احمد: ۱۹۱/۱، البیھقی: ۳۷۱/۲، الحاکم: ۵۵۰/۱، البزار: ۲۱۹/۳، ۲۲۰

۳۴۶: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے سجدہ کیا اور خوب لمبا سجدہ کیا، پھر سجدہ سے سر اُٹھایا اور فرمایا: "میرے پاس جبریل خوشخبری لیکر آیا تھا اس لیے میں نے اللہ کے حضور سجدہ شکر ادا کیا ہے" اسے احمد نے روایت کیا ہے اور حاکم نے صحیح کہا ہے

تشریح: یہ روایت تفصیلاً اس طرح ہے کہ رحمت عالم ﷺ باہر نکلے، میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ ہو گیا، آخر کار آپ ﷺ ایک باغ میں داخل ہو گئے اور وہاں لمبا سجدہ فرمایا، میں آپ ﷺ کے بارے میں متفکر ہوا اور آپ ﷺ کے قریب ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: "جبرائیل نے مجھے یہ بشارت سنائی ہے کہ آپ ﷺ کے رب کا یہ فرمان ہے کہ جو آپ ﷺ پر درود بھیجے گا اس پر میں رحمتیں نازل کروں گا اور جو آپ ﷺ پر سلام بھیجے گا، اس پر میں امن وسلامتی نازل کروں گا۔" یہ بشارت سن کر رحمت عالم ﷺ نے اللہ کے حضور سجدہ شکر ادا کیا۔ اس روایت کو امام حاکم نے صحیح کہا ہے اور امام ذہبی نے اس پر مہر تصدیق ثبت کی ہے۔ علامہ البانی نے الارواء میں **صحیح لغیرہ** قرار دیا ہے۔ لیکن راقم کے نزدیک اس میں دو علتیں ہیں (۱) عبدالواحد بن محمد کا حال معلوم نہیں عمرو بن ابی عمرو وہم کا شکار پائے گئے ہیں۔

۳۴۷: وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَعَثَ عَلِيًّا إِلَى الْيَمَنِ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ قَالَ فَكَتَبَ عَلِيٌّ رضی اللہ عنہ بِإِسْلَامِهِمْ ,فَلَمَّا قَرَأَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْكِتَابَ خَرَّ سَاجِدًا .رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ وَأَصْلُهُ فِي الْبُخَارِيِّ .

البیھقی: ۴۰۳۸۔ ۴۰۴۲، ابوداود: ۲۷۷۵، البخاری: ۴۳۴۹۔ ۴۴۱۸، ابن ماجۃ: ۱۳۹۲، النسائی: ۱۵۹/۲، احمد: ۱۰۷/۱

۳۴۷: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا، راوی نے حدیث بیان کرتے ہوئے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی مکرم ﷺ کو اہل یمن کے اسلام قبول کرنے کی تحریری اطلاع دی، رسول اللہ ﷺ نے جب مکتوب علی پڑھا تو آپ ﷺ اللہ کا شکر ادا کرنے کیلئے اس کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے۔ اسے بیہقی نے روایت کیا ہے اور اس بارے میں مختصر روایت بخاری میں ہے۔

لغوی تحقیق: الکتاب: بمعنی مکتوب یعنی خط۔

تشریح: امام بیہقی نے زیرِمطالعہ حدیث دوطرق سے نقل کی ہے دونوں طرق کا مرکزی راوی ابواسحاق السبیعی ہے، موصوف معروف مدلس ہیں اور روایت معنعن ہے اس لئے ضعیف ہے۔ صحیح بخاری میں بھی یہ حدیث ابواسحاق السبیعی کے طریق سے منقول ہے، مگر اس میں سجدہ شکر کا ذکر نہیں ہے، مؤلف ؒ نے اسی مختصر روایت کو زیرِمطالعہ روایت کی اصل قرار دیا ہے۔ نیز بخاری میں کعب بن مالک کا اثر منقول ہے جس میں یہ صراحت ہے کہ انہوں نے اپنی توبہ قبول ہونے پر سجدہ شکر ادا کیا تھا۔ اس طرح حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت انس بن مالک ؓ سے بھی سجدہ شکر ادا کرنے کے آثار منقول ہیں، جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سجدہ شکر ادا کرنا مسنون و مستحب ہے۔

۹۔ بَابُ صَلَاةِ التَّطَوُّعِ نفلی نماز کا بیان

۳۴۸: عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ كَعْبٍ الْأَسْلَمِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ، قَالَ لِيَ النَّبِيُّ ﷺ " سَلْ " فَقُلْتُ أَسْأَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ فَقَالَ " أَوَغَيْرَ ذَلِكَ؟" قُلْتُ هُوَ ذَاكَ قَالَ " فَأَعِنِّي عَلَى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ " رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، کتاب الصلاۃ، باب فضل السجود و الحث علیہ: ۴۸۸، ۴۸۹، ابو داود: ۱۳۲۰، النسائی: ۲/۲۲۷، البیہقی: ۴۸۶/۲، احمد: ۵۹/۴

۳۴۸: ربیعہ بن مالک اسلمی بیان کرتے ہیں کی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بتا تجھے کیا چاہیے؟" میں نے عرض کیا، جنت میں جناب کا ساتھ مطلوب ہے، ارشاد ہوا" کیا اس کے علاوہ کچھ اور چاہیے؟" میں نے عرض کیا، وہی کافی ہے۔ ارشاد ہوا" حصول مراد کیلئے سجود سے میری مدد کرو۔"

لغوی تحقیق: تطوع: ایسا نیک عمل جو فرض نہ ہو، لیکن رحمت عالم ﷺ کی طرف سے مشروع ہو، بدعت اور نفل میں بنیادی فرق یہ ہے کہ نفل آپ ﷺ کی طرف سے مشروع ہوتا ہے اور بدعت خود ساختہ ہوتی ہے۔ سل: طلب کریں۔ مرافقتک: آپ ﷺ کا ساتھ۔ **فاعنی علی نفسک**: تمنا کے حصول کے لیے میری مدد کر۔

تشریح: اس میں کوئی شک نہیں کہ یہاں کثرت سجود سے مراد محض سجدے نہیں، بلکہ مکمل نماز ہے، سجدہ، رکوع اور فاتحہ، نماز کے اجزائے اعظم ہیں، یہی وجہ ہے کہ رحمت عالم ﷺ نے نماز کو ان اجزا سے تعبیر فرمایا ہے، مؤلف ؒ نے کثرت سجود سے مراد نفلی نماز لی ہے اس لیے انہوں نے اسے اس باب کے تحت نقل کیا ہے، زیرِمطالعہ حدیث مشروع نوافل کی اہمیت کو خوب اجاگر کرتی ہیں، یعنی جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اسے جنت میں رحمت عالم ﷺ کا ساتھ میسر آئے اسے فرائض کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ مشروع نفلی نماز بھی باقاعدگی سے پڑھنا چاہیے، خاص کر نماز ظہر کی چھ رکعات (چار ظہر سے پہلے اور دو بعد) مغرب اور عشا کے بعد دو دو رکعات اور دو رکعات نماز فجر سے قبل، انہیں ہمیشہ ادا کرنا چاہیے، حضرت ثوبان اور حضرت ابودرداء ؓ سے مروی احادیث میں کثرت سجود کو سب سے پسندیدہ عمل قرار دیا گیا ہے۔

فقہی احکام: (۱) کثرت سجود درجات کی بلندی کا ذریعہ ہیں۔ (۲) فقط وہی نفلی نماز درجات کی بلندی کا ذریعہ ہے جو رحمت عالم ﷺ کی طرف سے مشروع ہے۔ (۳) رحمت عالم ﷺ کی سفارش فقط متبع سنت کیلئے درجات کی بلندی کا سبب بنے گی۔ (۴) جنت میں رحمت عالم ﷺ کا ساتھ ایک بہت بڑی سعادت ہے۔ (۵) بڑوں کی خدمت اور ان کو وضو کروانا باعث سعادت ہے۔ (۶) سجدوں کو قیام کی طرح

لمبا کرنا باعث فضیلت ہے۔ (۷) حالت سجدہ میں بندہ رب کے قریب تر ہوتا ہے اس لیے سجدہ میں خوب استغفار کرنا چاہیے۔

۳۴۹: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ حَفِظْتُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ عَشْرَ رَكَعَاتٍ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ ,وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا ,وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ فِي بَيْتِهِ ,وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ فِي بَيْتِهِ ,وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الصُّبْحِ . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لَهُمَا وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْجُمُعَةِ فِي بَيْتِهِ .

البخاری، کتاب التهجد، باب الرکعتین قبل الظهر: ۱۱۸۰، باب التطوع فی البیت: ۱۱۸۷، مسلم: ۷۲۹، ابوداود: ۱۲۵۲، الترمذی: ۴۳۳، النسائی: ۱۱۹/۲، البیهقی: ۴۷۱/۲

۳۴۹: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مجھے رحمت عالم ﷺ کی دس (نفلی) رکعات یاد ہیں، ظہر سے پہلے اور بعد دو دو رکعات، مغرب کے بعد دو رکعات اپنے گھر میں، عشاء کے بعد دو رکعات اپنے گھر میں، اور دو رکعات فجر کی نماز سے پہلے۔ (بخاری و مسلم) ان دونوں کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جمعہ کے بعد دو رکعات اپنے گھر میں۔

تشریح: اس روایت میں اگرچہ دس رکعات کا ذکر ہے لیکن دیگر روایات میں بارہ کا ذکر ہے۔ ان دونوں کے درمیان مطابقت کی صورت یہ ہے کہ اگر ظہر کی نماز سے پہلے کم وقت میسر آئے تو پھر دو رکعات پڑھ لی جائیں ورنہ چار پڑھی جائیں، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنی نماز کا کچھ حصہ (نفلی نماز) اپنے گھروں میں بھی پڑھ لیا کرو۔

فقہی احکام: (۱) نفلی نماز گھر میں پڑھی جا سکتی ہے اور مسجد میں بھی۔

(۲) قبرستان میں نماز پڑھنا ممنوع ہے، فجر، مغرب، عشا اور جمعہ کی نفلی رکعات گھر میں پڑھنا افضل ہے۔

۳۵۰: وَلِمُسْلِمٍ ، كَانَ إِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ لَا يُصَلِّي إِلَّا رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ .

مسلم، کتاب صلاة المسافرین و قصرها، باب استحباب رکعتی الفجر: ۷۲۳، البخاری: ۱۱۷۳

۳۵۰: صحیح مسلم میں ہے کہ فجر طلوع ہو جاتی تو آپ ﷺ صرف ہلکی سی دو رکعات ادا فرماتے۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بہن ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے واسطے سے نقل کی ہے۔

فقہی احکام: (۱) نماز تہجد میں خوب لمبا رکوع و سجود اور قیام کیا جائے جبکہ فجر کی نماز سے پہلے دو رکعات ہلکی پڑھیں جائیں۔

(۲) فجر کی سنتیں گھر میں پڑھنا افضل ہے۔

۳۵۱: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ لَا يَدَعُ أَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْغَدَاةِ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ .

البخاری، کتاب التهجد، باب الرکعتین قبل الظهر: ۱۱۸۲، ابوداود: ۱۲۵۳، البیهقی: ۴۷۲/۲، النسائی: ۲۵۱/۱، احمد: ۶۳/۶، الدارمی: ۱۴۳۹

۳۵۱: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے ظہر سے پہلے چار رکعات اور فجر سے پہلے دو رکعات کبھی ترک نہیں کیں۔

لغوی تحقیق: لا یدع: نہیں چھوڑتے تھے۔

تشریح: حضرت ابن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایات میں بظاہر تعارض نظر آتا ہے لیکن درحقیقت کوئی تعارض نہیں کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنا مشاہدہ نقل کیا ہے، اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنا مشاہدہ نقل کیا ہے یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں آپ ﷺ نے ظہر سے قبل ہمیشہ چار رکعت ہی ادا کی ہیں، اس لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنا مشاہدہ نقل کر دیا جبکہ نبی مکرم ﷺ نے

مسجد یا حجرہ حفصہ میں ظہر سے قبل دو رکعت پڑھی ہونگی، اس لیے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنا مشاہدہ نقل کیا ہے۔

فقہی احکام: (۱) ظہر سے قبل اگر وقت کم ہو تو پھر دو رکعات پڑھ لیں ورنہ چار رکعات پڑھی جائیں۔

(۲) فجر سے پہلے فقط دو رکعات پڑھی جائیں۔

۳۵۲۔۳۵۳: وَعَنْهَا قَالَتْ لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى شَيْءٍ مِنَ النَّوَافِلِ أَشَدَّ تَعَاهُدًا مِنْهُ عَلَى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَلِمُسْلِمٍ "رَكْعَتَا الْفَجْرِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا"

البخاری، کتاب التهجد، باب تعاهد رکعتی الفجرو من سماهما تطوعاً: ۱۱۶۹، مسلم: ۷۲۴، ۷۲۵، ابوداود: ۱۲۵۴، النسائی: ۲۵۲/۳

تنبیہ: فتح الباری میں ایک باب کی تقدیم وتاخیر کی وجہ سے رقم الحدیث آگے پیچھے ہوگئے ہیں، محترم خالد بن حنیف شلا جی سے اس بنا پر رقم الحدیث درج کرنے میں تسامح ہوا ہے

۳۵۲۔۳۵۳: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نوافل میں سے سب سے زیادہ اہتمام فجر کی دو رکعات کا فرماتے تھے۔ (بخاری و مسلم) مسلم میں ہے کہ (آپ ﷺ نے فرمایا): "فجر کی دو (نفلی) رکعات دنیا و مافیھا سے بہتر ہیں۔"

لغوی تحقیق: اشد: بہت زیادہ۔ تعاهداً: اہتمام کرنا۔

تشریح: اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ نفلی نمازوں میں سب سے زیادہ اہمیت فجر کی دو سنتوں کی ہے، رحمت عالم ﷺ نے ان دونوں سنتوں کو سفر میں بھی کبھی ترک نہیں فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ دونوں رکعات مجھے دنیا کے تمام خزانوں سے بڑھ کر محبوب ہے۔"

فقہی احکام: (۱) ان دو رکعات کا ترک کسی حال میں بھی درست نہیں۔ (۲) اگر یہ رکعات جماعت فجر سے قبل نہ پڑھ سکیں تو پھر جماعت فجر کے بعد یا سورج طلوع ہو جانے کے بعد ضرور پڑھیں۔

۳۵۴: وَعَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رضي الله عنها قَالَتْ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ "مَنْ صَلَّى اثْنَتَى عَشْرَةَ رَكْعَةً فِي يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ بُنِيَ لَهُ بِهِنَّ بَيْتٌ فِي الْجَنَّةِ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِي رِوَايَةٍ "تَطَوُّعًا" وَلِلتِّرْمِذِيِّ نَحْوُهُ ,وَزَادَ "أَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا ,وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ ,وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ ,وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الْفَجْرِ"

مسلم، کتاب صلاة المسافرین و قصر ها، باب فضل السنن الراتبة بعد الفرائض: ۷۲۸، النسائی: ۲۶۲/۳، ابوداود: ۱۲۵۰، الترمذی: ۴۱۵، ابن خزیمة: ۱۱۸۵۔۱۱۸۸، احمد: ۴۲۶/۶

۳۵۴: اُم المؤمنین اُم حبیبہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا "جو شخص شب و روز میں بارہ رکعات (نوافل) ادا کرے اس کیلئے ان رکعات کے بدلے میں جنت میں گھر بنا دیا گیا۔" اسے مسلم نے روایت کیا ہے اور ایک روایت میں نفلی نماز صراحتاً مذکور ہے۔ ترمذی میں بھی اسی طرح منقول ہے اور مزید صراحت اس طرح ہے کہ ظہر سے قبل چار اور بعد دو رکعات، مغرب کے بعد دو رکعات، عشا کے بعد دو رکعات اور فجر سے قبل دو رکعات۔

لغوی تحقیق: بنی: باء مضموم اور نون مکسور یعنی بنا دیا گیا، اس کا مرجع اثنتی عشرة رکعة ہے۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ شب و روز میں بارہ سنتیں پورے اہتمام کے ساتھ پڑھی جائیں جیسا کہ ام المؤمنین ام حبیبہ سے امام مسلم نے ایک دوسرے طریق سے صراحتاً نقل کیا ہے کہ یہ بارہ رکعات فرض نماز کے علاوہ ہیں، یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمر

رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث کے معارض نہیں ہے کیونکہ محض مشاہدے کا فرق ہے

۳۵۵: وَلِلْخَمْسَةِ عَنْهَا " مَنْ حَافَظَ عَلَى أَرْبَعٍ قَبْلَ الظُّهْرِ وَأَرْبَعٍ بَعْدَهَا حَرَّمَهُ اللَّهُ عَلَى النَّارِ "

ابوداود، تفريع ابواب التطوع وركعات السنة، باب الاربع قبل الظهر و بعدها: ۱۲۶۹، الترمذی:۴۲۷، النسائی: ۳/۲۶۵، ابن ماجة: ۱۱۶۰، احمد: ۴۲۶/۶، ابن خزيمة: ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، الحاكم: ۳۱۲/۱، البيهقی: ۴۷۲/۲

تنبیہ: مصادر اور مراجع میں لفظ اللہ کے بعد تعالیٰ نہیں ہے، جبکہ بعض مطبوعہ نسخوں میں کاتب کے تسامح کی وجہ سے درج ہو گیا ہے۔

۳۵۵: پانچوں نے حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا سے اس طرح نقل کیا ہے کہ جو شخص ظہر سے پہلے اور بعد چار چار رکعات با قاعدگی سے پڑھتا رہا اللہ نے اس شخص کو جہنم کی آگ پر حرام قرار دیدیا۔

لغوی تحقیق: حرمه الله علی النار: یعنی ایسے شخص کو جہنم کی آگ سے محفوظ قرار دیدیا۔

تشریح: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ ظہر کے بعد چار رکعات بھی پڑھنی چاہیے تاہم با قاعدگی اور اہتمام دو رکعات پر ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر حضرت عائشہ اور خود حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔

۳۵۶: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ " رَحِمَ اللَّهُ امْرَأً صَلَّى أَرْبَعًا قَبْلَ الْعَصْرِ " رَوَاهُ أَحْمَدُ ,وَأَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَحَسَّنَهُ ,وَابْنُ خُزَيْمَةَ وَصَحَّحَهُ .

الترمذی، ابواب الصلاة، باب ماجاء فی الاربع قبل العصر: ۴۳۰، ۴۳۱، ابوداود: ۱۲۷۱، احمد: ۱۱۷/۲، ابن خزيمة: ۲۰۶/۲، بيان الوهم والايهام: ۱۹۲/۴، ۱۹۳، ابن حبان: ۲۴۵۳

۳۵۶: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ اس شخص پر رحم فرمائے جس نے عصر سے قبل چار رکعات پڑھیں، (اسے احمد، ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے امام ترمذی نے اس روایت کو حسن اور امام ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے۔)

تشریح: اس روایت کا مرکزی راوی محمد بن مسلم بن مہران ہے موصوف کی اگرچہ بعض ائمہ نے توثیق بھی کی ہے لیکن بعض نے اس پر کلام بھی کیا ہے، تاہم ترمذی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ عصر سے قبل دو سلام کے ساتھ چار رکعات پڑھتے تھے، ان دونوں احادیث سے یہ واضح ہوا کہ یہ چار رکعات اگرچہ مؤکدہ میں شامل نہیں تاہم ان کا پڑھنا مسنون ہے۔

۳۵۷: وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُغَفَّلٍ الْمُزَنِيِّ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ " صَلُّوا قَبْلَ الْمَغْرِبِ ,صَلُّوا قَبْلَ الْمَغْرِبِ " ثُمَّ قَالَ فِي الثَّالِثَةِ " لِمَنْ شَاءَ " كَرَاهِيَةَ أَنْ يَتَّخِذَهَا النَّاسُ سُنَّةً . رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ حِبَّانَ ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى قَبْلَ الْمَغْرِبِ رَكْعَتَيْنِ .

البخاری، كتاب التهجد، باب الصلاة قبل المغرب: ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ابن حبان: ۱۵۸۸، ابوداود: ۱۲۸۱، ابن خزيمة: ۱۲۸۹

تنبیہ: مؤلف رحمہ اللہ نے بخاری کی یہ روایت بالمعنیٰ نقل کی ہے۔

۳۵۷: حضرت عبداللہ بن مغفل مزنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " مغرب سے قبل نماز پڑھو، مغرب سے قبل نماز پڑھو۔" پھر تیسری بار فرمایا: "مغرب سے قبل جو نماز پڑھنا چاہے پڑھ لے۔" اس اندیشہ سے کہ لوگ اسے سنت نہ بنالیں۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے اور ابن حبان میں ہے کہ آپ ﷺ نے مغرب سے قبل دو رکعات پڑھیں۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ غروب آفتاب کے بعد اور نماز مغرب سے پہلے دو رکعات نفل پڑھنا مستحب ہے۔

رحمت عالم ﷺ نے اس کی تعلیم تاکیداً فرمائی ہے اور خود رحمت عالم ﷺ نے بھی ادا فرمائی ہیں، البتہ رحمت عالم ﷺ نے لوگوں کی مشقت کے پیش نظر انہیں سنن مؤکدہ میں شامل نہیں فرمایا، اس کے باوجود عہد رسالت میں صحابہ کی کثرت یہ نفل پڑھا کرتی تھی جیسا کہ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے۔

فقہی احکام: نماز مغرب سے قبل دو نفل پڑھنا مستحب ہے۔

۳۵۸: وَلِمُسْلِمٍ عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كُنَّا نُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ غُرُوبِ الشَّمْسِ فَكَانَ النبي ﷺ يَرَانَا فَلَمْ يَأْمُرْنَا وَلَمْ يَنْهَانَا

مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین و قصرھا، باب استحباب رکعتین قبل صلاۃ المغرب: ۸۳۶، ۸۳۷، البخاری: ۶۲۵

تنبیہ: محمد حامد کے نسخہ میں اس حدیث کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول بتایا گیا ہے جبکہ دیگر نسخوں میں اور خود مسلم میں یہ روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔(۲) مؤلف رحمہ اللہ نے یہ روایت مختصراً نقل کی ہے۔

۳۵۸: مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم غروب آفتاب کے بعد دو رکعات پڑھتے تھے اور نبی ﷺ ہمیں دیکھا کرتے تھے لیکن آپ ﷺ نہ تو ہمیں حکم فرماتے تھے اور نہ منع فرماتے تھے۔

تشریح: یہ حدیث حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے بظاہر معارض ہے لیکن درحقیقت ان میں کوئی تعارض نہیں، کیونکہ ان دونوں میں تطبیق کی آسان شکلیں موجود ہیں (۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ نے صحابہ کو مغرب سے قبل نماز پڑھتے دیکھا ہے لیکن آپ ﷺ نے جب یہ حکم دیا تھا اس وقت حضرت انس رضی اللہ عنہ موجود نہیں ہونگے۔(۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ کے اس بیان کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ مغرب سے قبل صحابہ کی کثیر تعداد مغرب کے نفل پڑھتی تھی اور بعض نہیں پڑھتے تھے، رحمت عالم ﷺ دونوں قسم کے صحابہ کو دیکھتے تھے لیکن پڑھنے والوں کو منع نہ فرماتے تھے اور نہ پڑھنے والوں کو پڑھنے کا حکم نہ دیتے تھے، جیسا کہ خود حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب اجنبی شخص مسجد میں داخل ہوتا تو صحابہ کی کثیر تعداد کے ان دو رکعات پڑھنے کی وجہ سے وہ خیال کرتا کہ نماز مغرب ہوچکی ہے۔

فقہی احکام: نماز مغرب سے قبل نفل پڑھنے والوں کو منع نہیں کرنا چاہیے بلکہ انہیں پڑھنے کیلئے موقع فراہم کرنا چاہیے، ابراہیم نخعی کا اسے بدعت کہنا انہیں ان احادیث سے آگاہی نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔

۳۵۹: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُخَفِّفُ الرَّكْعَتَيْنِ اللَّتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الصُّبْحِ ,حَتَّى إِنِّي أَقُولُ أَقَرَأَ بِأُمِّ الْكِتَابِ؟ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

البخاری، کتاب التہجد، باب مایقرأ فی رکعتی الفجر: ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، مسلم: ۷۲۴، ابوداود: ۱۲۵۵، مالک: ۱/۱۲۷

۳۵۹: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ فجر سے قبل دو رکعات ہلکی پڑھتے تھے جس کی وجہ سے میں خیال کرتی کہ آپ ﷺ نے سورۃ فاتحہ بھی پڑھی ہے یا نہیں؟ (بخاری و مسلم)

لغوی تحقیق: اقرأ: مؤلف رحمہ اللہ نے بلوغ المرام میں قرأ سے قبل ہمزہ استفہام نقل کیا ہے جبکہ صحیحین میں ھل مذکور ہے، اس استفہام سے تردد یا شک مراد نہیں بلکہ تہجد کی طوالت کے مقابلے میں رکعات فجر کے اختصار پر تعجب کا اظہار ہے۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث سے یہ استدلال لینا کہ سورۃ فاتحہ نماز کا رکن نہیں کوتاہ علمی اور کج فہمی کی دلیل ہے، کیونکہ اس روایت میں فاتحہ کا تذکرہ اس بات کی دلیل ہے کہ رحمت عالم ﷺ نماز میں سورۃ فاتحہ کی تلاوت ہمیشہ کرتے تھے کیونکہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے قوی سند کے ساتھ ابن ماجہ میں مروی ہے کہ آپ ﷺ فجر کی ان دو سنتوں میں سورۃ کافرون اور سورۃ اخلاص کی تلاوت فرماتے تھے۔ مسلم میں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ ترمذی اور نسائی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے ایک ماہ تک آپ ﷺ کی فجر کی سنتوں کا مشاہدہ کیا، آپ ﷺ ان میں سورۃ کافرون اور سورۃ اخلاص تلاوت فرماتے تھے۔ تفصیل اور حوالہ جات آئندہ حدیث کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیں۔ ان احادیث سے یہ واضح ہوا کہ رکعات تہجد اور فجر کی سنتوں کے درمیان اختصار وطوالت کا فرق تھا اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ازراہ تعجب هل قرأ بام الكتاب فرمایا۔

فقہی احکام: تہجد کا قیام خوب طویل اور فجر کی سنتوں کا قیام نہایت مختصر ہونا چاہیے۔

٣٦٠: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ اَلنَّبِيَّ ﷺ قَرَأَ فِي رَكْعَتَيِ اَلْفَجْرِ ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا اَلْكَافِرُونَ﴾ و ﴿قُلْ هُوَ اَللَّهُ أَحَدٌ﴾ رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

مسلم، كتاب المسافرين و قصرها، باب استحباب ركعتى سنة الفجرو الحث عليهما و تخفيفهما: ٧٢٦،٧٢٧، ابن ماجة: ١١٤٨، الترمذى: ٤٣١

تنبیہ: صحیح مسلم میں ان رسول الله ﷺ قرأ ہے۔

٣٦٠: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فجر کی دو رکعات میں **قل یا ایھا الکافرون** اور **قل ھو اللہ احد** تلاوت فرمائیں۔

تشریح: اسی طرح کی احادیث حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہیں۔

(١) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے مغرب اور فجر کی سنتوں میں رسول اللہ ﷺ سے سورۃ الکافرون اور سورۃ اخلاص کی تلاوت سنی۔ یہ روایت عبدالملک بن ولید کی وجہ سے ضعیف ہے۔

(٢) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی سنتوں میں **قولوا امنا باللہ** اور **تعالوا الی کلمۃ** تلاوت فرماتے تھے۔

(٣) حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت کے الفاظ سابقہ حدیث کے ضمن میں نقل کر دیئے گئے ہیں۔ البتہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

فقہی احکام: فجر کی سنتوں میں سورۃ کافرون اور سورۃ اخلاص کی تلاوت کرنا مسنون ہے۔

٣٦١: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كَانَ اَلنَّبِيُّ ﷺ إِذَا صَلَّى رَكْعَتَيِ اَلْفَجْرِ اِضْطَجَعَ عَلَى شِقِّهِ اَلْأَيْمَنِ . رَوَاهُ اَلْبُخَارِيُّ.

البخارى، كتاب التهجد، باب الضجعة على الشق الايمن بعد ركعتى الفجر: ١١٦٠، النسائى: ٢٥٢/٣، احمد: ٢٥٤/٦

٣٦١: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ جب فجر کی دو رکعات پڑھ لیتے تو اپنے دائیں پہلو کے بل لیٹ جاتے۔ (بخاری)

لغوی تحقیق: شقه: شین مکسور، قاف مشدد، حصہ یعنی پہلو۔

فقہی احکام: فجر کی سنتوں کے بعد دائیں پہلو کے بل تھوڑی دیر کیلئے لیٹنا مسنون ہے۔

٣٦٢: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اَللَّهِ ﷺ "إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمُ اَلرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ اَلصُّبْحِ ,فَلْيَضْطَجِعْ عَلَى جَنْبِهِ اَلْأَيْمَنِ" رَوَاهُ أَحْمَدُ ,وَأَبُو دَاوُدَ ,وَالتِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ .

ابوداود، تفریع ابواب التطوع، باب الاضطجاع بعدھا: ۱۲۶۱، الترمذی: ۴۲۰، احمد: ۴۱۵/۲، ابن خزیمة: ۱۱۲۰

۳۶۲: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے کوئی ایک جب صبح کی نماز سے قبل دو رکعات پڑھے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے دائیں پہلو کے بل لیٹ جائے۔ اسے احمد، ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے امام ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے

لغوی تحقیق: جنبه: جیم مفتوح، نون ساکن، کسی بھی چیز کا کنارہ، یہاں پہلو مراد ہے۔ الایمن: دائیں۔

تشریح: اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ فجر کی سنتوں کے بعد دائیں پہلو کے بل لیٹنا ضروری ہے، لیکن یہ روایت عبدالواحد بن زیاد کی وجہ سے ضعیف ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تقریب میں لکھا ہے کہ عبدالواحد بن زیاد جو روایات اعمش سے نقل کرتے ہیں ان میں کلام ہے۔ زیر مطالعہ روایت عبدالواحد، اعمش ہی سے نقل کرتے ہیں۔ امام ابن تیمیہ کا کہنا ہے کہ یہ روایت عبدالواحد کی خطا کی وجہ سے باطل ہے۔

امام ترمذی نے اس روایت کے ضعیف ہونے کی ایک دوسری علت یہ بیان کی ہے کہ زیر مطالعہ روایت ابوصالح نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نہیں سنی، اسی طرح یہ روایت منقطع بھی ہے البتہ آپ ﷺ کا عمل صحیح حدیث سے ثابت ہے۔

۳۶۳: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ " صَلَاةُ اَللَّيْلِ مَثْنَى مَثْنَى ,فَإِذَا خَشِيَ أَحَدُكُمُ اَلصُّبْحَ صَلَّى رَكْعَةً وَاحِدَةً ,تُوتِرُ لَهُ مَا قَدْ صَلَّى " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب الوتر، باب ماجاء فی الوتر: ۹۹۰، ۹۹۱، مسلم: ۷۴۹، ابوداود: ۱۳۲۶، الترمذی: ۴۳۷، النسائی: ۲۲۷/۳، ابن ماجة: ۱۳۲۰، احمد: ۵/۲، الدارمی: ۱۴۵۹

۳۶۳: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "رات کی نماز دو دو رکعات (ایک سلام کے ساتھ) ہیں اور جب تم میں سے کسی کو یہ اندیشہ لاحق ہو کہ صبح نمودار ہوگئی ہے تو وہ ایک رکعت پڑھ لے، یہ رکعت سابقہ پڑھی ہوئی تمام نماز کو اس کیلئے وتر بنا دے گی۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تحقیق: مثنی مثنی: پہلے مثنیٰ کا معنی دو دو ہے اور دوسرا مثنیٰ تاکید کیلئے ہے۔ تؤتر: ایتار سے ماخوذ ہے یعنی طاق۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ رات کی نفلی نماز ایک سلام کے ساتھ دو رکعات پڑھی جائیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی جس حدیث میں چار رکعات پڑھنے کا ذکر ہے وہ اس کی معارض نہیں کیونکہ اس میں یہ صراحت نہیں کہ آپ ﷺ نے ایک سلام کے ساتھ چار رکعات پڑھی تھیں۔ اس روایت کا یہ مفہوم ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے پہلی چار رکعات دو سلام کے ساتھ بغیر کسی وقفہ کے پڑھیں، پھر اس کے بعد تھوڑا وقفہ کیا پھر دوسری چار رکعات دو سلام کے ساتھ بغیر کسی وقفہ کے پڑھیں۔

اس روایت سے دوسری بات یہ واضح ہوئی کہ وتر کی ایک رکعت بھی ثابت ہے بلکہ اس سلسلے میں مروی تمام احادیث پر اگر غور کیا جائے تو یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ تین وتر بھی آپ ﷺ دو سلام کے ساتھ ادا فرماتے تھے یعنی پہلے دو رکعات پڑھ کر سلام پھیر دیتے، پھر ایک سلام کے ساتھ ایک رکعت پڑھتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل بھی اسی طرح تھا۔

۳۶۴: وَلِلْخَمْسَةِ وَصَحَّحَهُ اِبْنِ حِبَّانَ بِلَفْظِ "صَلَاةُ اَللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مَثْنَى مَثْنَى" وَقَالَ النَّسَائِيُّ هَذَا خَطَأٌ.

صحیح ابن حبان، کتاب الصلاۃ، باب النوافل: ۲۴۸۲، ابوداود، کتاب الصلاۃ، باب فی صلاۃ النهار: ۱۲۹۵، الترمذی: ۵۹۷، النسائی: ۲۲۷/۳، الدارقطنی: ۴۱۷/۱، تمهید: ۱۸۵/۱۳، نصب الرایة: ۱۴۴/۲، السنن الکبری للنسائی: ۱۷۹/۱، سوالات

امام احمد لابی داؤد: ۱۲۷۸، ابن خزیمة: ۲/۲۱۴، فتاوی ابن باز: ۴/۲۹۰، تمام المنة: ۲۳۹، المعجم الاوسط للطبرانی: ۸۹/۱، احمد: ۴/۱۶۷، ابن ماجة: ۱۳۲۲، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، البیھقی: ۲/۴۸۷

۳۶۴: پانچوں اور ابن حبان میں ہے، ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے، "رات اور دن کی نماز دو دو رکعات ہے۔" نسائی نے کہا یہ خطا ہے۔

تشریح: امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد اس پر کوئی بھی حکم لگانے سے احتراز کیا ہے، البتہ یہ کہا ہے کہ اصحاب شعبہ اس روایت کو بیان کرنے میں باہم مختلف ہیں، بعض نے اسے مرفوع اور بعض نے موقوف بیان کیا ہے۔ عبداللہ بن عمر العمری نے نافع سے **صلاۃ اللیل و النھار مثنیٰ مثنیٰ** کے الفاظ نقل کئے ہیں (عبداللہ بن عمر العمری ضعیف ہے) جبکہ ثقات رواۃ نے فقط **صلاۃ اللیل مثنیٰ مثنیٰ** کے الفاظ نقل کئے ہیں۔

امام نسائی نے اس روایت کے بارے میں دو مختلف آراء نقل کی ہیں۔ **سنن صغریٰ** میں وہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ روایت خطا پر مبنی ہے، جبکہ **السنن الکبریٰ** میں فرماتے ہیں، اس کی سند جید ہے، البتہ علی ازدی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے دیگر تلامذہ سالم بن عبداللہ، نافع مولیٰ ابن عمر اور طاؤس کی مخالفت کی ہے، کیونکہ انہوں نے نہار کا لفظ استعمال نہیں کیا۔

امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ لفظ نہار کی موجودگی وہم ہے۔ علامہ ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ یحییٰ بن معین اس روایت کو ضعیف اور ناقابل حجت قرار دیتے تھے، امام احمد فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما دن میں چار رکعات ایک سلام سے پڑھ لیتے تھے، اگر زیر مطالعہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے تو پھر وہ خود چار رکعات ایک سلام سے کیوں پڑھتے؟

امام ابن حبان، امام ابن خزیمہ، علامہ البانی اور علامہ عبدالعزیز بن باز نے لفظ نہار کی موجودگی کو صحیح قرار دیا ہے۔ اس لفظ کی موجودگی کی صراحت درج ذیل احادیث میں بھی موجود ہے۔

(۱) امام دارقطنی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے محمد بن عبدالرحمٰن کے طریق سے یہ لفظ نقل کیا ہے مگر حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

(۲) امام طبرانی نے ابن عمر سے یہ روایت اسحاق بن ابراہیم الحنینی کے طریق سے نقل کی ہے لیکن اس طریق میں اسحاق بن ابراہیم اور اس کا شیخ عبداللہ بن عمر العمری دونوں ضعیف ہیں۔

(۳) امام ابوداؤد، امام ابن ماجہ اور امام احمد نے یہ لفظ فضل بن عباس سے عبداللہ بن نافع العمیاء کے طریق سے نقل کیا ہے، یہ طریق عبداللہ بن نافع العمیاء کے مجہول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

(۴) امام زیلعی نے تاریخ اصبحان کے حوالے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت نقل کی ہے، وہ روایت عمار بن عطیہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

(۵) امام ابن ماجہ نے ابوسفیان سعدی کے طریق سے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ہر دو رکعات کے بعد سلام ہے۔

امام بوصیری نے ابوسفیان سعدی کے بارے میں لکھا ہے کہ موصوف تمام ماہرین فن کے نزدیک ضعیف ہے۔ یہ تمام روایات اگرچہ ضعیف ہیں تاہم ازدی کے تفرد کو زائل کرتی ہیں۔

فقہی احکام: (۱) رات کی نفلی نماز دو دو رکعات کر کے پڑھنا مسنون ہے۔ (۲) دن کی نماز دو دو رکعات کر کے پڑھنا بھی درست ہے۔

٣٦٥: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اَللَّهِ ﷺ " أَفْضَلُ اَلصَّلَاةِ بَعْدَ اَلْفَرِيضَةِ صَلَاةُ اَللَّيْلِ " أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، کتاب الصیام، باب فضل صوم المحرم: ٢٠٢/١١٦٣، ابوداود: ٢٤٢٩، الترمذی: ٤٣٨، ٣٥٧٩، احمد: ٣٤٤/٢، البخاری: ١١٢٢، ١١٢٦، ١١٢٧، ١١٣٠، ١١٣١، ١١٣٥

٣٦٥: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "فرض نمازوں کے بعد افضل نماز رات کی نماز ہے۔" (اسے مسلم نے روایت کیا ہے)

لغوی تحقیق: الفریضۃ: اس سے فرضی نمازیں مراد ہیں۔

تشریح: تہجد کی نماز کی فضیلت نہ صرف اس حدیث سے ثابت ہے بلکہ اس کی فضیلت قرآن حکیم میں بھی بیان ہوئی ہے، نیز اس کی فضیلت حضرت مغیرہ بن شعبہ، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص اور حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہم سے مروی احادیث میں بھی بیان ہوئی ہے، حضرت عمرو بن عنبسہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رات کے آخری نصف حصہ میں عابد، معبود کے بہت قریب ہوتا ہے، بندہ کو چاہیے کہ وہ ممکن حد تک اس گھڑی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اس وقت رحمت کے خزانوں کی بارش کس قدر ہے؟ ان حجروں میں آرام کرنے والیوں کو بیدار کرنے والا کوئی ہے۔

فقہی احکام: (۱) فجر کے وقت رحمت اور رحمت کے فرشتوں کا خصوصی نزول ہوتا ہے۔ (۲) تہجد تمام نفلی نمازوں سے افضل ہے۔ (۳) تہجد کیلئے سوئے ہوئے لوگوں کو اٹھانا مسنون ہے۔

٣٦٦: وَعَنْ أَبِي أَيُّوبَ اَلْأَنْصَارِيِّ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اَللَّهِ ﷺ قَالَ "اَلْوِتْرُ حَقٌّ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ ,مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُوتِرَ بِخَمْسٍ فَلْيَفْعَلْ ,وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يُوتِرَ بِثَلَاثٍ فَلْيَفْعَلْ ,وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يُوتِرَ بِوَاحِدَةٍ فَلْيَفْعَلْ " رَوَاهُ اَلْأَرْبَعَةُ إِلَّا اَلتِّرْمِذِيَّ ,وَصَحَّحَهُ اِبْنُ حِبَّانَ ,وَرَجَّحَ النَّسَائِيُّ وَقْفَهُ .

ابوداود، ابواب الصلاۃ، باب کم الوتر: ١٤٢٢، ابن ماجۃ: ١١٩٠، النسائی: ٢٣٨/٣، ابن حبان: ٢٤٠٧، ٢٤١٠، ٢٤١١، الطبرانی: ٣٩٦٢، ٣٩٦٤، الطحاوی: ٢٩١/١، الدارقطنی: ٢٢/٢، البیہقی: ٢٧/٣، عبدالرزاق: ٤٦٣٣، مسلم: ٥٠٨/١، علل الحدیث لابن ابی حاتم: ٤٥٠، مسند احمد: ٤١٨/٥، التلخیص الحبیر: ١٣/٢

٣٦٦: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "وتر ہر مسلمان پر حق ہے، جو پانچ وتر پڑھنا چاہتا ہے وہ پانچ پڑھ لے اور جو تین پڑھنا چاہتا ہے وہ تین پڑھ لے اور جو ایک پڑھنا پسند کرتا ہے وہ ایک پڑھ لے۔" (اسے ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے، ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے اور نسائی نے اس کے موقوف کو راجح قرار دیا ہے)

لغوی تحقیق: حق: یہاں حق بمعنی ثابت ہے۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث سے متعلق اہل علم میں دو طرح کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ (۱) وتر واجب ہے یا سنت؟ (۲) حدیث مرفوع ہے یا موقوف؟ احناف کے نزدیک وتر واجب ہے (احناف کے نزدیک فرض اور واجب میں فرق ہے، شوافع کے نزدیک فرض اور واجب میں کوئی فرق نہیں) جبکہ جمہور کے نزدیک وتر سنت مؤکدہ ہے۔

احناف کی دلیل زیر مطالعہ حدیث ہے، جبکہ جمہور اہل علم کی دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی وہ حدیث ہے جو اس کے بعد آ رہی ہے،

اس مسئلہ کے بارے میں تفصیلی گفتگو اسی حدیث کے ضمن میں ہوگی۔(ان شاءاللہ)

یہ حدیث امام زہری سے ان کے بعض تلامذہ موقوف اور بعض مرفوع بیان کرتے ہیں، امام ابن حبان نے مرفوع طریق کو صحیح کہا ہے، امام نسائی، امام ابوحاتم، امام ذہلی، امام دارقطنی اور امام بیہقی نے اس روایت کے موقوف ہونے کو صحیح کہا ہے۔حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ **تلخیص** میں فرماتے ہیں کہ یہی تحقیق درست ہے۔

اس حدیث سے وتروں کی تعداد مختلف ثابت ہوتی ہے، لیکن یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ایک سلام سے کتنے وتر پڑھے جاسکتے ہیں؟ البتہ صحیح مسلم میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے رات کی نماز تیرہ رکعات ادا فرمائی، ان میں سے پانچ وتر تھے۔ یہ سب آپ ﷺ نے ایک تشہد اور ایک سلام سے ادا فرمائے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہی سے مروی ایک حدیث میں سات وتر ایک سلام سے پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے، اس روایت کے اگرچہ تمام رواہ ثقہ ہیں تاہم یہ روایت حکم بن عتیبہ کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

امام ابوحاتم نے علی بن میمون سے مروی اسی متن کو منکر قرار دیا ہے۔صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے نو وتر دو تشہد اور ایک سلام سے ادا فرمائے۔

فقہی احکام: (۱) آپ ﷺ سے وتروں کی تعداد مختلف ثابت ہے۔(۲) پانچ وتر ایک تشہد اور ایک سلام کے ساتھ پڑھے جاسکتے ہیں۔ (۳) نو وتر دو تشہد اور ایک سلام سے پڑھے جاسکتے ہیں۔

۳۶۷:وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ لَيْسَ اَلْوِتْرُ بِحَتْمٍ كَهَيْئَةِ اَلْمَكْتُوبَةِ ,وَلَكِنْ سُنَّةٌ سَنَّهَا رَسُولُ اَللَّهِ ﷺ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَاَلتِّرْمِذِيُّ وَحَسَّنَهُ وَالْحَاكِمُ وَصَحَّحَهُ .

الترمذی، ابواب الوتر، باب ماجاء ان الوتر لیس بحتم: ۴۵۵، ابن حبان: ۲۴۰۹ ـــ ۲۴۱۹، ابن ماجة: ۱۱۶۹، الدارمی: ۱۵۸۷، احمد: ۱/۸۶

حکایت لطیفہ: امام ابن خزیمہ نے اپنی سند سے نقل کیا ہے کہ عبدالوارث بن سعید نے امام ابوحنیفہ سے دریافت کیا کہ فرض نمازیں کتنی ہیں؟ انہوں نے کہا پانچ۔ان سے کہا گیا، وتر کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ انہوں نے کہا، واجب ہے۔عبدالوارث بن سعید کہتے ہیں، میں نے ان سے کہا، آپ کا حساب اچھا نہیں۔ابن خزیمہ ۱/۱۳۷، ۱۳۸

تنبیہ: مؤلفؒ نے بلوغ المرام میں اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد اس حدیث کو مصادر و مراجع کی طرف منسوب کرتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے وہ مختلف نسخوں میں مختلف ہے۔

(۱) مولانا عبدالتواب ملتانی کے ترجمہ سے شائع ہونے والے نسخے میں ہے، رواہ الترمذی و النسائی و حسنہ و الحاکم صححہ۔(۲) بلوغ المرام مع سبل السلام میں بھی یہی الفاظ ہیں۔(۳) مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری کی تحقیق سے شائع ہونے والے نسخے میں، رواہ النسائی و الترمذی و حسنہ و الحاکم صححہ۔(۴) خالد بن ضیف اللہ شلاجی، احمد ابراہیم مرزہ اور بلوغ المرام مع فتح العلام کے مطبوعہ نسخوں میں ہے، رواہ الترمذی وحسنہ، و النسائی و الحاکم صححہ.

۳۶۷:حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ وتر فرض نمازوں کی طرح لازمی نہیں بلکہ مسنون ہے، رسول اللہ ﷺ نے اسے مشروع فرمایا ہے۔(اسے ترمذی نے بیان کیا ہے، نسائی اور حاکم نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے)

لغوی تحقیق: حتم: واجبی اور ضروری۔

تشریح: یہ حدیث حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے بظاہر خلاف ہے کیونکہ اس میں وتر کو حق کہا گیا ہے اور حق بمعنی واجب بھی استعمال ہوتا ہے مثلاً یَحِقُّ عَلَيْکَ بِكَذا : آپ پر ایسا کرنا لازم ہے۔احناف نے حق بمعنی واجب ہی لیا ہے، کبھی یہ بمعنی ثابت بھی

استعمال ہوتا ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے ﴿وَيَحِقُّ الْقَوْلُ عَلَى الْكَافِرِيْنَ: کافروں پر یہ قول ثابت ہو گیا۔﴾

یہاں ان دونوں معانی میں سے کونسا لیا جائے؟ اس کا انحصار اس سلسلے میں مروی دیگر احادیث کی صحت اور عدم صحت پر ہے، اس لئے ضروری ہے کہ پہلے ان احادیث کا مطالعہ کر لیں۔

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں یہ صراحت ہے کہ وتر لازمی نہیں۔ اس روایت کو امام ترمذی نے حسن، امام حاکم اور امام ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے لیکن بعض نے ابو اسحاق سبیعی کے عنعنہ کی وجہ سے اسے ضعیف کہا ہے، علامہ ناصر الدین البانی نے ابو اسحاق کی وجہ سے اس طریق کو ضعیف لیکن شاہد کی وجہ سے اس متن کو صحیح قرار دیا ہے۔

راقم کے نزدیک یہ طریق ابو اسحاق کے طریق کی وجہ سے بھی ضعیف نہیں کیونکہ امام ابن خزیمہ نے اسے اپنی صحیح میں درج کیا ہے اور انہوں نے اپنی صحیح میں وہی معنعن روایات درج کی ہیں جو انقطاع کے عیب سے پاک ہیں اور اگر ان سے اس کے خلاف ہو گیا ہے تو امام ممدوح نے اس کی صراحت کر دی ہے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ سواری پر وتر پڑھ لیا کرتے تھے۔ (جبکہ فرض نماز آپ ﷺ سواری پر نہیں پڑھا کرتے تھے) یہ حدیث صحیح ہے۔

(۳) واجب/فرض میں کمی بیشی نہیں جبکہ وتر کے بارے میں آپ ﷺ نے کمی بیشی کرنے کا اختیار دیا ہے یعنی ایک، تین، پانچ، سات اور نو پڑھے جا سکتے ہیں۔

(۴) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جو صبح سے قبل وتر نہیں پڑھتا اس کے وتر نہیں۔ (یہ حدیث صحیح ہے)

(۵) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے جس کے آخر میں ہے کہ مجھے خدشہ ہوا کہ کہیں تم پر وتر فرض نہ کر دیا جائے۔ (یہ حدیث حسن ہے)

(۶) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ ایک آدمی نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ اللہ نے اپنے بندوں پر کتنی نمازیں فرض کی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "پانچ۔" امام ابن حبان اسی مضمون کی احادیث حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرنے کے بعد ان کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ اگر وتر فرض ہوتا تو رسول اللہ ﷺ فرض نمازوں کیلئے چھ کا عدد استعمال فرماتے۔

ان احادیث کا مطالعہ کرنے سے یہ واضح ہوا کہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں لفظ حق بمعنی ثابت ہے کیونکہ بمعنی واجب مراد لینے سے ایسا تعارض پیدا ہوگا جس کا نبی ﷺ کے کلام میں پایا جانا محال ہے۔

فقہی احکام: (۱) وتر فرض یا واجب نہیں ہیں۔ (۲) وتروں کو آپ ﷺ نے سفر و حضر میں قائم فرمایا ہے۔
(۳) فرض نماز سواری پر درست نہیں۔ (۴) وتروں کو سواری پر پڑھا جا سکتا ہے۔

۳۶۸: وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَامَ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ ,ثُمَّ انْتَظَرُوهُ مِنَ الْقَابِلَةِ فَلَمَّا يَخْرُجْ ,وَقَالَ " إِنِّي خَشِيتُ أَنْ يُكْتَبَ عَلَيْكُمُ الْوِتْرُ " رَوَاهُ ابْنُ حِبَّانَ.

ابن حبان، کتاب الصلاة، باب الوتر: ۲۴۰۹، ابن خزیمة: ۱۰۷۰، ۲۲۰۴، المعجم الصغیر للطبرانی: ۵۲۵

۳۶۸: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ماہ رمضان میں (کسی رات) قیام فرمایا، پھر دوسری رات صحابہ نے آپ ﷺ کا انتظار کیا مگر آپ ﷺ تشریف نہ لائے اور فرمایا: "مجھے خدشہ ہے کہ کہیں تم پر وتر فرض نہ کر دئے جائیں۔" (اسے ابن

حبان نے روایت کیا ہے)

لغوی تحقیق: القابلة: آئندہ آنے والی رات۔

تشریح: اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ وتر فرض نہیں، البتہ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ اس حدیث کے متن پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ جب نمازوں کی فرضیت مکہ میں ہوچکی تھی تو مدینہ میں اس کی فرضیت کا خطرہ کیونکر لاحق ہوسکتا تھا؟ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے اس اعتراض کے تین جواب دیئے ہیں۔

راقم کے نزدیک اس اعتراض کا درست جواب یہ ہوسکتا ہے، شب معراج میں نمازوں میں تخفیف انسان کی عدم استطاعت کی وجہ سے ہوئی تھی جبکہ قیام رمضان کیلئے صحابہ کا ذوق اس امر کا متقاضی تھا کہ قیام رمضان انسان کی استطاعت میں ہے، اس علت کی بنیاد پر اس کی فرضیت کا خدشہ تھا جس کے پیش نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیمہ اعتکاف سے باہر آنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

یہ حدیث مختصر ہے جبکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث مفصل ہے، اس میں چوتھی رات میں تشریف نہ لانے کا ذکر ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کی مفصل روایت ابن حبان میں مذکور ہے، ابن خزیمہ کی روایت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ واقع آخری عشرہ کا ہے، اس صورت میں اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خیمہ سے باہر تشریف نہ لائے۔ ان احادیث سے یہ معلوم ہوا کی قیام رمضان مسجد میں با جماعت ادا کرنا افضل ہے، جولوگ اسے بدعت کہتے ہیں وہ صناعۃ الحدیث سے نابلد اور جاہل ہیں۔

فقہی احکام: (۱) قیام رمضان مسجد میں با جماعت ادا کرنا افضل ہے۔ (۲) آٹھ رکعات پڑھنا مسنون ہے۔

۳۶۹: وَعَنْ خَارِجَةَ بْنِ حُذَافَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اَللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم " إِنَّ اَللَّهَ أَمَدَّكُمْ بِصَلَاةٍ هِىَ خَيْرٌ لَكُمْ مِنْ حُمُرِ اَلنَّعَمِ " قُلْنَا وَمَا هِىَ يَا رَسُولَ اَللّٰهِ؟ قَالَ " اَلْوِتْرُ ,مَا بَيْنَ صَلَاةِ اَلْعِشَاءِ إِلَى طُلُوعِ اَلْفَجْرِ " رَوَاهُ اَلْخَمْسَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ وَ صَحَّحَهُ اَلْحَاكِمُ.

ابوداود، ابواب الوتر، باب استحباب الوتر: ۱۴۱۸، الترمذی: ۴۵۲، ابن ماجة: ۱۱۶۸، الدارمی: ۱۵۸۴، الحاکم: ۳۰۶/۱، الدارقطنی: ۳۰/۲، البیهقی: ۴۶۹/۲، التلخیص: ۱۶/۲

تنبیہ: متعدد اہل علم نے اطراف مسند احمد کا حوالہ درج کیا ہے مگر راقم کو یہ روایت مسند احمد سے نہیں ملی۔ (واللہ اعلم بالصواب)

۳۶۹: خارجہ بن حذافہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی نماز کے ساتھ تمھاری مدد فرمائی ہے جو تمھارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔" ہم نے عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کونسی نماز ہے؟ ارشاد ہوا "وہ وتر ہے جو عشا اور فجر کی نمازوں کے مابین ہے۔" (اسے احمد، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور حاکم نے صحیح کہا ہے)

لغوی تحقیق: امدکم: اس نے تمہاری مدد کی ہو۔ حمر: حاء اور میم مضموم، احمر کی جمع ہے، سرخ۔ النعم: نون اور عین مفتوح، اونٹ

تشریح: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ سرخ اونٹ اہل عرب کے نزدیک بہت پسندیدہ جانور تھا، تبھی تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا: "وتر نماز کا پڑھنا سرخ اونٹ کے حصول سے بھی کہیں بہتر ہے۔" نیز یہ واضح ہوا کہ مادی اور غیر مادی اشیا کے درمیان موازنہ کیا جاسکتا ہے۔ اس روایت کی صحت اور عدم صحت کے بارے میں اہل علم کی مختلف آراء ہیں۔

فقہی احکام: (۱) مادی اور غیر مادی اشیا کے مابین موازنہ کیا جاسکتا ہے۔ (۲) کسی بھی مسئلہ کی تفہیم کیلئے عام فہم مثال دینی چاہیے۔ (۳) وتر مسلمانوں کے درجات میں بلندی کا ایک اہم ذریعہ ہے۔

۳۷۰: وَرَوَى أَحْمَدُ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ ,عَنْ أَبِيهِ ,عَنْ جَدِّهِ نَحْوَهُ.

احمد: ۶۹۳۶ ، ۶۹۵۹

۳۷۰: امام احمد نے عمرو بن شعیب سے اور انہوں نے اپنے والد اور دادا کے طریق سے اس کی مثل بیان کیا ہے۔

۳۷۱: وَعَنْ عَبْدِ اَللَّهِ بْنِ بُرَيْدَةَ ,عَنْ أَبِيهِ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اَللَّهِ ﷺ "اَلْوِتْرُ حَقٌّ ,فَمَنْ لَمْ يُوتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا" أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ بِسَنَد لَيِّنٍ ,وَصَحَّحَهُ اَلْحَاكِمُ.

ابوداود، تفریع ابواب الوتر، باب فی من لم یوتر: ۱۴۱۹، احمد: ۳۵۷/۵، الحاکم: ۳۰۵/۱، البیهقی: ۴۵۶۸

۳۷۱: حضرت عبداللہ اپنے والد بریدہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:" وتر حق ہے جس نے وتر نہیں پڑھا وہ ہم میں سے نہیں۔" (اسے ابوداؤد نے کمزور سند سے بیان کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے)

لغوی تحقیق: بریدة: باء مضموم راء مفتوح اور یاء ساکن۔ فلیس منا: ہم میں سے نہیں۔

تشریح: اس روایت کا مرکزی راوی ابوالمنیب عبیداللہ بن عبداللہ عتکی ہے، امام حاکم نے موصوف کو ثقہ قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کی حدیث کے قبول کرنے پر اتفاق ہے، امام ذہبی نے امام حاکم کے اس قول پر نقد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام بخاری فرماتے ہیں، اس کے پاس منکر روایات ہیں، امام نسائی کے اس بارے میں دو متضاد قول ہیں، امام یحییٰ بن معین نے اسے ثقہ اور ابوحاتم نے صالح الحدیث کہا ہے، امام عقیلی فرماتے ہیں، اس کی مرویات کی متابعت نہیں کی جاتی، ابواحمد فرماتے ہیں یہ محدثین کے نزدیک قوی نہیں۔ جس طرح عبید اللہ کے ثقہ اور ضعیف ہونے کے بارے میں اختلاف ہے اسی طرح اس روایت کے مرفوع اور موقوف ہونے کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ محدثین کے بیانات پر غور کرنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ موصوف ثقہ راوی ہے لیکن اسکی بعض مرویات منکر ہیں، موصوف کی یہ روایت چونکہ بہت سی صحیح احادیث کے خلاف ہے لہٰذا یہ روایت منکر ہے بنابریں اس روایت کو وتر کے وجوب کی دلیل بنانا درست نہیں۔

۳۷۲: وَلَهُ شَاهِدٌ ضَعِيفٌ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عِنْدَ أَحْمَدَ.

احمد: ۹۷۲۳ ، ۴۴۲/۵ (۲۲۱۵۶)، نصب الرایة: ۱۱۳/۲، التنفیح: ۱۰۴۸/۲

۳۷۲: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت جسے امام احمد نے بیان کیا ہے وہ اس کی شاہد ہے تاہم وہ بھی ضعیف ہے۔

تشریح: اس روایت کا مرکزی راوی خلیل بن مرہ الضبعی ہے اسے امام ابوحاتم نے لیس بالقوی، امام بخاری نے منکر الحدیث اور امام نسائی نے ضعیف کہا ہے۔ اس روایت کے ضعیف ہونے کی دوسری علت یہ ہے کہ یہ روایت منقطع ہے کیونکہ معاویہ بن قرۃ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کچھ نہیں سنا۔ اس کی شاہد روایت حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، عبدالرحمٰن بن رافع کہتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ شام تشریف لائے، اہل شام وتر نہیں پڑھتے تھے، انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا، کیا وجہ ہے کہ میں اہل شام کو وتر پڑھتے نہیں دیکھتا؟ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا، کیا وتر واجب ہیں؟ انہوں نے کہا، جی ہاں! میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرمارہے تھے: "اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک نماز زائد عطا کی ہے اور وہ وتر ہے، اس کا وقت عشاء اور فجر کے مابین ہے۔"

اس روایت کو بطور شاہد نقل کرنا درست نہیں کیونکہ اس کے دو راوی یعنی عبیداللہ بن زحر اور عبدالرحمٰن بن رافع دونوں ضعیف ہیں، علامہ ابن عبدالھادی فرماتے ہیں کہ حدیث معاذ ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ منقطع بھی ہے کیونکہ عبدالرحمٰن بن رافع نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے عہد کو نہیں پایا۔

درج بالا بیانات سے یہ واضح ہو کہ جن روایات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وتر واجب ہیں وہ روایات ضعیف ہیں جبکہ وہ روایات جو وتر کے عدمِ وجوب پر دلالت کرتی ہیں وہ صحیح ہیں۔

۳۷۳:وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ مَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهِ عَلَى إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً, يُصَلِّي أَرْبَعًا ,فَلَا تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ ,ثُمَّ يُصَلِّي أَرْبَعًا ,فَلَا تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ ,ثُمَّ يُصَلِّي ثَلَاثًا قَالَتْ عَائِشَةُ ,فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ,أَتَنَامُ قَبْلَ أَنْ تُوتِرَ؟ قَالَ "يَا عَائِشَةُ ,إِنَّ عَيْنَيَّ تَنَامَانِ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لَهُمَا عَنْهَا كَانَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ عَشْرَ رَكَعَاتٍ ,وَيُوتِرُ بِسَجْدَةٍ ,وَيَرْكَعُ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ ,فَتِلْكَ ثَلَاثُ عَشْرَةَ رَكْعَةً.

البخاری، کتاب التهجد، باب قیام النبی ﷺ باللیل فی رمضان و غیرہ: ۱۱۴۷، مسلم:۷۳۸،ابو داود:۱۳۳۴،الترمذی: ۴۳۹، مالک: ۱۲۰/۱،البخاری،کتاب التهجد،باب کیف صلاۃ النبی ﷺ و کم کان النبی ﷺ یصلی من اللیل: ۱۱۴۰،مسلم:۷۳۶

۳۷۳:حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زائد نماز نہیں پڑھتے تھے، چار رکعات ایسے خوبصورت انداز میں ادا فرماتے کہ ان کے حسن اور طوالت کے بارے میں مت پوچھ! پھر چار رکعات ادا فرماتے ،ان کے حسن اور طوالت کا بھی کیا کہنا! پھر تین رکعات پڑھتے ،حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ ﷺ وتر ادا کرنے سے پہلے سو نہیں جاتے ؟ آپ ﷺ نے فرمایا:"اے عائشہ! میری آنکھ تو سو جاتی ہیں مگر دل نہیں سوتا۔"(بخاری و مسلم) بخاری اور مسلم کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ پہلے آپ ﷺ دس رکعات پڑھتے پھر ایک رکعت پڑھ لیتے ، پھر فجر کی دو رکعات پڑھتے اس طرح یہ سب مل کر تیرہ رکعات ہوئیں۔(بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ آپ ﷺ قیام اللیل (تہجد اور تراویح) رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ غیر رمضان میں آپ ﷺ قیام اللیل رات کے آخری حصہ میں فرماتے تھے جبکہ رمضان میں آپ ﷺ سے پہلے، وسط اور آخری تینوں حصوں میں قیام اللیل کرنا ثابت ہے، قیام اللیل، تراویح، تہجد اور صلاۃ الوتر ایک ہی نماز کے چار نام ہیں۔

اس روایت میں اگر چہ چار چار رکعات کا الگ الگ ذکر ہے،لیکن اس سے یہ مطلب لینا کہ چار رکعات آپ ﷺ نے ایک ہی سلام سے پڑھی ہوں گی ، درست نہیں، کیونکہ یہاں دونوں احتمال موجود ہیں یعنی یہ بھی ممکن ہے کہ دو سلام سے چار رکعات پڑھی ہوں اور چار رکعات پڑھنے کے بعد کچھ دیر کیلئے بیٹھ گئے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ کبھی چار رکعات ایک ہی سلام سے پڑھی ہوں، راقم کے نزدیک پہلے احتمال کا قوی امکان ہے، کیونکہ اسے بعض ایسی صحیح احادیث کی تائید حاصل ہے،جن میں دو دو رکعات پڑھنے کی صراحت ہے، پھر آپ ﷺ کا ارشاد بھی ہے کہ رات کی نماز دو دو رکعات ہے۔مزید تفصیل قیام رمضان میں ملاحظہ فرمائیں۔

اس حدیث سے ایک بات یہ بھی واضح ہوئی کہ نیند عام انسانوں کیلئے ناقص وضو ہے،لیکن رحمت عالم ﷺ کے لیے ناقص وضو نہیں، کیونکہ آپ ﷺ کے قلب مبارک کے بیدار رہنے کی وجہ سے آپ ﷺ وضو کے قائم رہنے پر مطلع رہتے تھے۔

ان تیرہ رکعات میں آٹھ رکعات تہجد یا تراویح کی اور تین وتر ہیں جنہیں آپ ﷺ دو سلام سے ادا فرماتے تھے،یعنی پہلے دو رکعات پڑھ کر سلام پھر دیتے، پھر ایک رکعت الگ پڑھتے اور آخری دو رکعات فجر کی سنتیں ہیں۔

فقہی احکام: (۱) رمضان اور غیر رمضان میں تہجد، تراویح گیارہ رکعات سے زائد پڑھنا ثابت نہیں۔(۲) تہجد اور تراویح دو الگ الگ

نماز یں نہیں۔(۳) نیند آپ ﷺ کے لیے ناقص وضونہیں۔(۴) تہجد یا تراویح آٹھ رکعات ہی پڑھنا مسنون ہیں۔(۵) تین وتر دو سلام سے پڑھنا صحیح احادیث سے صراحتاً ثابت ہے، لہٰذا اسی عمل کو اختیار کیا جائے۔(۶) ہمیشہ فقط ایک وتر پڑھنے کی روش کو ترک کیا جائے۔(۷) رات کی نماز دو دو رکعات کر کے پڑھی جائیں۔

۳۷۴: وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اَللَّهِ ﷺ يُصَلِّي مِنَ اَللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً ,يُوتِرُ مِنْ ذَلِكَ بِخَمْسٍ ,لَا يَجْلِسُ فِي شَيْءٍ إِلَّا فِي آخِرِهَا.

مسلم، کتاب الصلاة المسافرین و قصرها، باب الصلاة اللیل و عددرکعات النبی ﷺ فی اللیل: ۷۳۷، ابوداود: ۱۳۳۸، الترمذی: ۴۵۸، النسائی: ۳/ ۲۴۰، الدارمی: ۱۵۸۹

تنبیہ: مؤلف رحمہ اللہ نے اس حدیث کو بخاری اور مسلم دونوں کی طرف منسوب کیا ہے جبکہ صحیح بخاری میں یہ روایت نہیں ہے۔حافظ ابن عبدالھادی نے المحرر میں اس حدیث کو فقط مسلم کی طرف منسوب کیا ہے۔

۳۷۴: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رات کے وقت تیرہ رکعات ادا فرماتے تھے،ان میں سے پانچ وتر ہوتے تھے اور پانچ وتر ایک ہی تشہد سے پڑھتے تھے۔(بخاری ومسلم)

تشریح: یہ حدیث سابقہ حدیث کی معارض نہیں، کیونکہ دونوں میں جمع کی صورت موجود ہے، یعنی آپ ﷺ کبھی تین وتر دو تشہد سے اور دو سلام سے پڑھ لیتے تھے اور کبھی پانچ وتر ایک تشہد اور ایک سلام سے ادا فرما لیتے تھے،اسی طرح کبھی فجر کی دوسنتوں سمیت تیرہ رکعات پڑھ لیتے تھے اور کبھی ان کے بغیر تیرہ رکعات پڑھ لیتے تھے،لیکن ان تمام صورتوں میں تہجد یا تراویح آٹھ رکعات ہی پڑھتے تھے، کمی وبیشی وتروں میں فرماتے تھے۔

فقہی احکام: (۱) پانچ وتر ایک تشہد اور ایک سلام سے پڑھنا مسنون ہیں۔(۲) تہجد یا تراویح آٹھ رکعات ہی پڑھی جائیں۔

۳۷۵: وَعَنْهَا قَالَتْ ، مِنْ كُلِّ اَللَّيْلِ قَدْ أَوْتَرَ رَسُولُ اَللَّهِ ﷺ فَانْتَهَى وِتْرُهُ إِلَى اَلسَّحَرِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِمَا.

البخاری، کتاب الوتر، باب ساعات الوتر: ۹۹۶، مسلم: ۷۴۵، ابوداود: ۱۴۳۵، الترمذی: ۴۵۶، النسائی: ۳/ ۲۳۰، ابن ماجة: ۱۱۸۵، احمد: ۶/ ۴۶، الدارمی: ۱۵۸۷، البیهقی: ۳/ ۳۵

۳۷۵: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے رات کے ہر حصہ میں وتر پڑھا اور آپ ﷺ کے وتر پڑھنے کا آخری وقت سحری تک تھا۔(بخاری ومسلم)

لغوی تحقیق: **السحر**: سین اور حاء مفتوح۔وہ وقت جب سفیدی مشرقی افق میں ستون یا بھیڑیئے کی دُم کی مثل نظر آتی ہے۔اس حدیث سے واضح ہوا کہ آپ ﷺ نے وتر رات کے تمام حصوں میں پڑھے ہیں، نیز یہ واضح ہوا کہ ان کا دورانیہ عشا کی نماز کے بعد سے لیکر صبح صادق کے نمودار ہونے تک ہے، جو تہجد نہیں پڑھتا بلکہ تراویح پڑھتا ہے،اسے عشا کی نماز یا تراویح کے بعد پڑھ لینے چاہیے اور جو شخص تہجد باقاعدگی سے پڑھتا ہے اسے صبح صادق کے نمودار ہونے تک پڑھ لینے چاہیے۔ **فانتهى وتره الى السحر**: اس سے دو مفہوم مستنبط ہوتے ہیں۔(۱) آخر میں آپ ﷺ رات کے آخری حصہ میں وتر پڑھتے تھے۔(۲) آپ ﷺ نے وتر کو زیادہ سے زیادہ سحری تک مؤخر فرمایا،انہیں الفاظ کے ساتھ یہ روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے(**مسند احمد: ۱/ ۸۶**)

فقہی احکام: صلاۃ الوتر نمازعشا سے لیکر صبح صادق کے نمودار ہونے تک کسی بھی وقت پڑھی جاسکتی ہے، البتہ آخری وقت میں پڑھنی افضل ہے

۳۷۶: وَعَنْ عَبْدِ اَللَّهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ اَلْعَاصِ رضی اللہ عنہما قَالَ، قَالَ لِيْ رَسُولُ اَللَّهِ ﷺ "يَا عَبْدَ اَللَّهِ لَا تَكُنْ مِثْلَ فُلَانٍ ,كَانَ يَقُومُ مِنْ اَللَّيْلِ ,فَتَرَكَ قِيَامَ اللَّيْلِ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، كتاب التهجد، باب مايكره من ترك قيام الليل لمن كان يقومه: ۱۱۵۲، مسلم: ۱۸۵/ ۱۱۵۹، النسائی: ۲۵۳/۳، ابن ماجة: ۱۳۳۱، احمد: ۱۷۰/۲، ابن حبان: ۲۶۴۱، ابن خزيمة: ۱۷۳/۲

۳۷۶: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے عبداللہ! فلاں شخص کی روش مت اختیار کرنا، پہلے وہ رات کا قیام کرتا تھا بعد میں اس نے ترک کردیا۔" (بخاری ومسلم)

لغوی تحقیق: لاتکن: اصل میں تکون تھا لائے نہی داخل ہونے کی وجہ سے نون ساکن ہوا، واؤ پہلے ہی ساکن تھی، اجتماع ساکنین کی وجہ سے واؤ گرگئی، یعنی مت ہوجانا۔

تشریح: عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کو پندونصائح کرنے کا پس منظر یہ ہے کہ آپ ﷺ کو یہ اطلاع ملی کہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما رات بھر قیام کرتا ہے، روزانہ روزہ رکھتا ہے، آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو طلب کرکے ان سے اس خبر کی تصدیق فرمائی تو حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے اقرار کیا، ان کے اقرار کرنے پر آپ ﷺ نے انہیں کثرت عبادت کے مضر اثرات سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا: "مسلسل شب بیداری کی وجہ سے تیری بصارت کمزور ہوجائے گی اور تیرا جسم ناتواں اور اکتاہٹ کا شکار ہوجائے گا، دیکھ فلاں شخص کی طرح مت ہوجانا جو پہلے رات بھر قیام کرتا تھا اور بعد میں اس نے بالکل ترک کردیا۔"

حدیث میں مذکور شخص یقیناً معروف تھا مگر رحمت عالم ﷺ نے اس کا نام نہ لیکر اسے چھپایا ہے، یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے سراغ رساں بھی اس شخص کے نام تک رسائی حاصل کرنے سے قاصر رہے ہیں۔

فقہی احکام: (۱) عبادت میں میانہ روی اختیار کرنی چاہیے۔ (۲) کثرت عبادت کا انجام ترک عبادت بھی ہوسکتا ہے۔ (۳) کسی شخص کا نام لئے بغیر اس کے عیب بطور عبرت بیان کرنا درست ہے۔ (۴) قیام اللیل واجب نہیں۔ (۵) نیک اعمال پہلے کرنا اور بعد میں چھوڑ دینا قابل مذمت حرکت ہے۔ (۶) زیر تربیت افراد کی سہولت کا خیال رکھنا مربی کے فرائض میں شامل ہے۔

۳۷۷: وَعَنْ عَلِيٍّ بْنِ اَبِي طَالِبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اَللَّهِ ﷺ "أَوْتِرُوا يَا أَهْلَ اَلْقُرْآنَ ,فَإِنَّ اَللَّهَ وِتْرٌ يُحِبُّ اَلْوِتْرَ" رَوَاهُ اَلْخَمْسَةُ ,وَصَحَّحَهُ اِبْنُ خُزَيْمَةَ.

ابوداود، تفريع ابواب الوتر، باب استحباب الوتر: ۱۴۱۶، الترمذی: ۴۵۳، النسائی: ۲۲۸/۳، ابن ماجة: ۱۱۶۹، احمد: ۱۴۳/۱، ابن خزيمة: ۱۰۶۷

۳۷۷: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے حفاظ قرآن! وتر پڑھا کرو، اللہ اکیلا ہے اور وہ وتر کو پسند کرتا ہے۔" (اسے پانچوں نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے)

لغوی تحقیق: اوتروا: وتر پڑھا کرو۔

تشریح: نماز تہجد اور تلاوت قرآن حکیم کا بڑا گہرا تعلق ہے، اس ناطے حفاظ قرآن کو تہجد پڑھنے کی ترغیب خصوصی طور پر دی گئی ہے، نماز

تہجد میں قرآن حکیم کی تلاوت کرنے سے قرآن حکیم بھی یادرہتا ہے اورتقرب الی اللہ بھی حاصل ہوتا ہے، تاہم نماز تہجد حفاظ پرواجب نہیں۔

جن حضرات کا یہ خیال ہے کہ وتر واجب ہے وہ اس حدیث میں مذکور صیغہ اوتروا سے دلیل پکڑتے ہیں، ان کا اس لفظ سے استدلال درست نہیں کیونکہ یہاں اوتروا سے مراد وتر نہیں بلکہ نماز تہجد ہے، جبکہ تہجد کے وجوب کے وہ بھی قائل نہیں، اگر اس سے مراد وتر ہی لیے جائیں، تب بھی اس حدیث سے وتروں کا وجوب لازم نہیں آتا، کیونکہ اس حدیث میں وتر کا حکم فقط حفاظ کو دیا گیا ہے، جبکہ وتر کے وجوب کے قائل وتروں کو غیر حفاظ کیلئے بھی واجب قرار دیتے ہیں۔

فقہی احکام: حفاظ کرام کو نماز تہجد پڑھنی چاہیے اوراس میں خوب تلاوت کرنی چاہیے۔

۳۷۸: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ " اِجْعَلُوا آخِرَ صَلَاتِكُمْ بِاللَّيْلِ وِتْرًا " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب الوتر، باب لیجعل آخر صلاته وترا: ۹۹۸، مسلم: ۷۵۱، ابوداود: ۱۴۳۸، احمد، ۴۳/۲، ابن خزیمة: ۱۴۴/۲، البیهقی: ۳۴/۳، النسائی: ۲۳۰/۳، ۲۳۱

۳۷۸: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "رات کی آخری نماز کو وتر بناؤ۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ آخری نماز طاق ہونی چاہیے، اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ ایک رکعت سب سے آخر میں پڑھی جائے اس طرح رات کی ساری نماز طاق ہو جائے گی، اس کی دوسری صورت یہ ہے کہ جو شخص سحری سے پہلے اٹھنے کا عادی نہیں وہ سونے سے پہلے ایک رکعت پڑھ لے، اگر سحری سے پہلے اس کی آنکھ کھل جائے تو وہ حسب توفیق دو دو رکعات کر کے پڑھتا رہے، اس شخص کی آخری نماز بھی طاق کہلائے گی، کیونکہ وتر کے بعد آپ ﷺ سے دو رکعات پڑھنا ثابت ہے۔ نیز قولی حدیث میں بھی یہ نہیں کہا گیا کہ رات کی آخری رکعت طاق ہو، بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ رات کی آخری نماز طاق ہو، لہٰذا مذکورہ ہر دو صورتوں میں رات کی آخری نماز طاق ہی رہے گی۔

فقہی احکام: رات کی آخری نماز طاق ہونی چاہیے۔

۳۷۹: وَعَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ " لَا وِتْرَانِ فِي لَيْلَةٍ " رَوَاهُ أَحْمَدُ ,وَالثَّلَاثَةُ, وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

ابوداود، تفریع ابواب الوتر، باب فی نقض الوتر: ۱۴۳۹، الترمذی: ۴۷۰، النسائی: ۲۲۹/۳، ۲۳۰، احمد: ۱۶۲۹۶، ابن خزیمة: ۱۵۶/۲، البیهقی: ۳۶/۳، ابن حبان: ۲۴۴۹

۳۷۹: حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرمارہے تھے، "ایک رات میں دو وتر نہیں۔" (اسے احمد اور تینوں نے بیان کیا ہے اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے)

لغوی تحقیق: وتران : وتر کا تثنیہ ہے۔

تشریح: یہ روایت تفصیلاً اس طرح ہے۔ قیس بن طلق کہتے ہیں کہ حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ ہمارے پاس ماہ رمضان میں تشریف لائے اور انہوں نے روزہ افطار ہمارے ساتھ کیا اس رات انہوں نے ہمیں نماز تراویح اور وتر پڑھائے، پھر وہ مسجد تشریف لے گئے اور اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھائی، جب وتر باقی رہ گیا تو انہوں نے ایک دوسرے شخص کو آگے کر دیا اور اسے کہا کہ وہ اپنے ساتھیوں کو وتر پڑھائے کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ایک رات میں دو وتر نہیں۔

اس روایت سے یہ واضح ہوا کہ بوقت ضرورت ایک امام فرض نماز کی امامت دو دفعہ کرواسکتا ہے، نیز اس سے ان لوگوں کے خیالات کا رد بھی ہوتا ہے جو کہتے ہیں کہ جو شخص سونے سے پہلے وتر پڑھ لے اگر صبح سے قبل اس کی آنکھ کھل جائے تو وہ پہلے ایک رکعت پڑھ کر پہلے پڑھی ہوئی رکعت کو جفت بنائے، پھر دو دو رکعات پڑھتا رہے اور آخر میں ایک وتر پڑھ لے، حضرت طلق رضی اللہ عنہ نے وتر پڑھنے کے بعد اپنی مسجد میں جا کر امامت کروائی جبکہ امامت کا آغاز کرنے سے پہلے انہوں نے ایک رکعت پڑھ کر رکعات کو جفت نہیں کیا۔ اس روایت کو بنیاد بنا کر تراویح اور تہجد کو الگ الگ ثابت کرنا کوتاہ علمی ہے کیونکہ حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ نے دونوں دفعہ امامت سونے سے پہلے کروائی ہے۔

فقہی احکام: (۱) بوقت ضرورت ایک شخص ایک فرض نماز کی دو دفعہ امامت کرواسکتا ہے۔

(۲) ایک رات میں طاق رکعت ایک ہی بار پڑھنی چاہیے۔

۳۸۰: **وَعَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُوتِرُ بِ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾ و﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ﴾ و﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ رَوَاهُ أَحْمَدُ ,وَأَبُو دَاوُدَ ,وَالنَّسَائِيُّ وَزَادَ ، وَلَا يُسَلِّمُ إِلَّا فِي آخِرِهِنَّ .**

النسائي، كتاب قيام الليل و تطوع النهار، باب (القرأة في الوتر) ذكر اختلاف الفاظ الناقلين لخبر ابي بن كعب في الوتر: ١٧٣٠، ابوداود: ١٤٢٣، احمد: ١٢٣/٥، الدارقطني: ٣١/٢، ابن ماجة: ١١٧١

۳۸۰: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ وتروں میں سورۃ الاعلیٰ، سورۃ الکافرون اور سورۃ اخلاص پڑھا کرتے تھے۔ (احمد، ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے اور نسائی نے مزید یہ الفاظ بھی بیان کئے ہیں کہ سلام آخری رکعت میں پھیرتے تھے۔)

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ ایک سلام سے تین وتر پڑھنے بھی درست ہیں، نیز نسائی میں مروی روایت میں بھی صراحت ہے کہ آپ ﷺ پہلی رکعت میں سورۃ الاعلی دوسری رکعت میں سورۃ الکافرون اور تیسری رکعت میں سورۃ الاخلاص پڑھتے تھے۔

فقہی احکام: (۱) ایک سلام اور ایک تشہد سے تین وتر پڑھے جاسکتے ہیں۔ (۲) پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ الاعلیٰ، دوسری رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ الکافرون اور تیسری رکعت میں سورۃ الاخلاص پڑھنا مسنون ہے۔

۳۸۱: **وَلِأَبِي دَاوُدَ ,وَالتِّرْمِذِيِّ نَحْوُهُ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا وَفِيهِ كُلُّ سُورَةٍ فِي رَكْعَةٍ ,وَفِي الْأَخِيرَةِ ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ وَالْمُعَوِّذَتَيْنِ .**

ابوداود، تفريع ابواب الوتر، باب مايقرأ في وتر: ١٤٢٤، الترمذي: ٤٦٣، ابن ماجة: ١١٧٣، البيهقي: ٣٨/٣، الدارقطني: ٢٤/٢، التنقيح: ١٠٦١/٢

۳۸۱: ابوداؤد اور ترمذی میں اسی کی مثل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اور اس میں یہ صراحت بھی ہے کہ ہر رکعت میں ایک مکمل سورۃ تلاوت فرماتے تھے اور آخری میں قل ھو اللہ اور معوذتین تلاوت فرماتے تھے۔

لغوی تحقیق: معوذتین : معوذة کا تثنیہ ہے، یعنی آخری دونوں سورتیں، ان دونوں سورتوں میں چونکہ مکمل طور پر تعوذ بیان ہوا ہے اس لیے اسے معوذتین کہا گیا ہے۔

تشریح: یہ روایت ضعیف ہے، کیونکہ خصیف بن عبدالرحمٰن ضعیف ہے اور عبدالعزیز بن جریج کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماع ثابت نہیں۔ امام احمد، خصیف بن عبدالرحمٰن کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ حدیث میں قوی نہ ہونے کی وجہ سے قابل حجت نہیں، امام ابوحاتم نے اسے سوء حفظ کا شکار قرار دیا ہے۔ امام ابن حبان، عبدالعزیز بن جریج کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ فی نفسہ ثقہ ہے، لیکن اس نے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کچھ نہیں سنا۔اس کی مؤید ایک روایت عمرۃ بنت عبدالرحمٰن کے طریق سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے مگر وہ روایت بھی صحیح نہیں کیونکہ امام یحییٰ بن سعید فرماتے ہیں کہ میں اس حدیث کو نہیں پہچانتا۔

۳۸۲: وَعَنْ أَبِی سَعِیدٍ اَلْخُدْرِیِّ رضی اللہ عنہ أَنَّ اَلنَّبِیَّ ﷺ قَالَ " أَوْتِرُوا قَبْلَ أَنْ تُصْبِحُوا " رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین و قصرھا، باب صلاۃ اللیل مثنیٰ مثنیٰ والوتر رکعۃ من آخر اللیل: ۷۵۴،الترمذی:۴۶۸،النسائی : ۲۳۱/۳، ابن ماجۃ: ۱۱۸۹، احمد: ۳۷/۳، عبدالرزاق: ۸/۳، حاکم: ۳۰۱/۱، البیھقی: ۴۷۸/۲

۳۸۲: ابوسعید خدری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"وتر صبح نمودار ہونے سے پہلے پڑھ لیا کرو۔"(مسلم)

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ وتر کا آخری وقت صبح صادق کے نمودار ہونے سے پہلے تک ہے،اس کے بعد یہ قضا ہوگا، وتر قضا بھی دیگر قضا نمازوں کی طرح کسی وقت بھی ادا کیا جاسکتا ہے۔

ب۳۸۲:وَلِابْنِ حِبَّانَ " مَنْ أَدْرَکَ اَلصُّبْحَ وَلَمْ یُوتِرْ فَلَا وِتْرَ لَهُ "

ابن حبان، کتاب الصلاۃ، باب الوتر: ۲۴۰۸، ابن خزیمۃ: ۱۰۹۲، الحاکم: ۳۰۱/۱، البیھقی: ۴۷۸/۲

ب۳۸۲:ابن حبان میں ہے کہ "جس نے صبح صادق کے نمودار ہونے سے پہلے وتر نہیں پڑھا اس کا کوئی وتر نہیں۔"

تشریح: اس روایت میں اگرچہ کوئی بظاہر علت نہیں لیکن امام مسلم کا ان الفاظ کو چھوڑ کر اس حدیث کے دیگر الفاظ کو نقل کرنا کسی مخفی علت کی طرف مشیر ہے۔

۳۸۳:وَعَنْهُ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اَللَّهِ ﷺ " مَنْ نَامَ عَنِ اَلْوِتْرِ أَوْ نَسِیَهُ فَلْیُصَلِّ إِذَا أَصْبَحَ أَوْ ذَکَرَ " رَوَاهُ اَلْخَمْسَةُ إِلَّا النَّسَائِیَّ .

ابوداود، تفریع ابواب الوتر، باب فی الدعاء بعد الوتر: ۱۴۳۱، الترمذی: ۴۶۵، ابن ماجۃ: ۱۱۸۸، احمد: ۴۴/۳، الحاکم: ۳۰۲/۱، البیھقی: ۴۸۰/۲، مصنف عبدالرزاق: ۱۰/۳، مؤطا: ۹۷/۱

۳۸۳: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"جو وتر پڑھنے سے قبل سو جائے یا وتر بھول جائے، وہ جب صبح کرے تب پڑھ لے یا جب اسے یاد آئے تب پڑھ لے۔"(اسے ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور احمد نے نقل کیا ہے)

تشریح: زید بن اسلم سے یہ روایت ان کے صاحبزادے عبدالرحمٰن بن زید اور محمد بن مطرف المدینی نقل کرتے ہیں، عبدالرحمٰن بن زید ضعیف ہے، لیکن اس کا متابع محمد بن مطرف موجود ہے، اس لئے یہ حدیث قابل حجت ہے۔مؤطا اور عبدالرزاق میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما طلوع فجر کے بعد بھی وتر پڑھ لیا کرتے تھے۔مؤطا میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ وہ فجر کی جماعت کھڑی ہونے تک وتر پڑھ لیا کرتے تھے، یہ دونوں اثر صحیح ہیں۔

فقہی احکام: وتر کی قضا صبح صادق کے نمودار ہونے کے بعد دی جاسکتی ہے۔

۳۸۴:وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اَللَّهِ ﷺ "مَنْ خَافَ أَنْ لَا یَقُومَ مِنْ آخِرِ اَللَّیْلِ فَلْیُوتِرْ أَوَّلَهُ ,وَمَنْ طَمِعَ أَنْ یَقُومَ آخِرَهُ فَلْیُوتِرْ آخِرَ اَللَّیْلِ ,فَإِنَّ صَلَاةَ آخِرِ اَللَّیْلِ مَشْهُودَةٌ ,وَذَلِکَ أَفْضَلُ " رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین و قصرھا، باب من خاف ان لایقوم من آخر اللیل فلیوتر اولہ: ۷۵۵، الترمذی: ۴۵۵، ابن ماجۃ: ۱۱۸۷، احمد: ۳۸۹/۳، ابن خزیمۃ: ۱۰۸۶، البیھقی: ۳۵/۳، ابن حبان: ۲۵۶۵

۳۸۴: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جسے خدشہ ہو کہ وہ رات کے آخری حصہ میں بیدار نہیں ہو سکے گا وہ رات کے پہلے حصہ میں وتر پڑھ لیا کرے اور جسے امید ہے کہ وہ رات کے آخری حصہ میں قیام اللیل کر سکے گا، وہ رات کے آخری حصہ میں پڑھے کیونکہ رات کے آخری حصہ کی نماز میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور یہی حصہ افضل ہے۔" (مسلم)

لغوی تحقیق: **خاف**: خدشہ محسوس کرے۔ **طمع**: امید رکھتا ہے۔ **مشھود**: حاضر کئے جاتے ہیں۔

فقہی احکام: (۱) جو صبح صادق سے قبل بیدار ہونے کا عادی نہیں وہ نماز عشا کے فوراً بعد وتر پڑھ لے۔ (۲) جو صبح صادق سے قبل بیدار ہونے کا عادی ہے، وہ رات کے آخری حصہ میں قیام اللیل کے بعد وتر پڑھے۔ (۳) صبح کاذب اور صبح صادق کے وقت ملائکہ کی خصوصی جماعت نمازوں میں شریک ہوتی ہے۔ (۴) ملائکہ کی شرکت کی وجہ سے تہجد اور وتروں کے حسن میں دو چند اضافہ ہو جاتا ہے۔ (۵) وتر رات کے کسی بھی حصہ میں پڑھے جا سکتے ہیں مگر افضل وقت رات کا آخری حصہ ہے۔

۳۸۵: وَعَنْ اِبْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما عَنْ اَلنَّبِیِّ ﷺ قَالَ " إِذَا طَلَعَ اَلْفَجْرُ فَقَدْ ذَهَبَ كُلُّ صَلَاةِ اَللَّيْلِ وَالْوِتْرِ، فَأَوْتِرُوا قَبْلَ طُلُوعِ اَلْفَجْرِ" رَوَاهُ اَلتِّرْمِذِيُّ .

الترمذی، ابواب الصلاۃ، باب ماجاء فی مبادرۃ الصبح بالوتر: ۴۶۹، الحاکم: ۱/۳۰۲، ابن خزیمۃ: ۱۰۹۱، احمد: ۲/۱۵۰، البیھقی: ۴/۴۷۸، عبدالرزاق: ۴۶۱۳

۳۸۵: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "جب صبح صادق نمودار ہو جائے تو وتر سمیت رات کی نماز کا وقت ختم ہو جاتا ہے، اس لئے طلوع فجر سے پہلے پہلے وتر پڑھ لیا کرو۔" اسے ترمذی نے روایت کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں بھی تہجد اور وتر کا آخری وقت بتایا گیا ہے۔ نیز یہ روایت حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے آثار کے معارض نہیں۔

۳۸۶: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اَللَّهِ ﷺ يُصَلِّي اَلضُّحَى أَرْبَعًا ,وَيَزِيدُ مَا شَاءَ اَللَّهُ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

صحیح مسلم، کتاب صلاۃالمسافرین و قصرھا، باب استحباب صلاۃ الضحیٰ و ان اقلھا رکعتان: ۷۱۹، ۷۲۱، ۷۲۲، ابن ماجۃ: ۱۳۸۱، احمد: ۶/۱۲۳، ابوعوانۃ: ۲/۲۶۷، البیھقی: ۳/۴۷، البخاری: ۱۱۷۸

۳۸۶: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ چاشت کی نماز چار رکعات پڑھتے تھے، جس قدر اللہ چاہتا اس قدر زیادہ بھی پڑھ لیا کرتے تھے۔ (مسلم)

لغوی تحقیق: **الضحیٰ**: ضاد مضموم اور حاء مفتوح، چاشت کا وقت یعنی وہ وقت جب سورج کی شعائیں خوب نکھر کر زمین پر پڑنے لگتی ہیں

تشریح: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس بارے میں بظاہر معارض روایات منقول ہیں جیسا کہ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ذکر کی ہیں لیکن ان میں کیونکہ جمع کی صورت موجود ہے اس لئے ان میں درحقیقت کوئی تعرض نہیں۔ زیر مطالعہ حدیث میں اگرچہ کان فعل مضارع پر داخل ہے، لیکن یہ کوئی ضروی نہیں کہ کان جب بھی فعل مضارع پر داخل ہوگا وہ اس میں ماضی استمراری کا معنی پیدا کر دے گا، تاہم اکثر یہ استمرار کیلئے آتا ہے، لیکن یہاں چونکہ قرائن استمرار کی نفی کرتے ہیں، اس لئے یہاں استمرار کے لیے نہیں بلکہ محض اظہار کثرت کے لیے ہے یعنی آپ ﷺ چاشت کی چار رکعات یا کبھی اس سے زیادہ پڑھ لیا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں بعض دیگر صحابہ سے بھی منقول ہے۔

(۱) حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے محبوب ﷺ نے مجھے تین باتوں کی وصیت فرمائی، میں انہیں زندگی بھر ترک

نہیں کروں گا،۱۔ ہر ماہ کے تین روزے، ۲۔ چاشت کی نماز، ۳۔ سونے سے قبل وتر پڑھنا۔

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی انہیں الفاظ کے ساتھ حدیث مروی ہے۔ ان احادیث سے یہ واضح ہوا کہ آپ ﷺ خود بھی چاشت کی نماز پڑھ لیا کرتے تھے اور صحابہ کو حکم دیتے تھے کہ وہ چاشت کی نماز پڑھیں۔

فقہی احکام: (۱) چاشت کی نماز پڑھنا مسنون ہے۔ (۲) اس کی کم از کم تعداد دو رکعات ہے۔

(۳) زیادہ تر معمول چار رکعات کا ہونا چاہیے۔ (۴) اس سے زائد بھی پڑھی جا سکتی ہیں۔

۳۸۷: وَلَهُ عَنْهَا أَنَّهَا سُئِلَتْ هَلْ كَانَ رَسُولُ اَللَّهِ ﷺ يُصَلِّي اَلضُّحَى؟ قَالَتْ لَا ,إِلَّا أَنْ يَجِيءَ مِنْ مَغِيبِهِ.

مسلم: ۷۱۷، ابو داود: ۱۲۹۲، النسائی: ۱۵۲/۴، احمد: ۳۱/۴، ابن خزیمة: ۱۲۳۰

تنبیہ: صحیح مسلم کے مطبوعہ نسخہ میں کان النبی ﷺ ہے جبکہ مؤلف رحمہ اللہ نے صحیح مسلم ہی کے حوالے سے کان رسول اللہ ﷺ کے الفاظ نقل کیے ہیں۔

۳۸۷: (حضرت عبداللہ بن شقیق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا گیا، کیا رسول اللہ ﷺ چاشت کی نماز پڑھا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا نہیں۔ البتہ جب سفر وغیرہ سے واپس تشریف لاتے تو پھر پڑھا کرتے تھے۔ (مسلم)

لغوی تحقیق: مغیب: مدینہ منورہ سے باہر رہنا۔

تشریح: یہی وہ روایت ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی مختلف روایات کے مابین تعارض ختم کر کے جمع کی صورت پیدا کرتی ہے، یعنی آپ ﷺ ضحیٰ کی نماز عموماً نہیں پڑھا کرتے تھے لیکن سفر وغیرہ سے جب واپس تشریف لاتے تو پھر پڑھا کرتے تھے۔

۳۸۸: وَلَهُ عَنْهَا مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اَللَّهِ ﷺ يُصَلِّي سُبْحَةَ اَلضُّحَى قَطُّ ,وَإِنِّي لَأُسَبِّحُهَا.

مسلم، کتاب صلاة المسافرین و قصرها، باب استحباب صلاة الضحیٰ......: ۷۱۸، البخاری: ۱۱۲۸، ۱۱۷۷، مؤطا: ۱۵۲/۱، الدارمی: ۲۷۸/۱

۳۸۸: مسلم ہی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی نماز ضحیٰ کے نفل پڑھتے نہیں دیکھا لیکن میں پڑھتی ہوں

لغوی تحقیق: سبحة: سین مضموم اور باء ساکن، نفلی نماز۔ قط: اس کی تین حالتیں ہیں (۱) قاف مفتوح اور طاء مشدد مضموم، اس وقت یہ ظرف زمان بطور استغراق ماضی کے لیے استعمال ہوگا۔ (۲) قاف مفتوح طاء ساکن، اس وقت یہ صرف کے معنی میں استعمال ہوگا۔ (۳) کبھی یہ اسم فاعل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، زیر مطالعہ حدیث میں یہ پہلے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

تشریح: یہ روایت گزشتہ سے پیوستہ روایت کے واضح طور پر خلاف ہے، لیکن چونکہ گزشتہ روایت ان دونوں کے درمیان موافقت پیدا کرتی ہے، لہٰذا یہ صریح تعارض زائل ہو گیا، یعنی اس حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ میں نے عمومی حالات میں رسول اللہ ﷺ کو کبھی بھی نماز ضحیٰ پڑھتے نہیں دیکھا، پہلی اور دوسری دونوں کا مشترکہ مفہوم یہ ہوگا کہ آپ ﷺ جب سفر وغیرہ سے تشریف لاتے تو پھر ضحیٰ کی نماز ضرور پڑھتے تھے۔ دارمی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ چاشت کے نفل سفر و حضر میں نہیں پڑھتے تھے۔

یہ روایت چاشت کی نماز کی قطعی نفی نہیں کرتی کیونکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ ﷺ دوران سفر چاشت کے نفل نہیں پڑھتے تھے اور مدینہ طیبہ میں عمومی حالات میں بھی نہیں پڑھتے تھے، جبکہ سابقہ روایت میں ہے کہ سفر سے تشریف لانے کے فوراً بعد پڑھا کرتے تھے، لہٰذا ان روایات کے مابین حقیقی تعارض نہیں ہے، حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ جب فتح مکہ کے بعد اس کے گھر تشریف لائے تو آپ ﷺ نے ان کے گھر میں ہلکی آٹھ رکعات ادا فرمائیں۔

ایک دوسری روایت میں ہے، حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وہ چاشت کا وقت تھا۔ یہ روایت بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت کے حقیقی معارض نہیں کیونکہ اس میں دوران سفر نفی کا ذکر ہے، جبکہ فتح مکہ کے بعد آپ ﷺ نے مکہ میں پڑاؤ ڈال لیا تھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک انصاری صحابی کی درخواست پر اس کے گھر جا کر دو رکعات نماز پڑھی تھی، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے آپ ﷺ کو اس دن کے علاوہ کسی دوسرے دن ضحیٰ کی نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔ یہ روایت بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی اس روایت کے خلاف نہیں، کیونکہ اس میں عام حالات میں نماز پڑھنے کی نفی ہے جبکہ اس میں خاص حالت کا ذکر ہے۔

فقہی احکام: (۱) چاشت کی نماز اگرچہ مؤکدہ نہیں تاہم مسنون ہے۔

(۲) اس کی کم از کم دو رکعات ہیں اور زیادہ سے زیادہ آٹھ رکعات۔

۳۸۹: وَعَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ " صَلَاةُ الْأَوَّابِينَ حِينَ تَرْمَضُ الْفِصَالُ " رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین و قصرها، باب صلاۃ الاوابین حین ترمض الفصال: ۷۴۸، احمد: ۴/ ۳۶۶، ابن خزیمۃ: ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۷، ابن حبان: ۲۵۳۹، البیهقی: ۳/۴۹، ابوعوانۃ: ۲/۲۷۰، المعجم الصغیر للطبرانی: ۱۵۵

تنبیہ: مؤلف رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ترمذی کی طرف منسوب کیا ہے مگر ترمذی کے مطبوعہ نسخوں میں یہ حدیث موجود نہیں، امام مزی نے تحفہ الاشراف (۳/ ۲۵۱) میں بھی اس حدیث کو ترمذی کی طرف منسوب نہیں کیا۔

۳۸۹: حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اوابین کی نماز کا وقت وہ ہے جب اونٹنی کے بچے زمین سے حرارت محسوس کریں۔" (ترمذی)

لغوی تحقیق: اوابین: ہمزہ مفتوح اور واؤ مشدد مفتوح، اس کا واحد؛ اواب؛ ہے، یعنی بہت زیادہ توبہ کرنے والے اور بھلائیوں کی طرف رغبت کرنے والے۔ ترمض: تاء مفتوح، راء ساکن اور میم مفتوح، زمین کا پاؤں کو گرم کرنا۔ الفصال: فاء مکسور، اونٹنی کا وہ بچہ جو ماں سے الگ ہو کر چرنے لگتا ہے۔

تشریح: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ صلاۃ الاوبین، صلاۃ الضحیٰ کا دوسرا نام نہیں، بلکہ یہ ایک الگ نماز ہے اور یہ اس وقت پڑھی جانی چاہیے جب سورج خوب اونچا ہو چکا ہو اور اس کی شعاعوں نے زمین کو اس قدر گرم کر دیا ہو کہ اونٹنی کے بچے کے پاؤں جلنے شروع ہو جائیں۔ یہ تقریباً چوتھائی دن گزرنے کے بعد شروع ہوتا ہے اور زوال کے قریب تک رہتا ہے۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ یہ نماز نصف النہار کے بعد پڑھتے تھے۔

نماز ضحیٰ، نماز اشراق اور نماز اوابین یہ تینوں نمازیں الگ الگ ہیں یا ایک ہی نماز کے تینوں نام ہیں؟ اہل علم کے ایک گروہ کا خیال ہے کہ یہ تینوں الگ الگ نمازیں ہیں اور ان کے اوقات بھی الگ الگ ہیں۔ ایک گروہ کے نزدیک ایک ہی نماز کے تین نام ہیں، مؤلف رحمہ اللہ جس سیاق سے یہ حدیث لائے ہیں اس سے تو یہی عیاں ہوتا ہے کہ مؤلف رحمہ اللہ کے نزدیک بھی صلاۃ الضحیٰ اور صلاۃ الاوابین ایک ہی نماز ہے۔

امام ابن خزیمہ نے صراحتاً لکھا ہے کہ صلاۃ الضحیٰ ہی صلاۃ الاوابین ہے، امام ممدوح اپنے مؤقف کو صائب ثابت کرنے کے لیے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے دو مرفوع احادیث لائے ہیں، ایک حدیث میں ہے کہ میرے محبوب نے مجھے تین چیزوں کی وصیت فرمائی، میں

انہیں کسی حال میں بھی چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوں، ۱۔ سونے سے پہلے وتر پڑھوں۔ ۲۔ ضحیٰ کی دو رکعات کو کبھی ترک نہ کروں، صلاۃ الضحیٰ ہی صلاۃ الاوابین ہے، ۳۔ ہر ماہ کے تین روزے رکھوں۔

دوسری حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: صلاۃ الضحیٰ پر دوام؛ اواب؛ ہی کرتا ہے، اور صلاۃ الضحیٰ ہی صلاۃ الاوابین ہے۔

حضرت ارقم رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی ایک جماعت کو صلاۃ الضحیٰ پڑھتے ہوئے دیکھ کر فرمایا، اس کا افضل وقت یہ نہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے، صلاۃ الاوابین کا وقت وہ ہے جب اونٹنی کے بچے کے پاؤں جلنے شروع ہو جائیں۔

جناب نور الحسن **فتح العلام** میں **مسند البزار** کے حوالے سے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث لائے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس نماز کو نصف النہار کے بعد پڑھنا پسند فرماتے تھے۔

۳۹۰: وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اَللَّهِ ﷺ " مَنْ صَلَّى اَلضُّحَى ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً بَنَى اَللَّهُ لَهُ قَصْرًا فِي اَلْجَنَّةِ " رَوَاهُ اَلتِّرْمِذِيُّ وَاسْتَغْرَبَهُ.

الترمذي: ابواب الصلاة، باب ماجاء في صلاة الضحىٰ: ۴۷۲، التقريب: ۷۰۲۷، ابن ماجة: ۱۳۸۰

۳۹۰: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس نے صلاۃ الضحیٰ کی بارہ رکعات پڑھیں، اللہ اس کے لیے جنت میں ایک محل تیار فرمائے گا۔" اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور غریب قرار دیا ہے۔

تشریح: یہ روایت موسیٰ بن فضل کے مجہول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ جبکہ صحیح حدیث میں صلاۃ الضحیٰ کی رکعات کی تعداد زیادہ سے زیادہ آٹھ بیان ہوئی ہیں، اسی بنا پر امام نووی نے یہ باب قائم کیا ہے کہ صلاۃ الضحیٰ کی کم از کم دو رکعات ہیں اور مکمل نماز آٹھ رکعات پر مشتمل ہے۔

۳۹۱: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ دَخَلَ اَلنَّبِيُّ ﷺ بَيْتِي ,فَصَلَّى اَلضُّحَى ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ .رَوَاهُ اِبْنُ حِبَّانَ فِي صَحِيحِهِ.

ابن حبان، كتاب الصلاة، باب في صلاة الضحىٰ: ۲۵۳۱، مؤطا امام مالک، كتاب الصلاة، باب صلاة الضحىٰ، زرقاني: ۱/۳۰۸، مسلم: ۷۳۳، الطبراني: ۳۴۳/۲۳

۳۹۱: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میرے گھر تشریف لائے اور نماز ضحیٰ کی آٹھ رکعات ادا فرمائیں۔ اس روایت کو امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں درج کیا ہے۔

تشریح: آپ ﷺ سے صلاۃ الضحیٰ کی آٹھ رکعات پڑھنا صحیح حدیث سے ثابت ہے تاہم زیر مطالعہ روایت ضعیف ہے، مگر اس کی مؤید روایت موجود ہے، جیسا کہ امام مالک نے زید بن اسلم سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صلاۃ الضحیٰ کی آٹھ رکعات پڑھا کرتی تھیں۔ امام باجی لکھتے ہیں کہ ممکن ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس تعداد کا علم حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کی روایت سے ہوا ہو۔

۱۰۔ بَابُ صَلَاةِ الْجَمَاعَةِ وَالْإِمَامَةِ نماز باجماعت اور امامت کا بیان

۳۹۲: عَنْ عَبْدِ اَللَّهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُولَ اَللَّهِ ﷺ قَالَ " صَلَاةُ اَلْجَمَاعَةِ أَفْضَلُ مِنْ صَلَاةِ اَلْفَذِّ بِسَبْعٍ وَعِشْرِينَ دَرَجَةً " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

البخاري، كتاب الآذان، باب فضل صلاة الجماعة: ۶۴۵، مسلم: ۶۵۰، النسائي: ۲/۱۰۳، احمد: ۲/۶۵، ابن ماجة: ۷۸۹،

مالک: ۱/۱۲۹، الدارمی: ۱۲۷۷، البیھقی: ۵۹/۳، ابوعوانۃ: ۳/۲،عبدالرزاق: ۱/۵۲۴،فتح الباری: ۱۳۲/۲،الترمذی: ۲۱۵

تنبیہ: عبدالرزاق کے مطبوعہ نسخہ میں عبیداللہ بن عمر العمری ہے، کتابت اور طباعت کی غلطی سے اس میں تصحیف ہوئی ہے یعنی عبداللہ کی جگہ عبیداللہ لکھا گیا ہے، اگر اصل نسخہ میں عبیداللہ ہوتا تو مؤلف رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری میں ضعیف قرار نہ دیتے کیونکہ وہ ثقہ راوی ہے۔

۳۹۲: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں، بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "باجماعت نماز، انفرادی نماز سے ستائیس گنا زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔"

لغوی تحقیق: الفذ: منفرد

تشریح: حضرت نافع مولیٰ ابن عمر سے امام مالک اور عبیداللہ بن عمر العمری نے نماز باجماعت پڑھنے کا ثواب ستائیس نمازوں کے برابر بیان کیا ہے، جبکہ عبداللہ بن عمر العمری نے نافع سے پچیس نمازوں کا ثواب نقل کیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی تمام طریق میں ستائیس نمازوں کا ہی ذکر ہے تاہم امام عبدالرزاق نے عبداللہ بن عمر العمری سے پچیس نمازوں کا ذکر کیا ہے، لیکن عبداللہ بن عمر العمری ضعیف ہے۔ ستائیس نمازوں کے برابر کی حدیث نافع سے امام مالک اور عبیداللہ بن عمر العمری نقل کرتے ہیں، عبیداللہ بن عمر العمری سے یہ حدیث ان کے متعدد تلامذہ نقل کرتے ہیں، ابواسامہ کے علاوہ ان کے دیگر تمام تلامذہ ستائیس نمازوں کا ہی ذکر کرتے ہیں البتہ ابواسامہ سے امام ابوعوانہ نے جو روایت نقل کی ہے اس میں پچیس کا ذکر ہے۔ ابواسامہ اگرچہ ثقہ ہے تاہم اس نے دیگر ثقات کی مخالفت کی ہے اس لئے اس کی روایت شاذ ہے۔ مزید تفصیل آئندہ حدیث کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیں۔

فقہی احکام: اکیلے آدمی کی نماز ہو جاتی ہے لیکن باجماعت پڑھنے کا ثواب اکیلے کی نماز سے ستائیس گنا زیادہ ہے۔

۳۹۳: وَلَهُمَا عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ " بِخَمْسٍ وَعِشْرِينَ جُزْءًا "

البخاری، کتاب الآذان، باب فضل صلاۃ الجماعۃ: ۶۴۷، باب فضل صلاۃ الفجر فی جماعۃ: ۶۴۸، مسلم: ۶۴۹، الترمذی: ۲۱۶، النسائی: ۱۰۳/۲

۳۹۳: بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں پچیس گنا ثواب کا ذکر ہے۔

تشریح: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے، ابوصالح کہتے ہیں، میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرمارہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایک شخص کی باجماعت نماز اسکی اس نماز سے پچیس گنا زیادہ فضیلت رکھتی ہے جو وہ اپنے گھر یا بازار وغیرہ میں پڑھتا ہے، یہ اجر اس وقت ہے جب وہ اپنے گھر سے اچھی طرح وضو کر کے نماز کی نیت سے مسجد کا رخ کرے، اس کے ایک قدم کے بدلے میں اس کا ایک درجہ بلند کیا جاتا ہے، اور اس کی ایک غلطی معاف کر دی جاتی ہے۔" اس روایت میں خمس و عشرین ضعفاً کے الفاظ استعمال ہوئے۔

ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے مروی حدیث میں ہے کہ ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ "باجماعت نماز پڑھنے والوں کی نماز اکیلے کی نماز سے پچیس گنا زیادہ ثواب رکھتی ہے۔" اس روایت میں خمس و عشرین جزئًا کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے۔ مزید تفصیل حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیں۔

۳۹۴: وَكَذَا لِلْبُخَارِيِّ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رضی اللہ عنہ وَقَالَ "دَرَجَةً"

البخاری، کتاب الآذان، باب فضل صلاة الجماعة: ۶۴۲ ، باب فضل صلاة الفجر فی جماعة: ۶۵۱ ، ابوداود: ۵۶۰ ، ابن ماجة: ۷۸۸ ، النسائی: ۱۰۸/۲

۳۹۴: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں جزءً کہ جگہ درجةً استعمال ہوا ہے۔

تشریح: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث متعدد طرق سے منقول ہے اور ہر طریق میں پچیس نمازوں کی فضیلت ہی کا تذکرہ ہے، اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں بھی پچیس نمازوں ہی کا ذکر تھا، جبکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ستائیس نمازوں کی فضیلت کا ذکر ہے، ان تینوں احادیث میں بظاہر تعارض ہے، لیکن حقیقت میں کوئی تعارض نہیں، کیونکہ ان کے مابین تطبیق کی متعدد صورتیں موجود ہیں، اہل علم کے ایک گروہ کا کہنا ہے کہ عدد کا یہ اختلاف قرب وبعد کی بنا پر ہے، یہی قول اقرب الی الصواب معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اس قول کو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے تقویت حاصل ہے۔

ابوموسیٰ اشعری بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا" تمام لوگوں میں نماز کے اجر کے اعتبار سے وہ عظیم تر ہے جو ان میں سب سے زیادہ دور سے نماز ادا کرنے کیلئے مسجد کی طرف چل کر آتا ہے۔"

بعض کا خیال ہے کہ یہ فرق خشوع وخضوع کی بنا پر ہے، بعض کا خیال ہے کہ تکبیر اولیٰ اور اس کے بعد شریک ہونے کے اعتبار سے ہے۔ کچھ اہل علم کا خیال ہے کہ پہلے پچیس کا تھا بعد میں ستائیس کا کر دیا گیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ اجرت میں کمی نہیں بلکہ اضافہ فرماتا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ فرق افراد کی قلت وکثرت کی وجہ سے ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ پہلی صف اور دوسری صفوں میں شرکت کرنے کی وجہ سے ہے۔ ان کے مؤقف کو ابی بن کعب سے مروی حدیث سے تقویت ملتی ہے۔

ان احادیث میں ثواب کا اگرچہ فرق بیان ہوا ہے تاہم ان تینوں میں قدر اشتراک یہ ہے کہ اکیلے آدمی کی نماز ہو جاتی ہے۔ ان احادیث کے علاوہ بعض اور بھی ایسی احادیث ہیں جن سے یہی مفہوم ظاہر ہوتا ہے تاہم ان میں یہ صراحتاً مذکور ہے کہ نماز باجماعت کا ترک نفاق کی علامت ہے۔ جیسا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم یہ دیکھتے تھے کہ جماعت سے پیچھے وہی شخص رہتا تھا جس کا نفاق کھل کر سامنے آ چکا تھا یا وہ سخت مریض ہوتا تھا، بعض مریض ایسے بھی ہوتے تھے جنہیں دو آدمی سہارا دے کر مسجد لاتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ہدایت کے طریقے سکھائے، مساجد میں باجماعت نماز ادا کرنا بھی ہدایت کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے۔

فقہی احکام: (۱) باجماعت نماز ادا کرنے کا ثواب ستائیس نمازوں کے برابر ہے۔ (۲) جماعت کا ترک نفاق کی علامت ہے۔ (۳) ایسا مریض جو مسجد تک پہنچنے سے قاصر ہے، اس کے لیے گھر میں نماز پڑھنے کی رخصت ہے۔

۳۹۵: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اَللَّهِ ﷺ قَالَ " وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ بِحَطَبٍ فَيُحْتَطَبَ ,ثُمَّ آمُرَ بِالصَّلَاةِ فَيُؤَذَّنَ لَهَا ,ثُمَّ آمُرَ رَجُلًا فَيَؤُمَّ اَلنَّاسَ ,ثُمَّ أُخَالِفُ إِلَى رِجَالٍ لَا يَشْهَدُونَ اَلصَّلَاةَ ,فَأُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ بُيُوتَهُمْ ,وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ يَعْلَمُ أَحَدُهُمْ أَنَّهُ يَجِدُ عَرْقًا سَمِينًا أَوْ مِرْمَاتَيْنِ حَسَنَتَيْنِ لَشَهِدَ اَلْعِشَاءَ " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ.

البخاری، کتاب الاحکام، باب اخراج الخصوم و اهل الریب ......: ۷۲۲۴ ، النسائی: ۱۰۷/۲ ، مؤطا: ۱۲۹/۱ ، ابوداود: ۵۴۸ ، الترمذی: ۲۱۷ ، ابن ماجة: ۷۹۱ ، مسلم: ۲۵۱ / ۶۵۱ ، احمد: ۲۴۴/۲ ، الدارمی: ۱۲۷۴ ، ابن خزیمة: ۱۴۸۱ ، مجمع

البحرين: ۳۴/۲، المعجم الاوسط للطبرانی: ۸۶ ۹ ۷

۳۹۵: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں پختہ ارادہ کر چکا تھا کہ میں ایک آدمی کو لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں، پھر نماز کے لیے آذان کا حکم دوں، پھر ایک شخص کو نماز پڑھانے کا حکم دوں، پھر میں ان لوگوں کی طرف جاؤں جو نماز میں شریک نہیں ہوتے، انہیں ان کے گھروں میں ہی آگ لگا کر جلا دوں، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر ان میں سے کسی کو یہ معلوم ہو جائے کہ اسے گوشت سے پُر نلی مل جائے گی یا دو پائے مل جائیں گے تو وہ نماز عشا میں ضرور شریک ہوگا۔" (بخاری و مسلم) مذکورہ الفاظ بخاری کے ہیں۔

لغوی تحقیق: لقد هممت: میں ارادہ کر چکا تھا۔ حطب: حاء اور طاء مفتوح: یہ جمع کا صیغہ ہے، خشک لکڑیاں۔ یحتطب: یاء مضموم، طاء مفتوح، لکڑیاں جمع کی جائیں۔ اخالف: ہمزہ مضموم اور لام مکسور، میں پیچھا کروں۔ احرق: میں آگ لگا دوں۔ عرق: عین مفتوح اور راء ساکن، وہ ہڈی جس سے بہت سا گوشت اتار لیا گیا ہو لیکن تھوڑا تھوڑا مزید گوشت تا حال باقی ہو۔ سمین: موٹا تازہ۔ مرماتین: میم مکسور اور راء ساکن، مرماۃ کا تثنیہ ہے، یعنی بکری کا کھر۔ امام بخاری فرماتے ہیں، اس سے مراد وہ گوشت ہے جو دونوں کھروں کے درمیان ہوتا ہے

تشریح: صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ اس واقعہ کا تعلق عشا کی نماز سے ہے، جبکہ مسلم کی ایک روایت میں جمعہ کی نماز کا ذکر ہے۔ نماز باجماعت فرض عین ہے یا فرض کفایہ یا سنت مؤکدہ ہے؟ اس بارے میں اہل علم میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

(۱) امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے نزدیک جماعت سنت مؤکدہ ہے۔ (۲) متقدمین شوافع کی اکثریت، مشائخ احناف کا ایک بہت بڑا گروہ اور مالکیوں کے نزدیک جماعت فرض کفایہ ہے۔ (۳) امام عطاء، امام اوزاعی، امام احمد، امام بخاری، امام ابن خزیمہ امام ابوثور، امام ابن منذر اور امام ابن حبان کے نزدیک جماعت فرض عین ہے۔ امام داؤد کے نزدیک جماعت صحت نماز کے لیے شرط ہے۔ جن حضرات نے جماعت کو سنت قرار دیا ہے ان کے مؤقف کو ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے تقویت ملتی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جو حی علی الفلاح سن کر مسجد نہیں آیا اس نے محمد ﷺ کی سنت ترک کی، علامہ ہیثمی نے اس روایت کے رواۃ کو رجال صحیح قرار دیا ہے۔

زیر مطالعہ حدیث فرض کفایہ یا سنت مؤکدہ ہونے کی نفی کرتی ہے، کیونکہ سنت کے ترک پر اس قدر شدید وعید ثابت نہیں۔ جبکہ فرض کفایہ کو اگر بعض لوگ ادا کر لیں تو نہ ادا کرنے والے باعث ملامت نہیں۔ جماعت صحت نماز کے لیے شرط بھی نہیں کیونکہ یہ شرط ہوتی تو پھر اکیلے آدمی کی نماز نہ ہوتی۔ جبکہ سابقہ احادیث سے عیاں ہو رہا ہے کہ اکیلے آدمی کی نماز ہو جاتی ہے۔ لہذا ثابت ہوا، نماز فرض عین ہے۔

فقہی احکام: (۱) باجماعت نماز فرض عین ہے۔ (۲) خلیفہ وقت تارکین جماعت کو سخت سے سخت سزا دینے کا مجاز ہے۔

۳۹۶: وَعَنْهُ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اَللَّهِ ﷺ " أَثْقَلُ اَلصَّلَاةِ عَلَى اَلْمُنَافِقِينَ صَلَاةُ اَلْعِشَاءِ ,وَصَلَاةُ اَلْفَجْرِ ,وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِيهِمَا لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب الآذان، باب فضل العشاء فی الجماعة: ۶۵۷، مسلم: ۶۵۱/۲۵۲، ابن ماجة: ۷۹۷، احمد: ۴۲۴/۲، البیهقی: ۵۵/۳

۳۹۶: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "منافق پر سب سے بوجھل اور وزنی نمازیں عشا اور فجر کی ہیں، اگر انہیں معلوم ہو جائے کہ ان دونوں کا اجر و ثواب کس قدر ہے؟ تو وہ ان دونوں میں شریک ہوں اگرچہ انہیں گھٹنوں کے بل ہی کیوں نہ آنا پڑے

لغوی تحقیق: حبواً: حاء مفتوح اور باء ساکن، گھٹنوں کے بل چلنا۔

تشریح: مذکورہ بالا دونوں روایات ایک ہی حدیث کے دو حصے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کبھی اس حدیث کا ایک ٹکڑا بیان فرماتے

تھے اور کبھی مکمل حدیث کو ایک ساتھ بیان کر دیتے تھے۔ امام بخاری نے دونوں اجزا دوا لگ الگ طرق سے بیان کئے ہیں جبکہ امام مسلم نے الگ الگ طرق سے بھی بیان کئے ہیں اور دونوں اجزا کو ایک طریق سے بھی بیان فرمایا ہے۔ ان دونوں نمازوں کو جن اسباب کی بنا پر بوجھل کہا گیا ہے وہ ظاہر ہیں، اس لئے اسباب نقل نہیں کیے گئے، یعنی عشا اس لیے بوجھل ہے کہ عصر قدیم میں کچھ لوگ خوش گپیوں یا نیند سے محظوظ ہوتے تھے اور عصر حاضر میں ٹی وی کی سکرین سے لطف اندوز ہو رہے ہوتے ہیں جبکہ فجر کی نماز اس لیے بوجھل ہے کہ شیطان انہیں تھپکی دے کر سلانے کی کوشش میں مصروف ہوتا ہے۔

فقہی احکام: (۱) ہر نماز کو اس کے وقت پر با جماعت پڑھنا ضروری ہے۔(۲) فجر اور عشا کی نماز با جماعت کا ترک نفاق کی واضح علامت ہے

۳۹۷: وَعَنْهُ قَالَ أَتَى اَلنَّبِيَّ ﷺ رَجُلٌ أَعْمَى فَقَالَ يَا رَسُولَ اَللَّهِ ! اِنَّهُ لَيْسَ لِي قَائِدٌ يَقُودُنِي إِلَى اَلْمَسْجِدِ ,فَرَخَّصَ لَهُ ,فَلَمَّا وَلَّى دَعَاهُ, فَقَالَ "هَلْ تَسْمَعُ اَلنِّدَاءَ بِالصَّلَاةِ؟" قَالَ نَعَمْ قَالَ "فَأَجِبْ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، باب یجب اتیان المسجد علی من سمع النداء: ۶۵۳، النسائی: ۲ /۱۰۹، البیهقی: ۵۷/۳، ابو عوانۃ: ۶/۲

۳۹۷: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک نابینا شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے پاس کوئی ایسا آدمی نہیں جو مجھے پکڑ کر مسجد تک لے آئے، آپ ﷺ نے اسے رخصت عنایت فرما دی، لیکن جب وہ واپس ہوا تو آپ ﷺ نے اسے بلوایا اور فرمایا:" کیا تم اذان سنتے ہو؟" اس نے عرض کیا، جی ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا:" پھر تو تمہیں مسجد آنا ہوگا۔"

لغوی تحقیق: اعمی: بینائی سے محروم شخص۔ قائد: ہاتھ یا لاٹھی تھام کر چلنے والا۔ ولی: اجازت لے کر واپس ہوا۔ النداء: نون مکسور، اذان۔ فاجب: قبول کر، یعنی اذان سن کر مسجد آؤ۔

تشریح: صحیح مسلم میں اگرچہ اس نابینا صحابی کا نام ذکر نہیں تاہم سنن ابی داؤد میں یہ صراحت ہے کہ وہ حضرت عبداللہ بن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ تھے، انہوں نے آپ ﷺ سے گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت طلب کی تھی، آپ ﷺ نے اس کے عذر کو معقول جانتے ہوئے اسے گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت عنایت فرما دی، لیکن بعد میں اس سے یہ رخصت اس لیے واپس لے لی، کہ اسے اذان سنائی دیتی تھی۔ اس حدیث سے ان لوگوں کے مؤقف کو تقویت ملتی ہے جو جماعت کے فرض عین ہونے کے قائل ہیں۔

فقہی احکام: (۱) با جماعت نماز ہر اس شخص پر فرض ہے جو اذان سنتا ہے (۲) بصارت سے محرومی ترک جماعت کے لیے عذر شرعی نہیں۔ (۳) عذر شرعی کی بنا پر ترک جماعت کی اجازت ہے۔(۴) دشمن کا خوف، راستوں کا مسدود ہونا، خواتین ہونا اور سفر شرعی عذر ہیں۔(۵) نبی ﷺ کے لیے اجتہاد کرنے کی اجازت تھی۔(۶) آپ ﷺ اپنے اجتہاد سے کبھی رجوع بھی فرما لیتے تھے۔(۷) مجتہد کو جب معلوم ہو جائے کہ اس کا اجتہاد درست نہیں تو اسے فوراً رجوع کر لینا چاہیے۔

۳۹۸: وَعَنِ اِبْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما عَنِ اَلنَّبِيِّ ﷺ قَالَ " مَنْ سَمِعَ اَلنِّدَاءَ فَلَمْ يَأْتِ فَلَا صَلَاةَ لَهُ إِلَّا مِنْ عُذْرٍ " رَوَاهُ اِبْنُ مَاجَة, وَاَلدَّارَقُطْنِيُّ ,وَابْنُ حِبَّانَ ,وَالْحَاكِمُ ,وَإِسْنَادُهُ عَلَى شَرْطِ مُسْلِمٍ ,لَكِنْ رَجَّحَ بَعْضُهُمْ وَقْفَهُ.

ابن ماجۃ، ابواب المساجد، باب التغلیظ فی التخلف عن الجماعۃ: ۷۹۳، الدارقطنی: ۱/ ۴۲۰، الحاکم: ۱/ ۲۴۵، ۳۷۳، ابن حبان: ۲۰۶۴، الطبرانی: ۱۲۲۶۵، البیهقی: ۳/ ۵۷، ابوداود: ۵۵۱، ابن ابی شیبۃ: ۱/ ۳۴۵، الارواء: ۲/ ۲۳۷، الفتاویٰ لابن

باز: ۱۹۷/۴، میزان الاعتدال: ۹۴۹۹، المجموع: ۱۹۱/۴

۳۹۸: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: "جو شخص اذان سنے لیکن وہ بغیر شرعی عذر جماعت میں شامل ہونے کے لیے نہ آئے، اس کی نماز نہیں۔" اسے ابن ماجہ، دارقطنی، ابن حبان اور حاکم نے بیان کیا ہے، حاکم کی سند مسلم کی شرط کے مطابق ہے، لیکن بعض محدثین نے اس روایت کے موقوف ہونے کو راجح قرار دیا ہے۔

تشریح: امام حاکم نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد اسے بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق قرار دیا ہے، امام ذھبی نے امام حاکم کے فیصلے کی توثیق کی ہے، علامہ ناصر الدین اور شیخ عبدالعزیز بن باز نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

ابوداؤد میں مروی حدیث میں صحابہ نے عرض کیا، عذر شرعی کون سے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "خوف یا بیماری۔"

یہ روایت ابو جناب یحیٰی بن ابی حیہ کی کثرت تدلیس اور اس کے ضعیف ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے، امام یحیٰی بن قطان کہتے ہیں کہ میں اس سے روایت کرنے کو جائز نہیں سمجھتا۔ امام نووی نے بھی اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے، ان بیانات سے یہ واضح ہوا کہ عذر سے متعلق یہ ٹکڑا محفوظ نہیں۔

امام حاکم اس حدیث کے مرفوع یا موقوف ہونے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو امام شعبہ سے غندر نے موقوف جبکہ ھشیم اور ابونوح نے مرفوع نقل کیا ہے، یہ دونوں ثقہ ہیں اس لیے ان دونوں کا قول ہی درست ہے یعنی اس حدیث کا مرفوع ہونا ثابت ہے۔ مذکورہ بالا دونوں رواۃ اگرچہ ثقہ ہیں مگر غندر کا علمی وزن ان دونوں سے زیادہ ہے خصوصاً امام شعبہ سے مرویات میں، نیز سعید بن جبیر کے تلامذہ میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے، ان کے بیشتر تلامذہ اسے موقوف نقل کرتے ہیں، جبکہ عدی بن ثابت مرفوع نقل کرتے ہیں۔ امام بیہقی نے اس پر سیر حاصل بحث کرنے کے بعد اس کے موقوف ہونے کو صحیح قرار دیا ہے۔ شاید مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے اسی بنا پر اس روایت کے موقوف ہونے کو راجح کہا ہے۔

علامہ ناصر الدین البانی نے مؤلف رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول سے اختلاف کرتے ہوئے اس کے مرفوع ہونے کو راجح کہا ہے۔ جو حضرات جماعت کو فرض عین کہتے ہیں یہ حدیث ان کے مؤقف کو تقویت دیتی ہے۔

۳۹۹: وَعَنْ يَزِيدَ بْنِ الْأَسْوَدِ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ صَلَّى مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ صَلَاةَ الصُّبْحِ ,فَلَمَّا صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا هُوَ بِرَجُلَيْنِ لَمْ يُصَلِّيَا ,فَدَعَا بِهِمَا ,فَجِيءَ بِهِمَا تَرْعَدُ فَرَائِصُهُمَا ,فَقَالَ لَهُمَا "مَا مَنَعَكُمَا أَنْ تُصَلِّيَا مَعَنَا؟" قَالَا قَدْ صَلَّيْنَا فِي رِحَالِنَا قَالَ "فَلَا تَفْعَلَا ,إِذَا صَلَّيْتُمَا فِي رِحَالِكُمْ ,ثُمَّ أَدْرَكْتُمَا الْإِمَامَ وَلَمْ يُصَلِّ ,فَصَلِّيَا مَعَهُ ,فَإِنَّهَا لَكُمْ نَافِلَةٌ" رَوَاهُ أَحْمَدُ ,وَاللَّفْظُ لَهُ ,وَالثَّلَاثَةُ ,وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ ,وَابْنُ حِبَّانَ .

ابوداود، کتاب الصلاۃ، باب فی من صلی فی منزلہ ثم ادرک الجماعۃ یصلی معھم: ۵۷۵، ۵۷۷، النسائی: ۱۱۲/۲، الترمذی: ۲۱۹، احمد: ۱۶۰/۴، ۱۶۱، ابوداؤد طیالسی: ۱۲۴۷، ابن خزیمۃ: ۱۲۷۹، عبدالرزاق: ۴۲۱/۲، الحاکم: ۲۴۴/۱، الطبرانی: ۲۳۳/۲۲، ابن حبان: ۱۵۶۴، معالم السنن: ۱۶۴/۱، مؤطا: ۱۳۲/۱، مسلم: ۳۷۸/۱

تنبیہ: مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے زیر مطالعہ حدیث کے الفاظ کو مسند احمد کے الفاظ قرار دیا ہے، امام احمد نے یہ حدیث چھ طرق سے بیان کی ہے۔ اگر ہر طریق میں سے کچھ کچھ الفاظ لئے جائیں تب الفاظ مکمل ہوتے ہیں۔

۳۹۹: حضرت یزید بن اسود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے آپ ﷺ کی اقتدا میں صبح کی نماز پڑھی، آپ ﷺ جب نماز سے

فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے دو ایسے آدمی دیکھے جو نماز میں شریک نہیں ہوئے تھے، آپ ﷺ نے ان دونوں کو طلب فرمایا، وہ دونوں رحمت عالم ﷺ کی خدمت میں پیش کیے گئے تو ان کے شانے (مارے خوف کے) کانپ رہے تھے، آپ ﷺ نے ان کی جواب طلبی کرتے ہوئے فرمایا: "تم دونوں نے ہمارے ساتھ نماز کیوں نہیں پڑھی؟" انہوں نے عرض کیا، ہم نے اپنے خیموں میں پڑھ لی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "آئندہ ایسا مت کرنا، جب تم اپنے گھروں/خیموں میں نماز پڑھ لو، پھر تم امام سے اس حال میں ملو کہ وہ جماعت کروا رہا ہو تو اس کے ساتھ نماز میں شریک ہو جاؤ، وہ (تنہا پڑھی ہوئی) نماز تمہارے لیے نفل ہو جائے گی۔" اسے احمد نے بیان کیا ہے اور یہ الفاظ بھی اسی کے ہیں اور تینوں نے بھی بیان کیا ہے، ترمذی اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔

لغوی تحقیق: فجئ: "جاء" سے فعل مجہول ہے، پیش کیا گیا۔ ترعد: تاء مضموم، راء ساکن اور عین مفتوح، یہ مادہ بروزن منع یمنع اور نصر ینصر دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ صاحب سبل السلام نے اسے مضموم العین ضبط کیا ہے اور علامہ شعیب الارناؤط نے اسے مجہول ضبط کیا ہے۔ فرائصهما: فریصة کی جمع ہے، یعنی وہ گوشت جو سینہ اور کندھے کے مابین ہوتا ہے اور بوقت گھبراہٹ کانپتا ہے۔

رحال: راء مکسور، رحل کی جمع ہے، انسان کے رہنے کی جگہ۔

تشریح: اس حدیث سے واضح ہوا کہ جو شخص گھر میں نماز پڑھ کر مسجد کی طرف نکلے اور مسجد میں اس وقت نماز ہو رہی ہو تو اس کے لیے جماعت کے ساتھ شریک ہونا لازم ہے، خواہ وہ کوئی سی نماز ہو۔ امام خطابی فرماتے ہیں کہ امام شافعی، امام احمد، امام اسحاق، امام حسن بصری اور امام زہری اسی کے قائل ہیں۔ امام ابراہیم، امام اوزاعی اور بعض دوسرے لوگوں کا کہنا ہے کہ ایسا شخص ظہر، عصر اور عشا کی جماعت میں شریک ہوگا، لیکن فجر اور مغرب میں شریک نہیں ہوگا۔

امام ابوحنیفہ کا کہنا ہے کہ وہ عصر، مغرب اور فجر میں شریک نہیں ہوگا، مؤخر الذکر دونوں گروہوں کے خیالات زیر مطالعہ حدیث سے متصادم ہونے کی وجہ سے قابل التفات نہیں، کیونکہ زیر مطالعہ حدیث میں باقاعدہ صراحت ہے کہ وہ دونوں صحابی فجر کی نماز اپنے خیمے سے پڑھ کر آئے تھے اور ان دونوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ آئندہ جماعت میں شریک ہوں۔

اس طرح جماعت میں شریک ہونے والے کی پہلے نماز نفل ہوگی یا بعد والی؟ اس بارے میں بھی اہل علم میں اختلاف پایا جاتا ہے، جن لوگوں کا خیال ہے کہ ضمیر کا مرجع ہمیشہ قریب ہوتا ہے ان کے نزدیک وہ نفل ہوگی جو وہ جماعت سے ادا کرے گا، یہ موقف زید بن علی اور ایک جماعت کا ہے۔

امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک جو اس نے تنہا ادا کی ہے وہ نفل ہوگی، یہ حضرات یزید بن عامر سے مروی حدیث سے دلیل پکڑتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ ﷺ اس وقت امامت فرما رہے تھے، میں نماز میں شریک ہونے کی بجائے بیٹھ گیا، آپ ﷺ جب نماز سے فارغ ہوئے تو انہوں نے مجھے بیٹھا دیکھ کر فرمایا: "اے یزید! کیا تم مسلمان نہیں ہوئے؟" میں نے کہا، کیوں نہیں، اللہ کے رسول ﷺ میں تو اسلام قبول کر چکا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: "پھر آپ ہمارے ساتھ نماز میں شریک کیوں نہیں ہوئے؟" میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! میں گھر میں پڑھ چکا تھا، میرا خیال تھا کہ آپ سب بھی پڑھ چکے ہونگے، آپ ﷺ نے فرمایا: "جب تم نماز کیلئے آؤ اور لوگوں کو نماز پڑھتے ہوئے پاؤ تو ان کے ساتھ نماز میں شریک ہو جایا کرو، اگر آپ نے پہلے سے نماز پڑھی ہوگی تو وہ آپ کیلئے نفل ہو جائے گی اور یہ فرض ہوگی۔" یہ روایت نوح بن صعصعۃ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

جن حضرات کا کہنا ہے کہ بعد والی نفل ہوگی وہ عبداللہ بن مسعود سے مروی حدیث سے دلیل پکڑتے ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعود

رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "عنقریب تمہارے حکمران ایسے ہوں گے جو نمازوں کو ان کے اوقات سے مؤخر کر کے پڑھیں گے، جب تم دیکھو کہ حکمرانوں نے ایسا شروع کر دیا ہے تو تم نماز کو اس کے وقت پر پڑھ لو، پھر ان کے ساتھ شامل ہو جاؤ اور اس نماز کو نفلی بنا لو۔"

بعض کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے گا فرضی نماز بنا دے گا، یہ حضرات عبداللہ بن عمر کے فتویٰ کو بطور حجت نقل کرتے ہیں۔

راقم کے نزدیک ان مسالک کے مابین مطابقت کی صورت موجود ہے یعنی اگر امام نے جماعت بھی اول وقت میں پڑھائی، تو پھر نماز باجماعت فرضی ہوگی اور پہلے پڑھی ہوئی نفلی ہوگی کیونکہ باجماعت نماز کو منفرد نماز پر ستائیس گنا برتری حاصل ہے اور اللہ تعالیٰ بندوں کے اجر میں کمی نہیں کرتا، اگر امام نماز پڑھانے میں تاخیر کرتا ہے تو پھر اول وقت میں پڑھی ہوئی نماز فرضی ہوگی اور امام کے ساتھ پڑھی ہوئی نفلی ہوگی، کیونکہ اللہ کے نزدیک محبوب ترین عمل نماز کو اول وقت پر پڑھنا ہے۔

فقہی احکام: (۱) ایک نماز کو دو دفعہ پڑھا جا سکتا ہے۔ (۲) عصر اور فجر کے بعد بھی نفل ہو سکتے ہیں۔ (۳) جماعت کو دیکھ کر اس میں شریک ہونا ضروری ہے۔ (۴) اکیلے کی نماز بھی ہو جاتی ہے تاہم ترک جماعت پر گناہ گار ہوگا۔

۴۰۰: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اَللَّهِ ﷺ " إِنَّمَا جُعِلَ اَلْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ ,فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا ,وَلَا تُكَبِّرُوا حَتَّى يُكَبِّرَ ,وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا ,وَلَا تَرْكَعُوا حَتَّى يَرْكَعَ ,وَإِذَا قَالَ سَمِعَ اَللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ ,فَقُولُوا ، اَللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ اَلْحَمْدُ وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا ,وَلَا تَسْجُدُوا حَتَّى يَسْجُدَ ,وَإِذَا صَلَّى قَائِمًا فَصَلُّوا قِيَامًا ,وَإِذَا صَلَّى قَاعِدًا فَصَلُّوا قُعُودًا أَجْمَعِينَ " رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ ,وَهَذَا لَفْظُهُ وَأَصْلُهُ فِي اَلصَّحِيحَيْنِ.

ابو داود، كتاب الصلاة، باب الامام يصلي من قعود: ۶۰۳، البخاري: ۷۲۲، مسلم: ۴۱۴، النسائي: ۲/۹۶، ۲/۱۴۱، ابن ماجة: ۸۴۶، مسنداحمد: ۲/۴۲۰، ابن حبان: ۲۱۰۷، نصب الراية: ۲/۵۰

تنبیہ: مؤلف رحمہ اللہ نے ابوداؤد کے حوالے سے "اجمعین" نقل کیا ہے جبکہ مطبوعہ ابوداؤد، صحیحین، ابن حبان اور مسند احمد میں "اجمعون" مذکور ہے۔ گرائمر کے اعتبار سے اگرچہ دونوں درست ہیں تاہم مصادر اور مراجع میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں "اجمعون" ہے۔ (۲) صاحب سبل السلام اس لفظ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں، هكذا بالنصب على الحال و هي رواية في البخاري و اكثر الروايات على اجمعون......(سبل السلام ۲ /۲۲) امام بخاری حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کو ہمام عن ابی ہریرہ اور الاعرج عن ابی ہریرہ کے طریق سے لائے ہیں اور دونوں طریق میں لفظ اجمعون ہی ہے، امام ترمذی اور امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے جو حدیث نقل کی ہے اس میں بھی اجمعون ہی ہے۔

۴۰۰: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "امام اسی لیے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے، جب وہ **الله اكبر** کہے تم **الله اكبر** کہو، اور تم اس وقت تک **الله اكبر** نہ کہو جب تک امام **الله اكبر** نہ کہہ لے، جب وہ رکوع کرے تب تم رکوع کرو، اور تم اس وقت تک رکوع نہ کرو جب تک امام رکوع میں نہ چلا جائے، اور جب امام **سمع الله لمن حمده** کہے تب تم **اللهم ربنا لك الحمد** کہو، اور جب وہ سجدہ کرے تب تم سجدہ کرو، اور تم اس وقت تک سجدہ نہ کرو جب تک امام سجدہ میں نہ چلا جائے، جب امام کھڑا ہو کر نماز پڑھے تب تم بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھو، اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تب تم سب بیٹھ کر نماز پڑھو۔" اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور مذکورہ الفاظ اسی کے ہیں اور اس کی اصل صحیحین میں ہے۔

لغوی تحقیق: **ليؤتم**: تا کہ اس کی اقتدا کی جائے۔ **حتى يركع**: یہاں تک کہ وہ رکوع میں چلا جائے۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث سے یہ واضح ہوا کہ مقتدیوں کے لیے امام کی اقتدا ضروری ہے، مقتدی حضرات نہ تو امام سے پہلے اور نہ اس کے ساتھ تکبیر تحریمہ یا تکبیر انتقال کہہ سکتے ہیں اور نہ کسی حالت میں منتقل ہو سکتے ہیں، لہٰذا مقتدی حضرات کے لیے لازم ہے کہ وہ تکبیر تحریمہ یا تکبیر انتقال اس وقت کہیں جب امام تکبیر تحریمہ یا تکبیر انتقال کہہ لے، اسی طرح رکوع وسجود اسی وقت کریں جب امام رکوع وسجود میں چلا جائے نیز وہ امام سے پہلے رکوع وسجود سے سر بھی نہ اٹھائیں، امام سے پہلے سر اٹھانے کی سخت وعید آئی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "وہ شخص جو امام سے پہلے سر اٹھاتا ہے، کیا وہ اس امر سے بے خوف ہے کہ اس کا سر گدھے کے سر کی مثل بنا دیا جائے؟"

اس حدیث سے دوسری بات یہ عیاں ہو رہی ہے، کہ امام کا وظیفہ **سمع الله لمن حمده** اور مقتدی کا وظیفہ **ربنا لک الحمد** ہے، امام ابوحنیفہ کی یہی رائے ہے۔ لیکن اہل حدیث، شوافع اور امام ابوحنیفہ کے تلمیذان خاص امام ابو یوسف اور امام محمد فرماتے ہیں کہ امام اور مقتدی دونوں کو **سمع الله لمن حمده** اور دونوں کو **ربنا ولک الحمد** کہنا ہوگا۔

امام شافعی حضرت ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے حجت پکڑتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ جب رکوع سے سر اٹھاتے تو **سمع الله لمن حمده** اور **اللهم ربنا لک الحمد** کہتے تھے، اور آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ "نماز اس طرح پڑھو جس طرح تم مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو۔"

امام ممدوح زیر بحث حدیث سے امام ابوحنیفہ کے استدلال کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کسی چیز کا ذکر نہ ہونا اس کے غیر مشروع ہونے کی دلیل نہیں یعنی آپ ﷺ کا ارشاد گرامی **اذا قال الامام سمع الله لمن حمده** کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ ﷺ **ربنا لک الحمد** نہیں کہتے تھے۔ امام شافعی کی موافقت امام عطاء اور امام ابن سیرین وغیرہما نے کی ہے۔

اس بارے میں ایک تیسرا مسلک بھی ہے ان حضرات کا کہنا ہے کہ امام اور منفرد تو **سمع الله لمن حمده** اور **ربنا لک الحمد** کہیں گے لیکن مقتدی فقط **ربنا لک الحمد** کہیں گے، یہ قول امام ثوری اور امام اوزاعی وغیرہما کا ہے۔

اس حدیث سے تیسری بات یہ مستنبط ہوتی ہے کہ امام اگر کھڑے ہو کر نماز پڑھائے تو سب کو کھڑے ہو کر نماز پڑھنی چاہیے اور اگر وہ بیٹھ کر نماز پڑھائے تو سب مقتدی حضرات بیٹھ کر نماز پڑھیں، مگر اس حدیث کے ناسخ یا منسوخ ہونے سے متعلق اہل علم میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام شافعی وغیرہ کا کہنا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہو چکی ہے اور اس کی ناسخ وہ حدیث ہے جو محترمہ عائشہ صدیقہ سے مروی ہے، اس میں یہ صراحت ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے مرض الموت کے دوران امام کی حیثیت سے نماز بیٹھ کر پڑھائی تھی جبکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سمیت تمام صحابہ نے کھڑے ہو کر آپ ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھی تھی۔

امام ابن حبان کے نزدیک زیر مطالعہ حدیث منسوخ نہیں، وہ فرماتے ہیں کہ جب امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدیوں کو بھی بیٹھ کر نماز پڑھنی چاہیے کیونکہ نبی مکرم ﷺ کے چار صحابہ (جابر بن عبداللہ، ابو ہریرہ، اسید بن حضیر اور قیس) کا فتویٰ اسی حدیث کے موافق ہے، ہمارے نزدیک صحابہ کا اجماع ہی قابل اعتبار ہے کیونکہ وہ وحی کے نزول کے وقت موجود تھے اور تحریف وتبدل کرنے (کے ناپاک عمل) سے پاک تھے، انہیں کی بدولت اللہ تعالیٰ نے دین کو مسلمانوں کیلئے محفوظ رکھا، کسی بھی صحابی سے ان چاروں کے فتویٰ کے خلاف موصول یا منقطع سند سے کچھ بھی ثابت نہیں، گویا تمام صحابہ کا اس مسئلہ پر اتفاق ہے کہ جب امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی حضرات بھی بیٹھ کر نماز پڑھیں۔ تابعین میں سے ابوشعثاء جابر بن زید کا بھی یہی فتویٰ ہے اور کسی تابعی سے بھی اس کے خلاف صحیح یا انتہائی ضعیف سند سے کچھ بھی ثابت نہیں، گویا تابعین کا بھی اسی پر اجماع ہے۔

امام ابن حبان حدیث عائشہ کا جواب یہ دیتے ہیں کہ حدیث عائشہ ہی میں یہ صراحت موجود ہے کہ آپ ﷺ اس نماز میں امام نہیں تھے بلکہ آپ ﷺ نے وہ نماز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں ادا فرمائی تھی، موصوف نے اپنے اس موقف کی تائید میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی دو طریق نقل کیے ہیں،

(۱)شعبة عن موسیٰ ابن ابی عائشة عن عبدالله عن عائشة ان ابابكر صلى بالناس و رسول الله ﷺ فى االصف خلفه(صحيح ابن حبان :۲۱۱۷) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو نماز پڑھائی اور رسول اللہ ﷺ نے صف میں ان کے پیچھے نماز ادا فرمائی۔

امام ابن حبان اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں، متن حدیث کو نقل کرنے میں شعبہ نے زائد بن قدامہ کی مخالفت کی ہے، شعبہ نے آپ ﷺ کی اس نماز کو جو آپ ﷺ نے بیٹھ کر ادا فرمائی تھی اس میں آپ ﷺ کو مقتدی ظاہر کیا ہے، جبکہ قدامہ نے امام ظاہر کیا ہے اور دونوں اعلیٰ پائے کے ثقہ روای ہیں، دونوں کی روایت میں تضاد ہے، تو پھر قدامہ کی روایت کو بنیاد بنا کر اس حکم کو منسوخ کیسے قرار دیا جاسکتا ہے جو پہلے سے جاری تھا۔

(۲) شعبة عن نعيم بن ابى هند عن ابى وائل عن مسروق عن عائشة قالت صلى رسول الله ﷺ فى مرضه الذى مات فيه خلف ابى بكر قاعدًا(ابن حبان: ۲۱۱۹) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھی اس بیماری میں جس میں آپ ﷺ رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔

امام ابن حبان اس روایت کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ نعیم بن ابی ہند نے یہ روایت نقل کرنے میں عاصم بن ابی النجود کی مخالفت کی ہے، عاصم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ماموم ظاہر کیا ہے جبکہ نعیم بن ابی ہند نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امام ظاہر کیا ہے۔ یہ دونوں زبردست قسم کے ثقہ راوی ہیں، چنانچہ ان دونوں میں سے کسی ایک کی خبر کو دوسرے کی خبر کے لیے کیونکر ناسخ قرار دیا جاسکتا ہے۔

امام احمد کے نزدیک بھی زیر مطالعہ حدیث منسوخ نہیں بلکہ اپنے حال پر باقی ہے وہ ان دونوں احادیث کے مابین مطابقت پیدا کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ امام کے عذر کے دور ہونے کی توقع نہ ہو تو اس وقت مقتدیوں کو امام کی اقتدا کرتے ہوئے بیٹھ کر نماز پڑھنی چاہیے، بشرطیکہ امام نے نماز کا آغاز بھی بیٹھ کر کیا ہو، اگر امام نے نماز کا آغاز کھڑے ہو کر کیا، لیکن بعد میں وہ بیٹھ گیا تو ایسی صورت میں مقتدیوں کو امام کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھنی چاہیے۔ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ یہاں امر وجوب کے لیے نہیں بلکہ ندب کے لیے ہے، یعنی اگر مقتدی کھڑے ہو کر پڑھنا چاہیں تو کھڑے ہو کر پڑھ لیں اور اگر بیٹھ کر پڑھنا چاہیں تو بیٹھ کر پڑھ لیں۔ مذکورہ بالا تمام اہل علم کا ایک بات پر اتفاق ہے کہ امام کسی عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے۔ لیکن احناف کے نزدیک اس صورت میں نماز باطل ہو جائے گی۔

ابن حبان اس نظریہ کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس امت میں نماز کے باطل ہونے کا سب سے پہلے فتویٰ مغیرہ بن مقسم نے دیا، ان سے یہ نظریہ حماد بن ابی سلیمان نے اخذ کیا، پھر حماد سے یہ نظریہ ابوحنیفہ نے اخذ کیا، ان کے بعد ان کے تلامذہ نے اسی کو اختیار کیا، ان کے اس فتوے کا انحصار جس مضبوط ترین دلیل پر ہے، وہ جابر جعفی کے طریق سے شعبی سے مرسلاً مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میرے بعد کوئی شخص بھی بیٹھ کر امامت نہ کروائے۔" اگر اس روایت کی سند کو صحیح بھی تسلیم کر لیں تو بھی اس میں مرسل ہونے کی علت موجود ہے، ہمارے نزدیک مرسل روایت حجت نہیں کیونکہ اگر ہم تابعی کی مرسل کو حجت تسلیم کریں گے پھر تبع تابعین کی مرسل کو بھی لازماً حجت تسلیم کرنا ہوگا، جب تبع تابعین کی مرسل کو قبول کر لیں گے پھر ان سے نچلے طبقہ کی مرسل کو بھی ماننا ہوگا وعلی ھذا القیاس ہر اس شخص کی

بات حجت ماننا ہوگی جو یہ کہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے فرمایا ہے۔

ان لوگوں پر تعجب ہے جو اس قسم کی کمزور مرسل روایت کو حجت تسلیم کرتے ہیں کیونکہ جابر بن یزید پر خود ان کے امام نے کلام کیا ہے جیسا کہ ابو یحییٰ حمانی کہتے ہیں کہ میں نے ابوحنیفہ سے سنا وہ فرمارہے تھے، میں جن حضرات سے ملا ہوں، ان سب میں، میں نے افضل عطاء کو پایا ہے اور سب سے جھوٹا جابر جعفی کو پایا ہے۔ کیونکہ میں جب بھی کسی رائے کا اظہار کرتا تھا یہ اس کے موافق حدیث بیان کردیتا تھا، ان کا یہ خیال ہے کہ اس کے پاس تقریباً ایک ہزار جھوٹی روایات موجود تھیں۔(ابن حبان : ۵/۷۴/۴)

امام حازمی نے اپنی معروف کتاب **الناسخ والمنسوخ** میں امام ابوحنیفہ کا وہی مسلک نقل کیا ہے جو امام شافعی کا تھا یعنی امام اگر بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدیوں کو اس کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھنی چاہیے۔

امام بخاری نے حدیث نمبر ۶۸۹ کے بعد امام حمیدی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ کا یہ فرمان کہ "جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بیٹھ کر نماز پڑھو" یہ قدیم بیماری کا واقعہ ہے، اس واقعہ کے بعد آپ ﷺ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی تھی جبکہ صحابہ نے آپ ﷺ کی اقتدا میں کھڑے ہو کر نماز پڑھی تھی، اس وقت آپ ﷺ نے صحابہ کو بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا تھا، لہٰذا آپ ﷺ کے آخری عمل کو اختیار کیا جائے گا۔(**الناسخ و المنسوخ: ۱۵۹**)

فقہی احکام: (۱) کسی عذر شرعی کی بنا پر امام بیٹھ کر نماز پڑھا سکتا ہے۔(۲) ایسی صورت میں مقتدیوں کو امام کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ہوگی۔(۳) امام سے پہلے تکبیر کہنا اور رکوع وسجود میں جانا یا اٹھنا ممنوع ہے۔(۴) ایسا کرنے والے کی شکل مسخ کی جاسکتی ہے۔ (۵) **سمع الله لمن حمده** اور **ربنا لک الحمد**، امام اور مقتدی دونوں کا وظیفہ ہے۔

۴۰۱: وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ رَأَى فِي أَصْحَابِهِ تَأَخُّرًا فَقَالَ "تَقَدَّمُوا فَائْتَمُّوا بِي ,وَلْيَأْتَمَّ بِكُمْ مَنْ بَعْدَكُمْ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف و اقامتها و فضل الاول فالاول منها: ۴۳۸، ابوداود: ۶۸۰، النسائی: ۸۳/۲،

ابن ماجة: ۹۷۸، احمد: ۳۴/۳، البيهقى: ۱۰۳/۳، صحيح ابن خزيمة: ۱۵۹۸، الترمذی: ۲۸۱

۴۰۱: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کو پیچھے کھڑے دیکھ کر فرمایا: "آگے بڑھو! میری پیروی کرو، تمہارے بعد والے تمہاری پیروی کریں۔" (مسلم)

لغوی تحقیق: تأخرا: دور رہنا

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ ایک صف کا فاصلہ دوسرے صف سے زیادہ دور نہیں ہونا چاہیے، فقط اتنا فاصلہ ہو کہ نگاہ سجدہ کے مقام پر رکھنے کے باوجود آگے والی صف میں کھڑے ہوئے آدمی کے رکوع وسجود اور قیام وقعود میں جانے اور اٹھنے کا حال نظر آئے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں صراحتاً مذکور ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب رکوع سے سر اٹھاتے تو ہم اس وقت تک سیدھے کھڑے رہتے حتی کہ ہم آپ ﷺ کو حالت سجدہ میں دیکھ لیتے۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ سے بھی اسی کی مثل منقول ہے۔

فقہی احکام: (۱) صفیں قریب قریب بنائیں جائیں۔(۲) نگاہ سجدہ کی جگہ پر رکھی جائے۔
(۳) ہر صف اپنے سے آگے والی صف کی پیروی کرے۔

۴۰۲: وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رضی اللہ عنہ قَالَ اِحْتَجَرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حُجْرَةً بِخَصَفَةٍ ,فَصَلَّى فِيهَا ,فَتَتَبَّعَ إِلَيْهِ رِجَالٌ ,وَجَاءُ وا

يُصَلُّونَ بِصَلَاتِهِ ......اَلْحَدِيثَ ,وَفِيهِ "أَفْضَلُ صَلَاةِ الْمَرْءِ فِي بَيْتِهِ إِلَّا الْمَكْتُوبَةَ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

البخاري، كتاب الآذان، باب صلاة الليل: ۷۳۱، صحیح مسلم: ۷۸۱، ۷۸۲، ابو داود: ۱۰۴۴، الترمذی: ۴۵۰،

النسائي: ۱۹۸/۳، البیهقی: ۴۹۴/۲، ابن خزیمة: ۲۲۰۴، ۲۲۰۵، ۲۲۰۷

تنبیہ: بلوغ المرام کے بعض مطبوعہ نسخوں میں لفظ مخصفة ہے اور بعض میں بخصفة ہے راقم کے نزدیک مؤخر الذکر لفظ درست ہے کیونکہ مؤلف رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیحین کے حوالے سے درج کیا ہے، صحیح مسلم میں یہی مذکور ہے۔

۴۰۲: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے چٹائی کا حجرہ بنایا اور اس میں نماز پڑھی، صحابہ رسول اللہ ﷺ کو دیکھ کر آگے بڑھے اور آپ ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھنے لگے مختصراً۔ اور اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "سوائے فرض نماز کے دیگر نمازیں انسان کی اس کے گھر میں افضل ہیں۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تحقیق: احتجر: خیمہ بنایا۔ مخصفة: چٹائی۔ فتبع: جستجو کی۔

تشریح: اس مضمون کی حدیث کو متعدد صحابہ نے بیان کیا ہے، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں صراحت ہے کہ آپ ﷺ نے ماہ رمضان میں چٹائی سے بنا ہوا خیمہ مسجد نبوی میں قائم کیا اور آپ ﷺ اس خیمہ میں چند راتوں تک قیام فرماتے رہتے تا آنکہ صحابہ کو آپ ﷺ کے قیام کی خبر ہوئی اور انہوں نے آپ ﷺ کی اقتدا میں قیام کرنا شروع کر دیا۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ صحابہ نے پہلی بار تیئیسویں شب کو آپ ﷺ کے ساتھ قیام فرمایا پھر پچیسویں شب کو اور پھر ستائیسویں شب کو قیام فرمایا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے تیئیسویں شب کو ہمیں رات کی پہلی تہائی میں نماز (تراویح) پڑھائی، پھر پچیسویں شب کو نصف اللیل کے وقت نماز (تراویح) پڑھائی، پھر ستائیسویں شب کو آپ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کو بھی جمع فرمایا اور رات کے آخری حصہ میں نماز (تراویح) پڑھائی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نصف رات کے وقت باہر نکلے اور آپ ﷺ نے مسجد میں قیام اللیل کا آغاز فرمایا اور صحابہ نے آپ ﷺ کی اقتدا میں قیام اللیل فرمایا، صبح کے وقت لوگوں نے اس بات کو عام کر دیا، اور جب تیسری رات آئی تو بہت سے صحابہ مسجد میں جمع ہو گئے، آپ ﷺ (خیمہ) سے باہر تشریف لائے اور نماز کا آغاز فرمایا، صحابہ نے اس رات بھی آپ ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھی، جب چوتھی رات آئی تو مسجد نبوی میں صحابہ بڑی کثرت میں جمع ہو گئے اور مسجد نبوی ان کے لیے کم پڑ گئی، اس رات آپ ﷺ اپنے خیمہ سے باہر تشریف نہ لائے حالانکہ بعض صحابہ نماز کی ندا لگاتے رہے، آپ ﷺ صبح کے وقت نماز فجر کے لیے تشریف لائے اور آپ ﷺ نے نماز فجر سے فارغ ہو کر فرمایا: "تمہاری حالت مجھ سے مخفی نہ تھی لیکن میں اس اندیشہ کے پیش نظر باہر نہیں آیا کہ یہ نماز کہیں تم پر فرض نہ ہو جائے۔"

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں یہ صراحت بھی ہے کہ آپ ﷺ کے تشریف نہ لانے پر بعض صحابہ نے آپ ﷺ کے دروازے پر کنکریاں بھی ماریں، جس پر آپ ﷺ ناراض ہو کر اپنے حجرے سے باہر تشریف لائے اور فرمایا: "میں تمہارے احوال سے آگاہ ہوں لیکن مجھے خیال ہوا کہ کہیں تمہارے ذوق کی وجہ سے یہ نماز تم پر فرض نہ کر دی جائے، اس لیے میں باہر نہیں آیا، لہٰذا یہ نماز تم اپنے گھروں میں پڑھا کرو، کیونکہ نفلی نماز گھر میں پڑھنا بہتر ہے۔" حدیث کے ان حصوں کو ابن عمر، جابر، ابو ہریرہ، عبداللہ بن سعد اور ابو موسیٰ رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "نماز کا کچھ حصہ (نفلی نماز) اپنے گھروں میں پڑھا کرو اور انہیں قبرستان مت بناؤ۔"

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے کوئی شخص جب مسجد میں نماز پڑھے تو اسے چاہیے کہ وہ کچھ نماز گھر میں پڑھنے کیلئے رکھ لے، کیونکہ گھر میں نماز پڑھنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ گھر میں خیر و برکت نازل فرمائے گا۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "اپنے گھروں کو قبرستان مت بناؤ، جس گھر میں سورۃ بقرہ پڑھی جائے اس گھر سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔" انہیں سے مروی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "جس گھر میں اللہ کا ذکر کیا جائے وہ گھر زندہ انسان کی مثل ہے اور جس گھر میں اللہ کا ذکر نہ کیا جائے وہ مردہ انسان کے مثل ہے۔"

حضرت عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ میں نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ میرے لیے (نفلی) نماز گھر میں پڑھنا بہتر ہے یا مسجد میں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "کیا آپ نہیں دیکھتے کہ میرا گھر مسجد سے کتنا قریب ہے لیکن مجھے نفلی نماز گھر میں پڑھنا زیادہ محبوب ہے۔"

ان تمام طرق سے یہ واضح ہوا کہ آپ ﷺ نے قیام اللیل کی امامت رمضان کے آخری عشرہ میں بھی فرمائی اور پہلے عشروں میں بھی، اعتکاف کے خیمہ میں کھڑے ہو کر بھی اور مسجد نبوی کے صحن میں کھڑے ہو کر بھی فرمائی ہے۔ ان طرق سے ان حضرات کا موقف غلط ثابت ہوتا ہے جو کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے قیام اللیل کی امامت فقط تین دن ہی فرمائی تھی۔

فقہی احکام: (۱) قیام اللیل ماہ رمضان میں باجماعت مسجد میں ادا کرنا افضل ہے۔ (۲) غیر رمضان میں قیام اللیل نیز دیگر نوافل گھر میں پڑھنا افضل ہیں۔ (۳) قیام اللیل ماہ رمضان میں رات کی تینوں تہائیوں میں کیا جا سکتا ہے۔ (۴) بوقت ضرورت مسجد میں خیمہ نصب کیا جا سکتا ہے۔ (۵) قبرستان میں نماز پڑھنا جائز نہیں۔

۴۰۳: وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ صَلَّى مُعَاذٌ بِأَصْحَابِهِ الْعِشَاءَ ,فَطَوَّلَ عَلَيْهِمْ ,فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ "أَتُرِيدُ أَنْ تَكُونَ يَا مُعَاذُ فَتَّانًا؟ إِذَا أَمَمْتَ النَّاسَ فَاقْرَأْ بِالشَّمْسِ وَضُحَاهَا ,وَ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ,وَ اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ ,وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ,وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ.

صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب القرأۃ فی العشاء: ۴۶۵/۱۷۹، البخاری: ۷۰۱، ۷۰۵، ۶۱۰۶، ابوداود: ۷۹۰، احمد: ۲۹۹/۳، ۳۰۸، ابن ماجۃ: ۹۸۶، النسائی: ۹۷/۲، ۱۰۲، البیہقی: ۳۹۳/۲، کنز: ۱۹۶۷۰

تنبیہ: مؤلف رحمہ اللہ نے اس حدیث کے الفاظ کو صحیح مسلم کے حوالے سے نقل کیا ہے، جبکہ صحیح مسلم کے مطبوعہ نسخوں میں "اترید ان تکون فتانا یا معاذ !" ہے، نیز نسائی، ابن ماجہ، بیہقی اور کنز میں بھی انہیں الفاظ سے مذکور ہے۔

۴۰۳: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو عشا کی نماز پڑھائی، اس میں انہوں نے طویل قیام فرمایا، نبی مکرم ﷺ نے ان سے فرمایا: "اے معاذ! کیا تم لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کرنا چاہتے ہو؟ جب تم فرائض کی امامت کرو تو (**الشمس** اور **الاعلی** **والشمس و ضحاها** اور **سبح اسم ربک الاعلی** سورۃ العلق اور سورۃ اللیل **اقرأ باسم** و **اللیل اذا یغشی**) پڑھا کرو۔" اس حدیث کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے مگر مذکورہ الفاظ مسلم کے ہیں۔

لغوی تحقیق: **اصحابه:** اپنے ساتھی یعنی مقتدی حضرات۔ **فتطول:** طول دیا یعنی قرأت لمبی کی۔ **فتانا:** آزمائش میں مبتلا کرنے والا۔

اممت: مخاطب کا صیغہ یعنی جب تم امامت کے فرائض انجام دو۔

تشریح: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت متعدد طرق سے مروی ہے، ان تمام طرق کو جمع کریں تو حدیث کا مفہوم درج ذیل ہوگا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ عشا کی نماز رحمت عالم ﷺ کی اقتدا میں ادا کرنے کے بعد اپنے مقتدیوں کو ان کی جگہ پر جا کر پڑھایا کرتے تھے، ممدوح حسب معمول نماز عشا کی امامت فرما رہے تھے، اسی دوران ایک شخص کا ان کے قریب سے گزر ہوا، اس کے پاس دو اونٹنیاں تھیں، وہ دونوں اونٹنیوں کو چھوڑ کر نماز میں داخل ہو گیا، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے طویل سورۃ کی تلاوت شروع کر دی، وہ شخص طویل قرأت سے تنگ آ گیا اور اس نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی امامت ترک کر کے اپنی الگ سے نماز شروع کی اور نماز مکمل کرنے کے بعد اپنی راہ لی۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جب اس شخص کی اس حرکت کی خبر ہوئی تو انہوں نے اسے منافق قرار دیا، اس شخص کو جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے تبصرہ کی اطلاع ہوئی تو وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو طلب کیا اور فرمایا: "اے معاذ! آپ کے پیچھے بوڑھے، ناتواں اور کام کاج والے لوگ ہوتے ہیں، کیا آپ طویل قرأت کر کے ان لوگوں کو عذاب یا آزمائش میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں؟ تم عشا کی نماز میں سورۃ الشمس، سورۃ الاعلیٰ، سورۃ العلق اور سورۃ اللیل پڑھا کرو۔"

اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ تخفیف قرأت، آداب امامت میں شامل ہے، اس سلسلے میں اور بھی صحابہ سے احادیث منقول ہیں، جن میں سے چند احادیث مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمائی ہیں، مفصل تشریح آخری حدیث کے ذیل میں ذکر ہوگی۔ (ان شاءاللہ)

مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو نقل کر کے دو فقہی مسائل مستنبط کئے ہیں (۱) تخفیف قرأت، آداب امامت میں شامل ہے۔ (۲) امام اور مقتدی کی نیت کا موافق ہونا ضروری نہیں۔

فقہی احکام: (۱) مقتدی حضرات کا خیال رکھنا آداب امامت میں شامل ہے۔ (۲) امام کی شکایت کی جا سکتی ہے۔ (۳) مسافر، بوڑھا اور ناتواں شخص کے لیے اگر امام کی طویل قرأت شاق ہو تو وہ امام کی اقتدا سے نکل کر اسی مقام پر اپنی نماز الگ سے پڑھ سکتا ہے، بشرطیکہ کسی بڑے فتنہ کا خطرہ نہ ہو۔ (۴) امام اور مقتدی کی نیت کا باہم موافق ہونا ضروری نہیں، نوافل پڑھانے والے امام کے پیچھے فرائض اور فرائض پڑھانے والے امام کے پیچھے نوافل پڑھے جا سکتے ہیں۔ (۵) عصر پڑھانے والے کے پیچھے ظہر اور اس کے برعکس بھی ادا کی جا سکتی ہے۔

۴۰۴: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا فِي قِصَّةِ صَلَاةِ رَسُولِ اَللّٰهِ ﷺ بِالنَّاسِ ,وَهُوَ مَرِيضٌ قَالَتْ فَجَاءَ حَتَّى جَلَسَ عَنْ يَسَارِ أَبِي بَكْرٍ ,فَكَانَ يُصَلِّي بِالنَّاسِ جَالِسًا وَأَبُو بَكْرٍ قَائِمًا ,يَقْتَدِي أَبُو بَكْرٍ بِصَلَاةِ اَلنَّبِيِّ ﷺ وَيَقْتَدِي اَلنَّاسُ بِصَلَاةِ أَبِي بَكْرٍ .مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب الآذان، باب الرجل یأتم بالامام و یأتم الناس بالمأموم: ۷۱۳، صحیح مسلم: ۴۱۸، النسائی: ۲/ ۹۹، ابن ماجة: ۱۲۳۲، البیهقی: ۸۲/۳، احمد: ۹۶/۶

تنبیہ: یہ روایت مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت اختصار سے نقل کی ہے۔

۴۰۴: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی مکرم ﷺ کی اس نماز کا ذکر کرتے ہوئے بیان فرماتی ہیں جو آپ ﷺ نے حالت بیماری میں پڑھائی تھی، رحمت عالم ﷺ مسجد نبوی میں تشریف فرما ہوئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بائیں طرف بیٹھ گئے، آپ ﷺ لوگوں کی امامت بیٹھے بیٹھے فرما رہے تھے، جبکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پہلو میں کھڑے تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی مکرم ﷺ کی نماز کی اقتدا کر رہے تھے جبکہ صحابہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (کے اشارات) کی پیروی کر رہے تھے۔

تشریح: یہ روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے متعدد طرق منقول ہیں، مؤلف رحمہ اللہ نے اس روایت کو مختصر نقل کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ تخفیف صلاۃ فقط مقتدی حضرات کے پیش نظر ہی نہیں کی جاسکتی بلکہ امام اگر بیمار ہے تو وہ اپنے لیے بھی تخفیف نماز کر سکتا ہے جیسا کہ بیٹھ کر نماز پڑھنا بھی تخفیف نماز ہی کی قسم ہے۔

یہ روایت مفصل اس طرح ہے کہ آپ ﷺ بیمار تھے، جب بیماری شدت اختیار کر گئی تو آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کا حکم فرمایا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نماز کا آغاز کر دیا تو آپ ﷺ کو تھوڑا افاقہ ہوا، آپ ﷺ حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے سہارے مسجد میں تشریف فرما ہوئے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جب آپ ﷺ کی تشریف آوری کی اطلاع ہوئی تو وہ پیچھے ہٹنے لگے، آپ ﷺ نے انہیں اپنی جگہ کھڑے رہنے کا اشارہ دیا اور خود آگے بڑھ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بائیں طرف بیٹھ گئے، بیماری کی وجہ سے رحمت عالم ﷺ کی آواز پست تھی اس لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بلند آواز سے تکبیرات کہتے تھے، صحابہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آواز سن کر ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہوتے تھے۔

فقہی احکام: (۱) شدید بیماری کی حالت میں ترک جماعت کی جاسکتی ہے۔ (۲) اپنا جانشین مقرر کرنا امام کا حق ہے۔ (۳) امام اگر آنے میں تاخیر کرے تو مؤذن امام کو یاد دہانی کروا سکتا ہے۔ (۴) امام کو مقتدی کے بائیں طرف کھڑے ہونا چاہیے۔ (۵) امام اگر کسی عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھے تو مقتدی حضرات کو کھڑا ہو کر ہی نماز پڑھنی چاہیے (۶) مریض کی تیمارداری بھی ترک جماعت کیلئے عذر شرعی ہے۔

۴۰۵: **وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ "إِذَا أَمَّ أَحَدُكُمُ النَّاسَ فَلْيُخَفِّفْ ,فَإِنَّ فِيهِمُ الصَّغِيرَ وَالْكَبِيرَ وَالضَّعِيفَ وَذَا الْحَاجَةِ ,فَإِذَا صَلَّى وَحْدَهُ فَلْيُصَلِّ كَيْفَ شَاءَ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.**

البخاری، کتاب الآذان، باب اذا صلی لنفسه فلیطول ماشاء: ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، مسلم: ۴۶۷، ابوداود: ۷۹۴، الترمذی: ۲۳۶، النسائی: ۹۴/۲، المطالب العالیة: ۴۷۱

۴۰۵: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: "آپ میں سے کوئی ایک جب لوگوں کو نماز پڑھائے تو اسے چاہیے کہ وہ تخفیف سے کام لے کیونکہ مقتدی حضرات میں چھوٹے، بڑے، ناتواں اور کام کاج کرنے والے لوگ ہوتے ہیں، اور جب وہ تنہا نماز پڑھے تو پھر جیسے چاہے پڑھ لے۔" (بخاری ومسلم)

لغوی تحقیق: **کیف شاء:** یعنی جس قدر لمبی پڑھنی چاہے پڑھ لے۔

تشریح: یہ روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے متعدد طرق سے منقول ہے نیز اسی مضمون کی اجازت حضرت ابومسعود، حضرت ابوسعید خدری، حضرت ابوقتادہ، حضرت عثمان بن ابی العاص اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔

حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! میں فلاں آدمی کی وجہ سے صبح کی جماعت میں شریک نہیں ہوتا کیونکہ وہ بہت لمبی نماز پڑھاتے ہیں، آپ ﷺ نے اس دن نہایت غصہ میں خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا: "اے لوگو! تم لوگوں کو متنفر کرتے ہو، آپ میں سے جو امامت کے فرائض سرانجام دے اسے چاہیے کہ وہ اختصار سے کام لے کیونکہ اس کے پیچھے بوڑھے، ناتواں اور محنت ومشقت کرنے والے لوگ ہوتے ہیں۔"

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے مجھے وصیت فرمائی کہ میں ہلکی نماز پڑھاؤں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فجر کی نماز میں انتہائی مختصر سورتوں کی تلاوت فرمائی، دریافت کرنے

پر آپ ﷺ نے اختصار کا سبب یہ بتایا کہ "میں نے اپنے پیچھے بچے کے رونے کی آواز سنی تھی اس لیے میں نے چاہا کہ اس بچے کی ماں کا دل بے قرار نہ ہو۔"

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ "میں اس کی ماں کو مشقت میں ڈالنا پسند نہیں کرتا تھا۔" حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ "میں اس کی ماں کو آزمائش میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا تھا۔"

فقہی احکام: (۱) خواتین اپنے چھوٹے بچوں کے ساتھ جماعت میں شریک ہوسکتی ہیں۔(۲) امام کو چاہیے کہ وہ بچے کے رونے کی آواز سن کر قرأت مختصر کردے۔(۳) مقتدیوں کی صحت، عمر اور کام کاج کا لحاظ رکھنا امامت کے آداب میں شامل ہے۔(۴) تنہا نماز پڑھنے والا جس قدر لمبی نماز پڑھنا چاہے پڑھ سکتا ہے۔

۴۰۶: وَعَنْ عَمْرِو بْنِ سَلَمَةَ قَالَ، قَالَ أَبِي جِئْتُكُمْ مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ ﷺ حَقًّا قَالَ "فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ أَحَدُكُمْ ,وَلْيَؤُمَّكُمْ أَكْثَرُكُمْ قُرْآنًا" قَالَ فَنَظَرُوا فَلَمْ يَكُنْ أَحَدٌ أَكْثَرَ قُرْآنًا مِنِّي ,فَقَدَّمُونِي ,وَأَنَا ابْنُ سِتٍّ أَوْ سَبْعِ سِنِينَ .رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ,وَأَبُو دَاوُدَ ,وَالنَّسَائِيُّ.

البخاري، كتاب المغازي، باب: ۴۳۰۲، ابو داود: ۵۸۵، النسائي: ۸۱/۲، معرفة السنن و الآثار: ۱۴۹۰

۴۰۶: حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے باپ نے کہا کہ میں تمہارے پاس نبی کریم ﷺ کی طرف سے حق لے کر آیا ہوں، آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ "جب نماز کا وقت ہو جائے تو آپ میں سے کوئی ایک اذان پڑھے لیکن امامت وہ کروائے جو آپ میں سب سے زیادہ قرآن کا علم رکھتا ہو۔" عمرو بن سلمہ کہتے ہیں کہ میری قوم نے ایسا شخص تلاش کیا اور انہوں نے مجھ سے زیادہ قرآن حکیم کا عالم کسی اور کو نہ پایا، چنانچہ انہوں نے مجھے امام بنالیا، میری عمر اس وقت چھ یا سات برس تھی۔

تشریح: مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے طویل حدیث کا مختصر حصہ نقل کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ امامت کا حقدار وہ شخص ہے جو قرآن کا سب سے زیادہ علم رکھتا ہو، خواہ وہ عمر میں سب سے چھوٹا ہی کیوں نہ ہو بلکہ نابالغ بھی کیوں نہ ہو۔

اس حدیث کے راوی سلمہ ہیں جبکہ مکمل روایت کے راوی حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ ہیں، امام بخاری اور امام بیہقی وغیرہما نے ان سے مفصل روایت نقل کی ہے، حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہماری رہائش ایسے مقام پر تھی جہاں سے مدینہ منورہ سے آنے والے قافلے گزرتے تھے ہم ان سے آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھ عرب کے رویے کے بارے میں سوال کرتے تھے، وہ بتاتے تھے کہ وہ اللہ کے نبی ہیں اور ان کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مبعوث فرمایا ہے اور ان کی طرف سے جو آیات تلاوت کی جاتی تھیں میں ان آیات کو ضبط کرلیا کرتا تھا، اہل عرب نے اپنے اسلام کو فتح مکہ تک مؤخر کر رکھا تھا، وہ اپنی قوم کو کہتے تھے کہ تم انتظار کرو اگر یہ اپنی قوم پر غالب آ گئے تو یقیناً اللہ تعالیٰ کے نبی ہوں گے، اس وقت تم اس کی تصدیق کر دینا، جب فتح مکہ ہو گیا تو عرب قبائل نے اسلام قبول کرنے میں پیش قدمی کی، عمرو کے والد سلمہ بھی آپ ﷺ کی خدمت میں اسلام قبول کرنے کے لیے حاضر ہوئے اور وہاں چند دن قیام کرنے کے بعد واپس آئے اور اپنی قوم سے کہا کہ میں تمہارے پاس اللہ کے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے حق لے کر آیا ہوں، آپ ﷺ نے یہ نماز اس وقت اور یہ نماز اس وقت پڑھنے کا حکم فرمایا ہے۔(نیز) فرمایا ہے کہ "جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے کوئی ایک اذان پڑھ دے اور امامت وہ کروائے جو قرآن حکیم کا سب سے زیادہ علم رکھتا ہو۔" حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری قوم نے مجھے ہی قرآن حکیم کا سب سے زیادہ عالم پایا اس لیے انہوں نے مجھے امام بنالیا۔

فقہی احکام: (۱) امامت کا اہل وہ ہے جو قرآن حکیم کا سب سے زیادہ علم رکھتا ہو۔ (۲) نابالغ لڑکا اگر اس معیار پر پورا اترتا ہو تو وہ فرائض ونوافل کی جماعت کرواسکتا ہے۔ (۳) اہل محلّہ امام کی خدمت کر سکتے ہیں۔ (۴) امامت کا منصب مؤذن کے منصب سے افضل ہے۔

۴۰۷: وَعَنْ أَبِي مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ "يَؤُمُّ الْقَوْمَ أَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللَّهِ ,فَإِنْ كَانُوا فِي الْقِرَاءَةِ سَوَاءً فَأَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ ,فَإِنْ كَانُوا فِي السُّنَّةِ سَوَاءً فَأَقْدَمُهُمْ هِجْرَةً ,فَإِنْ كَانُوا فِي الْهِجْرَةِ سَوَاءً فَأَقْدَمُهُمْ سِلْمًا وَفِي رِوَايَةٍ: سِنًّا وَلَا يَؤُمَّنَّ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِي سُلْطَانِهِ ,وَلَا يَقْعُدُ فِي بَيْتِهِ عَلَى تَكْرِمَتِهِ إِلَّا بِإِذْنِهِ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، باب من احق بالامامۃ: ۶۷۲ ـ ۶۷۴، البخاری: ۶۹۲، ابوداود: ۵۸۲، ۵۸۸، الترمذی: ۲۳۵، النسائی: ۶۷/۲، ابن ماجۃ: ۹۸۰، الحاکم: ۳۷۰/۱، نصب الرایۃ: ۲۵/۲، مسند احمد: ۱۶۲/۳

۴۰۷: حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قوم کی امامت وہ شخص کروائے جو ان میں سب سے زیادہ قرآن مجید کا علم رکھتا ہو، اگر وہ سب قرأۃ میں برابر ہوں تو پھر وہ امامت کا سب سے زیادہ اہل ہے جو سنت کا سب سے زیادہ علم رکھتا ہو، اگر سنت کے علم میں بھی سب برابر ہوں تو پھر امامت کا سب سے زیادہ اہل وہ ہے جو ہجرت کرنے میں مقدم ہو، اگر وہ سب اس وصف میں بھی برابر ہوں تو پھر امامت کا سب سے زیادہ اہل وہ ہے جو اسلام قبول کرنے میں مقدم ہو۔" ایک روایت میں ہے "جو عمر میں زیادہ ہو، اور کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی کے حلقہ اقتدار میں امامت نہ کرائے اور نہ کسی کے گھر میں اس کی عزت کی جگہ پر اس کی اجازت کے بغیر بیٹھے۔" (مسلم)

لغوی تحقیق: **اقرأهم لكتاب الله**: اسم تفضیل کا صیغہ ہے، ان سب میں سے زیادہ قرآن حکیم کا علم رکھتا ہو، یعنی اسے قرآن حکیم کا بہت سا حصہ مع مفہوم ومطالب کے یاد ہو۔ **اعلمهم بالسنة**: آپ ﷺ کے اقوال واعمال کے بارے میں سب سے زیادہ معلومات رکھتا ہو۔ **سلما**: سین مکسور اور لام ساکن، اسلام قبول کرنے میں مقدم ہو۔ **سنا**: عمر میں زیادہ ہو۔ **سلطانه**: ایسی جگہ جہاں وہ امام مقرر ہو۔ **تكرمته**: کسی شخص کی کوئی خاص مسند۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث میں اوصاف امامت بیان کئے گئے ہیں، اسی طرح کی احادیث حضرت عائشہ، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابوہریرہ، حضرت انس بن مالک، حضرت ابوسعید خدری، حضرت عقبہ بن عمرو اور حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہم سے بھی منقول ہیں، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے مروی احادیث میں اولیت قرآن حکیم کا علم رکھنے والے کو دی گئی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے امام مقرر فرمایا اور وہ سنت کا سب سے زیادہ علم رکھتے تھے۔

حضرت عقبہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "امامت کے فرائض وہ شخص سرانجام دے جو ہجرت کے اعتبار سے مقدم ہو، اگر ہجرت کے اعتبار سے سب برابر ہوئے تو پھر دین کو سب سے زیادہ سمجھتا ہو، اگر فہم دین میں بھی سب سے برابر ہوں تو پھر جو قرآن حکیم کا سب سے زیادہ علم رکھتا ہو۔"

یہ روایت چونکہ حجاج بن ارطاۃ کی وجہ سے ضعیف ہے، اس لیے اس روایت کو ان سے مروی زیر تشریح حدیث کے مقابلے میں پیش نہیں کیا جاسکتا۔ حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ جب وہ اور ان کے ساتھی آپ ﷺ سے دین کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنے وطن واپس جانے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا: "تمہاری امامت وہ شخص کروائے جو تم میں عمر میں سب سے زیادہ ہو۔ یہ حدیث حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے معارض نہیں کیونکہ حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے آپ

ﷺ سے کتاب وسنت کا فیض ایک جیسا حاصل کیا تھا، یعنی کتاب وسنت کے علم میں وہ سب برابر تھے اس لیے آپ ﷺ نے ترجیح کے تیسرے وصف کو بیان فرمایا۔

درج بالا احادیث میں منصب امامت پر فائز ہونے والے شخص کی شرائط واہلیت بیان ہوئی ہیں یعنی امامت کے لئے ایسے شخص کو منتخب کیا جائے، جو قرآن حکیم کے مفہوم ومطالب سے خوب آگاہ ہو، سنت کا خاطر خواہ علم رکھتا ہو، دین کی خاطر ترک سکونت کی ہو اور اسلام قبول کرنے میں مقدم ہو، ان شرائط میں مقدم الذکر دونوں شرائط کا پایا جانا نہایت ضروری ہے جبکہ مؤخر الذکر دونوں شرائط کو ترجیحی بنیاد پر اختیار کیا جائے۔

۴۰۸: وَلِابْنِ مَاجَهْ مِنْ حَدِيثِ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ " وَلَا تَؤُمَّنَّ اِمْرَأَةٌ رَجُلًا ,وَلَا أَعْرَابِيٌّ مُهَاجِرًا ,وَلَا فَاجِرٌ مُؤْمِنًا" وَإِسْنَادُهُ وَاهٍ

ابن ماجة، ابواب اقامةالصلوات ، باب فرض الجمعة: ۱۰۸۱ ، البيهقي: ۱۷۱/۳ ، المعجم الاوسط: ۱۲۸۳

۴۰۸: امام ابن ماجہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " کوئی عورت کسی مرد کی امام نہ بنے، نہ کوئی دیہاتی کسی مہاجر کا امام بنے اور نہ کوئی فاجر مؤمن کی امامت کرائے۔" اس روایت کی سند نا قابل اعتبار ہے۔

لغوی تحقیق: واہ: جس سند میں کسی راوی یا رواۃ پر شدید جرح کی گئی ہو، اس سند کو محدثین واہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

تشریح: یہ روایت قابل استدلال نہیں کیونکہ عبداللہ بن محمد نامی راوی کو امام بخاری اور امام ابوحاتم نے منکر الحدیث قرار دیا ہے جبکہ امام وکیع بن جراح فرماتے ہیں کہ یہ شخص خود ساختہ روایات کو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرتا تھا۔ اس روایت کا ایک دوسرا راوی علی بن زید بن جدعان بھی ضعیف ہے۔ طبرانی میں مزید یہ الفاظ بھی ہیں کہ فاجر سلطان کے پیچھے اس کی تلوار کے خوف کی وجہ سے نماز پڑھی جا سکتی ہے۔

۴۰۹: وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ " رُصُّوا صُفُوفَكُمْ ,وَقَارِبُوا بَيْنَهَا ,وَحَاذُوا بِالْأَعْنَاقِ " رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ, وَالنَّسَائِيُّ ,وَصَحَّحَهُ اِبْنُ حِبَّانَ.

ابوداود، ابواب الصلاة، باب تسوية الصفوف: ۶۶۷ ، صحيح ابن حبان: ۲۱۶۶ ، النسائي: ۹۲/۲ ، ابن خزيمة: ۱۵۴۵ ، شرح السنة: ۸۱۳ ، البخاري: ۷۱۷ ، ۷۲۲ ، ۷۲۴ ، مسلم: ۴۳۶

۴۰۹: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اپنی صفوں کو خوب اچھی طرح ملاؤ، انہیں قریب قریب قائم کرو اور گردنوں کو برابر رکھو۔" اسے ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔

لغوی تحقیق: رصوا: راء مضموم اور صاد مشدد مضموم، باہم اس طرح مل جاؤ کہ درمیان میں کوئی خلا باقی نہ رہے۔ قاربوا بينها: دو صفوں کے مابین مناسب فاصلہ رکھو یعنی ایک صف کو دوسری صف سے دور قائم نہ کرو۔ حاذوا: برابر رکھو۔ الاعناق: گردنیں۔

تشریح: صف بندی اخوت ومودت اور اتحاد و یگانگت کے قیام کا ایک اہم ترین ذریعہ ہے جبکہ اس کا ترک افتراق وانتشار کا پیش خیمہ ہے جیسا کہ رحمت عالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ " تم اپنی صفوں کو سیدھا رکھو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے رُخ ایک دوسرے سے موڑ دے گا۔" حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "اپنی صفوں کو سیدھا رکھو ورنہ تمہارے دلوں میں اختلاف جنم لیں گے۔"

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اپنی صفوں کو خوب سیدھا رکھو، اس طرح

شیطان تمہارے درمیان نفرت کے بیج نہیں بو سکے گا۔" صف بندی جہاں بندوں کے مابین اتحاد و یگانگت کو فروغ دیتی ہے وہاں عابد اور معبود کے تعلقات کو بھی خوب مضبوط کرتی ہے اور نماز کے حسن میں دو چند اضافہ کر کے اسے تکمیل کے زیور سے آراستہ کرتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اقامت صف کو نماز کا حسن قرار دیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے صف بندی کو تکمیل نماز کا ایک اہم حصہ قرار دیا ہے۔

آپ ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ کرام صف بندی کا نہ صرف خود اہتمام فرماتے تھے بلکہ دوسروں پر بھی کڑی نظر رکھتے تھے، بشیر بن یسار انصاری فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ تشریف لائے، ان سے کہا گیا کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ کا عہد پایا ہے آپ بتائیں کہ آپ ہمارے کس عمل سے کراہت محسوس کرتے ہو؟ انہوں نے فرمایا، تمہارے تمام اعمال عہد نبوی کے مطابق ہیں لیکن تمہارا صفوں کا سیدھا نہ کرنا قابل اعتراض عمل ہے۔

فقہی احکام: (۱) صف بندی نماز کا زیور اور اس کا ایک اہم جز ہے۔ (۲) صف بندی اتحاد و یگانگت کے قیام کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ (۳) حالت قیام اور رکوع میں قدم کے ساتھ قدم اور کندھے کے ساتھ کندھا ملا ہونا چاہیے۔ (۴) پچھلی صف آگے والی صف سے متصل ہونی چاہیے۔ (۵) جب تک پہلی صف مکمل نہ ہو جائے اس وقت تک دوسری صف شروع نہ کی جائے۔

۴۱۰: عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اَللَّهِ ﷺ " خَيْرُ صُفُوفِ اَلرِّجَالِ أَوَّلُهَا ,وَشَرُّهَا آخِرُهَا ,وَخَيْرُ صُفُوفِ اَلنِّسَاءِ آخِرُهَا ,وَشَرُّهَا أَوَّلُهَا " رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب تسویۃ الصفوف و اقامتہاو فضل الاول: ۴۴۰، ابوداود: ۶۷۲، النسائی: ۹۲/۲، ۹۳، الترمذی: ۲۲۴، ابن خزیمۃ: ۱۵۶۱، ابن ماجۃ: ۹۹۹، ۱۰۰۰، صحیح ابن حبان: ۲۱۵۸ - ۲۱۶۱

۴۱۰: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مردوں کی بہترین صف پہلی صف ہے اور بدترین صف آخری ہے، جبکہ عورتوں کی بہترین صف آخری ہے اور بدترین صف پہلے صف ہے۔" (مسلم)

تشریح: مردوں کی پہلی صف کے بہترین ہونے کے متعدد اسباب ہیں جو مختلف احادیث سے ثابت ہیں۔ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ پہلی صف کے لیے تین بار استغفار فرمایا کرتے تھے اور دوسری صف کیلئے فقط ایک بار۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے پہلی صف والوں پر رحمتیں بھیجتے ہیں۔" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: "اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ پہلی صف کے لیے کیا انعام و اکرام ہیں تو تم پہلی صف میں کھڑے ہونے کیلئے باہم قرعہ اندازی کرو۔"

پہلی صف میں یقیناً انہیں لوگوں کو جگہ ملے گی جو مسجد میں پہلے آئیں گے، ظاہر ہے جو لوگ مسجد میں پہلے آئیں گے وہ دیر تک نماز کے انتظار میں رہیں گے۔ حدیث میں ہے کہ "جو شخص نماز کے انتظار میں بیٹھتا ہے وہ ایسے ہی ہے جیسے وہ نماز میں ہے۔"

مردوں کی آخری صف کے بدترین ہونے کے بھی متعدد اسباب ہیں، جن میں سے اہم سبب یہ ہے کہ عہد نبوی میں خواتین بھی نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں آتی تھیں، ان کیلئے کوئی علیحدہ انتظام نہیں تھا، اس لیے مردوں کی آخری صف کے بعد ان کی صفیں ہوتی تھیں، چونکہ مردوں کی آخری صف کے متصل خواتین کی صف ہوتی تھی اس لیے بسا اوقات خواتین پر نظر بھی پڑ جاتی تھی، جس سے خشوع و خضوع بھی یقیناً متاثر ہوتا ہوگا، نیز مسجد میں دیر سے آنے کی وجہ سے ثواب میں بھی کمی واقع ہوتی ہوگی، خواتین کی پہلی صف کے بدترین ہونے کا

سبب یہ ہے کہ ان کی نظریں مردوں پر پڑتی ہوں گی جس کی وجہ سے خشوع وخضوع میں کمی واقع ہوتی ہوگی۔

فقہی احکام: (۱) خواتین مسجد میں نماز پنجگانہ ادا کرسکتی ہیں۔(۲) خواتین کی صفیں مردوں کی صفوں سے پیچھے بنائی جائیں۔(۳) خواتین کے لیے پیچھے کی طرف علیحدہ سے باپردہ جگہ کا انتظام ہونا چاہیے۔(۴) اگر معقول بندوبست نہ ہو تب بھی وہ مردوں کے پیچھے صف بنا سکتی ہیں۔(۵) مسجد میں پہلے پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

۱۱م: **وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اَللَّهِ ﷺ ذَاتَ لَيْلَةٍ ,فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ ,فَأَخَذَ رَسُولُ اَللَّهِ ﷺ بِرَأْسِي مِنْ وَرَائِي ,فَجَعَلَنِي عَنْ يَمِينِهِ . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.**

البخاری، کتاب الآذان، باب اذا قام الرجل عن یسار الامام و حوله الامام خلفه الی یمینه تمت صلاته: ۷۲۶، مسلم: ۷۶۳، ابوداود: ۶۱۰، الترمذی: ۲۳۲، النسائی: ۸۷/۲، ابن ماجة: ۹۷۳، احمد: ۲۸۳/۱، ابن خزیمة: ۱۷/۳، ابن حبان: ۲۱۹۶، عبدالرزاق: ۴۰۳/۲

۱۱م: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے ایک رات رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، میں آپ ﷺ کے بائیں طرف کھڑا ہوگیا، رسول اللہ ﷺ نے میرے پیچھے کی جانب سے میرا سر پکڑا اور مجھے اپنے دائیں طرف کرلیا۔ بخاری ومسلم۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی شخص کو نماز پڑھتا دیکھے تو وہ بغیر اقامت کہے اسے اپنا امام بنا سکتا ہے۔ نیز اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ اگر باجماعت نماز ادا کرنے والے فقط دو اشخاص ہی ہوں تو مقتدی کو امام کے دائیں طرف کھڑا ہونا چاہیے، اگر کوئی شخص لاعلمی کی بنا پر بائیں جانب کھڑا ہوجائے تو امام کو چاہیے کہ وہ اسے اپنے پیچھے سے گھما کر اپنے دائیں جانب کرلے۔

فقہی احکام: (۱) امام مقتدی کے لیے سترہ ہے۔(۲) مقتدی اگر تنہا ہے تو اسے امام کے دائیں جانب کھڑا ہونا چاہیے۔(۳) امام حالت نماز میں مقتدی کی ہاتھ سے رہنمائی کرسکتا ہے۔(۴) شرعی عذر کی بنا پر عمل کثیر کرنے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔(۵) نفلی نماز بھی باجماعت ادا کی جاسکتی ہے۔

۱۲م: **وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ صَلَّى رَسُولُ اَللَّهِ ﷺ فَقُمْتُ وَيَتِيمٌ خَلْفَهُ ,وَأُمُّ سُلَيْمٍ خَلْفَنَا .مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ,وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ**

البخاری، کتاب الآذان، باب المرأة وحدها تکون صفا: ۷۲۷، مسلم: ۶۵۸، ابوداود: ۶۱۲، الترمذی: ۲۳۴، النسائی: ۸۵/۲، احمد: ۲۸۴/۱، ابن خزیمة: ۱۵۳۹، ابن حبان: ۲۲۰۵

تنبیہ: مؤلف رحمہ اللہ نے مذکورہ الفاظ کو صحیح بخاری کی طرف منسوب کیا ہے، امام بخاری اس روایت کو اپنی صحیح میں دو دفعہ لائے ہیں اور دونوں طرق میں سے کسی ایک طریق کے بھی یہ الفاظ نہیں ہیں۔

۱۲م: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی، میں اور ایک یتیم لڑکا آپ ﷺ کے پیچھے کھڑے ہوگئے اور اُم سلیم ہمارے پیچھے کھڑی ہوگئی۔ بخاری ومسلم، مذکورہ الفاظ بخاری کے ہیں۔

فقہی احکام: (۱) نفلی نماز باجماعت ادا کی جاسکتی ہے۔(۲) مقتدی جب دو ہوں تو وہ امام کے پیچھے صف بنائیں۔(۳) عورت تنہا صف بنا سکتی ہے۔(۴) خواتین اپنے بیٹوں کے ساتھ بھی صف میں کھڑی نہیں ہوسکتیں۔(۵) بوقت ضرورت والدہ کا نام بھی لیا جاسکتا ہے

۱۳م: **وَعَنْ أَبِي بَكْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ اِنْتَهَى إِلَى اَلنَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ رَاكِعٌ ,فَرَكَعَ قَبْلَ أَنْ يَصِلَ إِلَى اَلصَّفِّ ,فَقَالَ لَهُ اَلنَّبِيُّ ﷺ**

"زَادَکَ اَللَّهُ حِرُصًا وَلَا تَعُدُ " رَوَاهُ اَلْبُخَارِیُّ وَزَادَ أَبُو دَاوُدَ فِيهِ فَرَكَعَ دُونَ اَلصَّفِّ ,ثُمَّ مَشَى إِلَى اَلصَّفِّ.

البخاری، کتاب الآذان، باب اذا رکع دون الصف: ۷۸۳، ابو داود: ۶۸۳، النسائی: ۲/ ۱۱۸، احمد: ۳۹/۵،البیهقی: ۹۰/۲، ۹۱، معرفة السنن والآثار: ۵۷۹/۱، محلی ابن حزم مسئله: ۳۶۲، فتح الباری: ۲۶۹/۲، المعجم الاوسط للطبرانی: ۱۳۵۷

۴۱۳: حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب اس وقت پہنچے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع فرما چکے تھے چنانچہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے صف تک پہنچنے سے قبل رکوع کر لیا، نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: "اللہ تعالیٰ تیرے ذوق وشوق میں اضافہ فرمائے، آئندہ ایسا مت کرنا۔" بخاری، جبکہ ابوداؤد میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ انہوں نے صف میں شامل ہونے سے پہلے رکوع کر لیا، پھر وہ حالت رکوع ہی میں چل کر صف میں شامل ہو گئے۔

لغوی تحقیق: لا تعد: عود سے ماخوذ ہے یعنی آئندہ ایسا مت کرنا۔

تشریح: اس حدیث کا شماران احادیث میں ہوتا ہے جن پر اہل علم نے نے بہت کچھ لکھا ہے۔ جس گروہ کا خیال ہے کہ تنہا آدمی صف بنا کر نماز پڑھ سکتا ہے، اس گروہ نے اس حدیث کو بطور دلیل اختیار کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے اپنی نماز کا آغاز اپنی الگ صف سے کیا تھا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے وہ رکعت دوبارہ پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔ اس حدیث سے یہ استدلال کئی اعتبار سے درست نہیں۔

(۱) ابوداؤد میں مروی روایت میں یہ صراحت ہے کہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ حالت نماز میں چل کر صف میں شامل ہوئے تھے، یہ گروہ حالت نماز میں اس طرح چلنے کو روا نہیں سمجھتا۔

(۲) یہ کہیں صراحت نہیں کہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے اس رکعت کو شمار کیا تھا۔

(۳) اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے اس رکعت کو شمار کیا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دوبارہ رکعت پڑھنے کا حکم نہیں دیا تو پھر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اب اس طرح کرنا درست ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے آئندہ ایسا کرنے سے منع فرما دیا تھا۔

(۴) اس روایت سے زیادہ سے زیادہ یہ استدلال کیا جا سکتا ہے کہ نماز کے رکن کا بعض حصہ تنہا ادا کیا جا سکتا ہے کیونکہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے پوری رکعت تنہا ادا نہیں کی۔

(۵) صحیح حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مرد آدمی تنہا صف نہیں بنا سکتا۔

اس روایت سے دوسرا استدلال یہ کیا گیا ہے کہ جس شخص نے امام کو رکوع میں پا لیا اس نے رکعت پا لی۔ یہ استدلال بھی کئی اعتبار سے درست نہیں۔

(۱) یہ کہیں صراحت نہیں کہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے وہ رکعت دوبارہ نہیں پڑھی تھی۔

(۲) اگر یہ صراحت مل بھی جائے تب بھی اس سے یہ استدلال درست نہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے آئندہ کرنے سے منع فرما دیا تھا

(۳) مدرک رکوع مدرک رکعت کے قائلین اس بات کے ہرگز قائل نہیں کہ حالت رکوع میں پیدل مارچ کیا جائے۔

اس مؤقف کی تائید اگرچہ عبداللہ بن مسعود سے مروی صحیح اثر سے ہوتی ہے تاہم صحیح حدیث میں یہ صراحت مذکور ہے کہ **"ما ادرکتم فصلوا وما فاتکم فأتموا"** جو مل جائے وہ پڑھ لو اور جو رہ جائے وہ پوری کر لو۔

طبرانی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کے آخر میں یہ الفاظ ہیں **"صل ما ادرکت و اقض ماسبقک"** مدرک رکوع سے دو فرض (قیام اور قرأت فاتحہ) فوت ہوئے ہیں لہٰذا اس مرفوع حدیث کی روشنی میں ایسے شخص کو وہ رکعت دوبارہ پڑھنی چاہیے۔

ایک گروہ نے اس حدیث سے فاتحہ کی عدم فرضیت پر بھی استدلال کیا ہے۔ ان کا موقف بھی درست نہیں کیونکہ اس صورت میں تو قیام کی عدم فرضیت کو بھی تسلیم کرنا ہوگا جبکہ یہ گروہ قیام کی عدم فرضیت کا قائل نہیں۔

فقہی احکام: صف میں شامل ہونے سے پہلے نماز کا آغاز نہیں کرنا چاہیے۔

۴۱۴: **وَعَنْ وَابِصَةَ بْنِ مَعْبَدٍ ﷜ أَنَّ رَسُولَ اَللَّهِ ﷺ رَأَى رَجُلًا يُصَلِّي خَلْفَ اَلصَّفِّ وَحْدَهُ ,فَأَمَرَهُ أَنْ يُعِيدَ اَلصَّلَاةَ. رَوَاهُ أَحْمَدُ ,وَأَبُو دَاوُدَ ,وَاَلتِّرْمِذِيُّ وَحَسَّنَهُ ,وَصَحَّحَهُ اِبْنُ حِبَّانَ.**

احمد: ۲۲۸/۴، ابو داود، کتاب الصلاۃ، باب الرجل یصلی وحدہ خلف الصف: ۶۸۲، الترمذی: ۲۳۰، ابن حبان: ۲۱۹۸، ۲۱۹۹، الطبرانی: ۲۲ (۳۷۲)، الدارمی: ۲۳۷/۱

۴۱۴: حضرت وابصہ بن معبد ﷜ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو صف کے پیچھے تنہا نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور اسے حکم دیا کہ وہ نماز دوبارہ پڑھے۔ اسے احمد، ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے، ترمذی نے اسے حسن اور ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے۔

تشریح: اگر کوئی منفرد شخص امام کے پیچھے کھڑا ہو کر ایک رکعت یا اس سے زیادہ پڑھتا ہے تو ایسے شخص کی نماز ہوگی یا نہیں؟ اس بارے میں دوسری صدی ہجری سے اختلاف چلا آرہا ہے، جیسا کہ امام ترمذی فرماتے ہیں **وقد کرہ قوم**......وکیع، علما کے ایک گروہ کا کہنا ہے کہ جو شخص صف کے پیچھے تنہا نماز پڑھے اسے دوبارہ نماز پڑھنی چاہیے، امام احمد اور امام اسحاق کا یہی قول ہے، علما کے دوسرے گروہ کا کہنا ہے کہ ایسے شخص کی نماز ہو جائے گی، یہ قول سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک اور امام شافعی کا ہے، جبکہ اہل کوفہ کے علما کی ایک بڑی تعداد نے حضرت وابصہ ﷜ سے مروی حدیث کی روشنی میں یہ کہا ہے کہ ایسے شخص کی نماز نہیں ہوگی لہٰذا اسے دوبارہ پڑھنی چاہیے، حماد بن سلیمان، ابن ابی لیلیٰ اور امام وکیع بن جراح کا شمار انہیں علما میں ہوتا ہے۔

امام ترمذی نے مجوزین صلاۃ میں اگرچہ امام ابوحنیفہ کا نام ذکر نہیں کیا تاہم صحیح یہی ہے کہ امام ابوحنیفہ اور ان کے تلامذہ کا یہ کہنا ہے کہ ایسے شخص کی نماز ہو جائے گی، امام طحاوی نے حنفی ہونے کے باوجود اس مسئلہ پر جو نفیس بحث کی ہے وہ قابل دید وسماعت ہے، موصوف فرماتے ہیں **فذہب قوم**...... **عنہ،** ان آثار کی روشنی میں ایک گروہ کا کہنا ہے کہ جو شخص صف کے پیچھے تنہا نماز پڑھتا ہے اس کی نماز باطل ہے جبکہ دوسرے گروہ کا کہنا ہے کہ جو ایسا کرے گا وہ برا کرے گا تاہم اس کی نماز ہو جائے گی۔

یہ مسئلہ اگرچہ مختلف فیہ ہے تاہم تبع تابعین کی اکثریت اس طرف گئی ہے کہ صف کے پیچھے تنہا نماز پڑھنے والے کی نماز نہیں ہوتی بلکہ امام ابوبکر بن ابی شیبہ کے دور میں سوائے امام ابوحنیفہ اور ان کے تلامذہ کے دیگر تمام علمائے کوفہ اس مسئلہ پر متفق ہو گئے تھے جیسا کہ امام ابو بکر بن ابی شیبہ نے اپنی معروف کتاب مصنف ابن ابی شیبہ کے آخر میں کتاب **الرد علی ابی حنیفۃ** قائم کر کے اس کے تحت حضرت وابصہ بن معبد اور حضرت عثمان بن شیبان ﷠ سے مروی دو مرفوع احادیث نقل کی ہیں جن میں یہ صراحتاً مذکور ہے کہ امام کے پیچھے تنہا صف میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کی نماز نہیں ہوتی، پھر امام ممدوح فرماتے ہیں کہ ابوحنیفہ اس کے برخلاف یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ اس کی نماز ہو جائے گی۔

ان احادیث کی صحت یا عدم صحت سے قطع نظر امام ابوبکر بن ابی شیبہ کے انداز تحریر سے یہ حقیقت تو عیاں ہوتی ہے کہ امام ابوحنیفہ اور ان کے مقلدین کے علاوہ دیگر تمام علمائے کوفہ نے ان احادیث کی روشنی میں یہ تسلیم کر لیا تھا کہ صف کے پیچھے اکیلے نماز پڑھنے والے کی نماز نہیں ہوتی، اس وقت سے لے کر عصر حاضر تک تمام علمائے اصحاب الحدیث اس کے قائل وفاعل چلے آرہے ہیں، البتہ عصر حاضر میں بعض

اصحاب الحدیث نے یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ یہ احادیث ضعیف ہیں اس لیے اگلی صف سے آدمی نہ کھینچا جائے کیونکہ اس صورت سے صف کا انقطاع لازم آتا ہے جو کہ ممنوع ہے لہٰذا مقتدی اکیلا صف کے پیچھے اپنی صف بنا کر نماز پڑھ لے یا پھر وہ امام کے ساتھ کھڑا ہو جائے۔

واضح رہے کہ امام اگر مرد ہے تو وہ تنہا ایک صف ہے، لہٰذا بغیر شرعی عذر کے مقتدی اس کے ساتھ کھڑا نہیں ہو سکتا۔ اس حدیث پر نقد و جرح حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیں۔

۴۱۵: وَلَهُ عَنْ طَلْقٍ بن علی رضی اللہ عنہ " لَا صَلَاةَ لِمُنْفَرِدٍ خَلْفَ اَلصَّفِّ " وَزَادَ اَلطَّبَرَانِيُّ مِنْ حَدِيثِ وَابِصَةَ رضی اللہ عنہ " أَلَا دَخَلْتَ مَعَهُمْ أَوْ اِجْتَرَرْتَ رَجُلًا؟"

صحیح ابن حبان، کتاب الصلاۃ، باب فرض متابعۃ الامام: ۲۲۰۱ ۔ ۲۲۰۳، ابن خزیمۃ: ۱۵۶۹، ابن ماجۃ: ۱۰۰۳، احمد: ۲۳/۴، ابن سعد: ۵۵۱/۵، شرح معانی الآثار: ۳۹۴/۱، المحلی: ۵۳/۴، مصباح الزجاجۃ: ۳۳۹/۱، الارواء: ۳۲۹/۲، التنقیح: ۱۱۳۸/۲، المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۴۶/۲۲، البیھقی: ۱۰۵/۳، ابویعلی: ۱۶۲/۳

تنبیہ: المعجم الکبیر کے مطبوعہ نسخہ میں یہ عبارت اس طرح ہے الا تکون و صلت صفا فدخلت معھم او اجتررت رجلا الیک ان ضاق بک المکان

۴۱۵: ابن حبان نے طلق بن علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ "اکیلے آدمی کی صف کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔" امام طبرانی نے حضرت وابصہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے آخر میں مزید یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ "تم ان کے ساتھ شامل کیوں نہیں ہوئے، یا ان میں سے کسی آدمی کو پیچھے کیوں نہیں کھینچا؟"

تشریح: یہ حدیث علی بن شیبان سے منقول ہے، ممدوح بنی حنیفہ کے اس وفد میں شامل تھے جو رحمت عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا، یہ کہتے ہیں کہ ہم نے نبی کریم ﷺ کی اقتدا میں نماز ادا کی، آپ ﷺ نے نماز سے فارغ ہونے کے بعد ایک شخص کو صف کے پیچھے تنہا نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو آپ ﷺ اس کے قریب ٹھہر گئے جب وہ شخص نماز سے فارغ ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "نماز دوبارہ پڑھ کیونکہ اکیلے آدمی کی نماز نہیں ہوتی۔" امام بوصیری نے اس روایت کو مصباح الزجاجہ میں صحیح قرار دیا ہے، علامہ ناصر الدین البانی نے الارواء میں بوصیری کی تحقیق پر مہر تصدیق ثبت کی ہے، امام ابن حزم، ابوبکر بن ابی شیبہ اور ابن نمیر نے ملازم بن عمرو کو ثقہ قرار دیا ہے، عبداللہ بن بدر بالاتفاق ثقہ ہے جبکہ عبدالرحمٰن بن علی کو امام العجلی، امام ابن حبان اور امام ابن حزم وغیرہم نے ثقہ تسلیم کیا ہے۔

امام ابن خزیمہ اور امام ابن حبان نے اس روایت کو صحیح کہا ہے، جبکہ ابن عبدالھادی نے التنقیح میں اس حدیث کی سند کو قوی کہا ہے۔ اس حدیث کا جواب دیتے ہوئے علامہ کوثری حنفی نے عبداللہ بن ادریس پر جرح نقل کی ہے لیکن یہ جرح مردود ہے کیونکہ عبداللہ بن ادریس صحاح ستہ کا راوی ہے اور اسے تمام نامور ماہرین فن نے ثقہ قرار دیا ہے، پھر حصین سے روایت کرنے میں اس کے متابع موجود ہیں۔ مثلاً ابوالاحوص (ترمذی) ہشیم (صحیح ابن حبان، المعجم الکبیر للطبرانی) جریر (للطبرانی) زہیر (للطبرانی) زائدہ (للطبرانی) الحسن بن صباح (للطبرانی) خالد (للطبرانی) شریک (للطبرانی) سفیان (الحمیدی) عبثر بن قاسم (الدارمی)۔ علامہ کوثری نے حصین بن عبدالرحمٰن پر جرح کرتے ہوئے امام البزار کا یہ قول نقل کیا ہے۔

حصین لم یکن بالحافظ فلا یحتج بحدیثہ فی حکم یعنی حصین حافظ نہیں تھے اس لیے ان سے مروی احادیث احکام میں حجت کا درجہ نہیں رکھتیں۔ نیز امام بخاری، امام عقیلی اور امام ابن عدی نے انہیں ضعفاء میں شمار کیا ہے۔

حصین بن عبدالرحمٰن کو حافظ تسلیم نہ کرنا درست نہیں کیونکہ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں، **حصین ثقۃ مامون من کبار اصحاب**

الحدیث (تذکرۃ الحفاظ: ۱/۱۴۴) یعنی حصین قابل اعتبار ثقہ آدمی ہیں، آپ کا شمار بڑے بڑے محدثین میں ہوتا ہے، یہ کہنا درست نہیں کہ اس سے مروی احادیث کو بطور حجت نہ لیا جائے کیونکہ ابن ابی حاتم بیان کرتے ہیں سألت ابازرعة عن حصين بن عبدالرحمن فقال ثقه ، قلت ، يحتج بحديثه؟ قال ای والله(الجرح والتعديل: ۳/۱۹۳)

میں نے امام ابوزرعہ سے حصین بن عبدالرحمٰن کے بارے میں دریافت کیا، انہوں نے فرمایا کہ وہ ثقہ ہیں۔ میں نے کہا، کیا ان سے مروی حدیث کو بطور حجت لیا جا سکتا ہے؟ انہوں نے کہا، ہاں کیوں نہیں۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں متفق عليه الاحتجاج به(مقدمة فتح البارى : ۳۹۸)

جہاں تک حصین بن عبدالرحمٰن کے حافظہ کے متغیر ہونے کی بات ہے تو یہ درست ہے کہ آخری عمر میں ان کا حافظہ متغیر ہو گیا تھا لیکن اس سے ان کی اس حدیث پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ ان سے یہ روایت ان کے کچھ ایسے تلامذہ نے بھی بیان کی ہے جنہوں نے ان سے تغیر حافظہ سے پہلے سنی ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، فاما شعبة ، والثوری و زائده و هشيم و خالد فسمعوا منه قبل تغيره (مقدمة فتح البارى: ۳۹۸) یعنی امام شعبہ، امام سفیان ثوری، امام زائدہ، امام ہشیم اور امام خالد نے ان سے احادیث ان کے حافظہ متغیر ہونے سے پہلے سنی ہیں۔

زیر مطالعہ حدیث، حصین بن عبدالرحمٰن سے ان کے کم از کم چار (ثوری، زائدہ، ہشیم، خالد) ایسے تلامذہ بیان کرتے ہیں جنہوں نے ان سے حافظہ متغیر ہونے سے پہلے سنی ہیں۔ لہٰذا متغیر حافظہ والی جرح غیر مؤثر ہے۔ پھر وہ یہ روایت ہلال بن یساف سے تنہا بیان نہیں کرتے بلکہ ان کے متابع بھی موجود ہیں جیسا کہ امام عبدالرزاق، ابن الجارود اور طبرانی نے ثوری عن معمر عن منصور عن ہلال بن یساف کے طریق سے نقل کیا ہے۔(المعجم الكبير للطبرانى: ۲۲/۱۴۱، حدیث نمبر :۳۷۵، مصنف عبدالرزاق ، كتاب الصلاة ، باب الرجل يقوم وحده فى الصف ، ابن الجارود : ۳۱۹)

امام طبرانی، امام طحاوی، امام ترمذی، امام ابوداؤد اور امام بیہقی وغیرہم نے یہ حدیث شعبہ عن عمرو بن مرۃ عن ہلال بن یساف کے طریق سے نقل کی ہے۔(ترمذی ،ابواب الصلاة، باب ماجاء فى الصلاة خلف الصف وحده، المعجم الكبير للطبرانى: ۲/۱۴۰)امام طبرانی اور امام احمد نے شمر بن عطیہ عن ہلال کے طریق سے بھی یہ روایت نقل کی ہے(المعجم الكبير للبطرانى: ۲۲/۱۴۳، مسند احمد : ۴/۲۲۸)

ہلال بن یساف کے بارے میں کوثری حنفی نے لکھا ہے کہ ہلال نے وابصہ سے نہیں سنا، موصوف کا یہ کہنا درست نہیں کیونکہ امام ترمذی کی نقل کردہ روایت سے یہ عیاں ہو رہا ہے کہ ہلال نے وابصہ سے سنا ہے۔ الشیخ احمد شاکر تعليق على السنن الترمذی میں فرماتے ہیں، قوله والشيخ يسمع ، جملة معترضة يريد به ان زياداً حدثه بالحديث عن وابصة بن معبد بحضرته و سمعه فلم ينكر عليه (تعليق على السنن الترمذی:۱/۴۴۵) الشيخ يسمع جملہ معترضہ ہے جس کے ذریعے ہلال بن یساف یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ زیاد نے انہیں یہ حدیث وابصہ بن معبد کی مجلس میں سنائی اور حضرت وابصہ رضی اللہ عنہ نے ہلال کے الفاظ سنے اور اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی۔

کوثری حنفی نے اس حدیث پر چوتھا اعتراض یہ کیا ہے کہ یہ حدیث مضطرب الاسناد ہے۔ موصوف کا یہ کہنا بھی درست نہیں جیسا کہ امام ابن حبان فرماتے ہیں، قال ابوحاتم سمع هذا الخبر هلال بن يساف عمرو بن راشد عن وابصة بن معبد و سمعه

مـن زيـاد بـن ابـى الجعد عن وابصة و الطريقان جميعاً محفوظان (صحيح ابن حبان ، كتاب الصلاة ، باب فرض متـابـعة الامام : ۵۷۸/۵) یہ حدیث ہلال نے عمرو بن راشد کے واسطہ سے اور زیاد بن ابی الجعد کے واسطہ سے حضرت وابصۃ بن معبد رضی اللہ عنہ سے سنی ہے اور دونوں طرق محفوظ ہیں۔

اسی طرح اس روایت کا ایک تیسرا طریق بھی محفوظ ہے جسے ہلال بن یساف نے حضرت وابصۃ بن معبد رضی اللہ عنہ سے بلا واسطہ نقل کیا ہے، گویا یہ روایت حضرت وابصۃ رضی اللہ عنہ سے تین طرق سے مروی ہے اور تینوں محفوظ ہیں

اب وابصۃ بن معبد سے مروی حدیث کے بارے میں محدثین کے تبصرے پیش خدمت ہیں۔

امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن اور امام ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے۔ علامہ احمد شاکر نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ علامہ سندھی نے لکھا ہے کہ بوصیری حنفی نے اس حدیث کی سند کو صحیح اور اس کے رجال کو ثقہ کہا ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے امام اثرم کے توسط سے امام احمد سے اس حدیث کی تحسین نقل کی ہے۔

علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری نے **تـحـفـه الاحـوذی** میں علامہ ابن سید الناس شارح ترمذی کے متعلق لکھا ہے کہ انہوں نے اس حدیث کے رواۃ کو معروف قرار دیا ہے، نیز انہوں نے لکھا ہے کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے **فتح البارى** میں لکھا ہے کہ امام احمد اور امام خزیمہ وغیرہما نے حدیث وابصہ کو صحیح قرار دیا ہے۔(**تحفة الاحوذی : ۱/۱۹۴**)

امام بخاری نے صحیح بخاری میں مذکورہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے پہلے یہ باب قائم کیا ہے،"**باب المرأة وحدها تـكـون صفاً**" یعنی تنہا عورت ایک صف ہے۔امام بخاری کے اس انداز سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ وہ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ مرد مقتدی تنہا صف نہیں ہوسکتا، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو وہ یقیناً اس حدیث کو ذکر کرنے سے پہلے اس طرح باب قائم کرتے باب المؤتم وحدہ یکون صفا یعنی تنہا مقتدی بھی ایک صف ہے۔

عصر حاضر کے محقق علامہ شعیب الارناؤط نے حضرت وابصہ بن معبد رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے دو طریق کو حسن اور ایک کو صحیح کہا ہے۔(**تعليق على ابن حبان : ۵۷۸/۵**)

فقہی احکام: (۱) صف کے پیچھے اکیلے آدمی کی نماز نہیں ہوتی۔(۲) اگلی صف سے آدمی کھینچا جا سکتا ہے۔

۴۱۶: **وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ** رضی اللہ عنہ **عَنِ اَلنَّبِيِّ** ﷺ **قَالَ " إِذَا سَمِعْتُمُ اَلْإِقَامَةَ فَامْشُوا إِلَى اَلصَّلَاةِ ,وَعَلَيْكُمُ اَلسَّكِينَةُ وَالْوَقَارُ, وَلَا تُسْرِعُوا ,فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا ,وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ,وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ.**

البخاری، کتاب الآذان، باب لا یسعی الی الصلاة و لیأت بالسکینة و الوقار: ۶۳۶، مسلم: ۶۰۲، ابوداود: ۵۷۲، الترمذی: ۳۲۷، النسائی: ۱۱۴/۲، احمد: ۵۳۲/۲، البیهقی: ۹۳/۳، ۹۵، ابن حبان: ۲۱۴۶ - ۲۱۴۸

۴۱۶: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی مکرم ﷺ سے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:"جب تم اقامت سنو تو نماز کی طرف سکون اور وقار سے چلو، جلد بازی کا مظاہرہ مت کرو، جو پا لو وہ پڑھ لو اور جو نکل جائے وہ پوری کرلو۔" بخاری و مسلم، مذکورہ الفاظ بخاری کے ہیں۔

لغوی تحقیق: **السكينة:** یہ سکن سے ماخوذ ہے یعنی طمانیت۔ **الوقار:** یہ سکینۃ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور حلم کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔

تشریح: تکبیر تحریمہ کے وقت نماز میں شریک ہونا بڑی فضیلت کا باعث ہے، بایں سبب حتیٰ المقدور اقامت شروع ہونے سے پہلے

مسجد میں پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیے، تاہم کسی وجہ سے اگر کبھی تاخیر ہو جائے تو پھر تکبیر اولیٰ یا رکعت کو حاصل کرنے کے لیے دوڑ کر نماز مین شریک نہیں ہونا چاہیے، بلکہ معمول کے مطابق اطمینان سے شریفانہ چال چلتے ہوئے نماز میں شریک ہونا چاہیے، اور وہی ہیت اختیار کر لینی چاہیے جس حالت میں امام ہو، اگر نماز کی کوئی رکعت فوت ہو جائے تو وہ رکعت بعد میں ادا کر لی جائے، ان امور پر تمام فقہا کا اتفاق ہے۔

اگر قیام فوت ہو جائے تو پھر وہ رکعت دوبارہ پڑھنی چاہیے یا نہیں؟ اس بارے میں اختلاف ہے، لیکن درست بات یہی ہے کہ وہ رکعت دوبارہ پڑھی جائے، کیونکہ قیام کے فوت ہونے کی وجہ سے دوارکان (قیام اور فاتحہ) کا فقدان لازم آتا ہے۔ نیز اس بارے میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے کہ رکوع یا اس کے بعد نماز میں داخل ہونے والا شخص فقط تکبیر تحریمہ کہہ کر اس ہیت میں چلا جائے جس ہیت میں امام ہو یا اسے تکبیر انتقال بھی کہنا ہوگی؟ اس بارے میں تیسرا اختلاف یہ پایا جاتا ہے کہ مقتدی امام کے ساتھ پڑھی گئیں رکعات کو اپنی پہلی رکعات شمار کرے گا یا آخری رکعات؟

احناف اور بعض اہل حدیث علما کے نزدیک مقتدی کی آخری رکعات شمار ہوں گی، جبکہ شوافع اور جمہور اہل حدیث کے نزدیک پہلی رکعات شمار ہوں گی، مؤخر الذکر مؤقف کی تائید درج ذیل آثار سے ہوتی ہے۔(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ جو رکعت تم نے امام کے ساتھ پائی وہ تمہاری پہلی رکعت ہوگی۔ یہ روایت ابواسحاق کے عنعنہ اور حارث کے ضعیف ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے، البتہ اس اثر کو قتادہ سے مروی مرسل روایت کی تائید حاصل ہے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کی طرح منقول ہے، لیکن یہ قول بھی ایوب کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

(۳) حضرت عمر بن خطاب اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح منقول ہے، لیکن یہ آثار بھی ضعیف ہیں کیونکہ اس روایت کی سند میں معروف مدلس ولید بن مسلم ہے، یہاں ولید بن مسلم نے اگرچہ اپنے شیخ اسماعیل سے سماع کی صراحت کی ہے لیکن وہ چونکہ تدلیس تسویہ کا ارتکاب کرتے تھے اس لیے ان کی محض اپنے شیخ سے سماع کی صراحت صحت روایت کے لیے ناکافی ہے۔

(۴) امام اوزاعی، سعید بن عبدالعزیز اور سعید بن مسیّب بھی اسی مؤقف کے حامی ہیں۔

جو حضرات مقدم الذکر مؤقف کے قائل ہیں وہ اپنے مؤقف کے مطابق عمل نہیں کرتے یعنی پہلی رکعت کا اختتام سجدوں پر ہوتا ہے، اس لیے اس مؤقف کے حاملین کو چاہیے کہ جب ان کی ایک رکعت فوت ہو جائے تو وہ اپنی نماز کا اختتام سجدوں پر کریں حالانکہ وہ ایسا نہیں کرتے، کیونکہ وہ بھی سجدوں کے بعد تشہد میں بیٹھتے ہیں، تشہد اور درود کے بعد سلام پھیرتے ہیں۔

فقہی احکام: (۱) نماز کیلئے وقار اور طمانیت کے ساتھ چل کر آنا چاہیے۔(۲) نماز میں شامل ہوتے ہی امام کی متابعت اختیار کر لینی چاہیے۔(۳) جو نماز رہ جائے اس کی ادائیگی بعد میں کر لی جائے۔(۴) امام کے ساتھ ملنے والی رکعات کو پہلی رکعات شمار کیا جائے۔

۴۱۷: وَعَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اَللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم "صَلَاةُ اَلرَّجُلِ مَعَ اَلرَّجُلِ أَزْكَى مِنْ صَلَاتِهِ وَحْدَهُ, وَصَلَاتُهُ مَعَ اَلرَّجُلَيْنِ أَزْكَى مِنْ صَلَاتِهِ مَعَ اَلرَّجُلِ, وَمَا كَانَ أَكْثَرَ فَهُوَ أَحَبُّ إِلَى اَللَّهِ عزوجل" رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ, وَالنَّسَائِيُّ, وَصَحَّحَهُ اِبْنُ حِبَّانَ

ابو داود، ابواب الصلاة، باب فی فضل صلاة الجماعة: ۵۵۴، النسائی: ۱۰۴/۲، احمد: ۱۴۰/۵، ابن حبان: ۲۰۵۶، الدارمی: ۲۳۵/۱، ابن خزیمة: ۱۴۷۷، عبدالرزاق: ۲۰۰۴، الحاکم: ۲۴۷/۱، ۲۴۸

۴۱۷: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ایک شخص کا دوسرے شخص کے ساتھ مل کر نماز پڑھنا اس کے تنہا نماز پڑھنے سے کہیں زیادہ اجر وثواب کا باعث ہے، اور اس کا دو آدمیوں کے ساتھ مل کر نماز پڑھنا اس کے ایک آدمی کے ساتھ مل کر نماز پڑھنے سے بہتر ہے، اسی طرح جتنے افراد زیادہ ہوں اتنا ہی وہ عمل اللہ کو زیادہ محبوب ہے۔" اسے ابوداؤد، نسائی اور ابن حبان نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے۔

لغوی تحقیق: ازکیٰ: زیادہ پاکیزہ یعنی زیادہ اجر وثواب کا باعث۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ دو آدمی بھی مل کر جماعت کروا سکتے ہیں۔ آپ ﷺ سے ایسا عمل بھی ثابت ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت انس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم سے مروی روایات میں مذکور ہے۔ اس حدیث سے دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ جس نماز کو جس قدر زیادہ آدمی مل کر ادا کریں گے وہ اس قدر زیادہ ثواب کی موجب ہوگی۔

۴۱۸: **وَعَنْ أُمِّ وَرَقَةَ رضی اللہ عنہا عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَمَرَهَا أَنْ تَؤُمَّ أَهْلَ دَارِهَا. رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ ,وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ .**

ابن خزيمة، كتاب الصلاة، باب امامة المرأة النساء فى الفريضة: ١٦٧٦، ابوداود: ٥٩١، ٥٩٢، الدارقطني: ١/ ٤٠٣، احمد: ٦/٤٠٥، الحاكم: ١/ ٣٢٠، البيهقي: ١/ ٤٠٨، ٤/ ١٣١، عبدالرزاق: ٣/ ١٤٠، ١٤١، مصنف ابن ابى شيبة: ١/ ٥٣٦، المحلى: ٤/ ٢١٩، المجموع: ٤/ ١١٩، الخلاصة: ٢/ ٤٨٠، بيان الوهم والايهام: ٢٢٥٨، معرفة السنن و الآثار: ٢/ ٤١٠، الطبرانى: ٢٥/ ١٣٥

تنبیہ: امام زیلعی نے نصب الرایة میں لکھا ہے کہ ابن قطان نے ولید بن جمیع اور عبدالرحمٰن بن خلاد کو مجہول الحال لکھا ہے، جبکہ امام ابن قطان نے ولید کی دادی اور عبدالرحمٰن بن خلاد کو مجہول الحال لکھا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ حدیث اُم ورقہ کو امام دارقطنی نے اپنی سنن میں حسن کہا ہے جبکہ دارقطنی کی سنن کے مطبوعہ نسخہ میں امام دارقطنی کی تحسین مذکور نہیں۔

۴۱۸: حضرت اُم ورقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں اپنے گھر والوں کی امامت کرنے کا حکم فرمایا تھا۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے۔

لغوی تحقیق: تؤم: واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے یعنی وہ امامت کرائے۔ اھل دار: لفظ اہل، عزیز و اقارب اور بیوی وغیرہ کی لیے مستعمل ہے۔ اور لفظ دار گھر اور محلّہ دونوں پر دلالت کرتا ہے، اس لیے اس مرکب سے گھر اور محلے کے جملہ افراد مراد لیے جا سکتے ہیں مگر یہاں مراد گھر کی خواتین ہیں کیونکہ طبرانی میں یہ صراحت مذکور ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ سے اپنے گھر میں نماز کے لیے ایک جگہ مختص کرنے کی اجازت طلب کی تھی جس پر آپ ﷺ نے انہیں اجازت عنایت فرما دی۔

تشریح: حضرت اُم ورقہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت عبدالرحمٰن بن خلاد اور لیلیٰ بنت مالک نقل کرتے ہیں، امام ابن قطان ان دونوں کے بارے میں فرماتے ہیں" **فان حال عبدالرحمن بن خلاد مجهول وهو كوفى وجدة الوليد كذالك لا تعرف اصلاً**" عبدالرحمٰن بن خلاد مجہول ہے، اس طرح ولید بن عبداللہ بن جمیع کی دادی (لیلیٰ بنت مالک) بھی معروف نہیں ہے۔ اس روایت کا انحصار چونکہ ان دونوں پر ہی ہے یہ دونوں مجہول ہیں، لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔ خواتین کی امامت سے متعلق روایات حضرت اسماء بنت ابی بکر، حضرت عائشہ، حضرت ام سلمہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی منقول ہے۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "عورتوں کے لیے نہ تو اذان ہے اور نہ اقامت، نہ جمعہ

ہے اور نہ جمعہ کے روز غسل اور نہ ان کی امام ان سے آگے کھڑی ہو سکتی ہے، البتہ صف کے درمیان میں کھڑی ہو کر امامت کے فرائض ادا کر سکتی ہے۔ یہ روایت حکم بن عبداللہ بن سعد کی وجہ سے موضوع کے قریب تر ہے۔ حضرت عطا کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اذان پڑھتی تھیں اور اقامت کہتی تھیں اور عورتوں کی امامت ان کی صف کے درمیان میں کھڑے ہو کر کراتی تھیں۔ اس روایت کی سند میں لیث سے مراد لیث بن ابی سلیم ہے جیسا کہ معرفۃ السنن میں صراحتاً مذکور ہے۔ لہٰذا یہ روایت لیث بن ابی سلیم کی وجہ سے ضعیف ہے۔

ریطہ حنفیہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خواتین کو فرض نماز پڑھاتیں اور وہ ان کی صف کے درمیان میں کھڑی ہوتی تھیں۔ یہ روایت سفیان ثوری کے عنعنہ اور ریطہ کے مجہولہ ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

امام عبدالرزاق نے یحییٰ بن سعید کے طریق سے نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خواتین کی امامت نوافل میں ان کے ساتھ کھڑے ہو کر کراتی تھیں۔ اس روایت کو اگرچہ امام نووی نے صحیح الاسناد قرار دیا ہے مگر حقیقتاً ایسا نہیں ہے، کیونکہ عمار دھنی یہ روایت حجیرۃ بنت حصین سے نقل کرتے ہیں اور وہ مجہولہ ہیں۔ لہٰذا یہ روایت بھی ضعیف ہے۔

امام ابوبکر ابی شیبہ نے ام الحسن کے طرق سے نقل کیا ہے، وہ کہتی ہیں کہ انہوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا وہ خواتین کی امامت ان کی صف میں کھڑے ہو کر کراتی تھیں۔ یہ روایت منقطع ہے۔ البتہ امام ابن حزم نے اسے موصولاً نقل کیا ہے، مگر وہ طریق بھی ضعیف ہے، کیونکہ یحییٰ بن سعید اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مابین زیاد بن لاحق کا واسطہ ہے اور وہ مجہول ہے۔

امام بیہقی اور امام عبدالرزاق وغیرہما نے عمار دھنی کے طریق سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ وہ خواتین کی امامت صف کے درمیان کھڑے ہو کر کراتی تھیں۔ امام نووی نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے اور الشیخ خالد بن ضیف الشلاحی نے اس روایت کی سند کو سونے کی زنجیر کی مثل قرار دیا ہے مگر حقیقتاً ایسا نہیں ہے کیونکہ یہ روایت قتادہ کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

امام عبدالرزاق نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ عورت خواتین کی امامت ان کی صف میں کھڑی ہو کر کرائے۔ یہ روایت ابراہیم بن محمد کی وجہ سے موضوع کے قریب تر ہے۔ درج بالا بیانات سے یہ واضح ہو کہ عورت کی امامت سے متعلق کوئی بھی مرفوع یا موقوف روایت ایسی نہیں جسے بطور حجت اختیار کیا جا سکے۔

۴۱۹: وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اِسْتَخْلَفَ اِبْنَ أُمِّ مَكْتُومٍ ,يَؤُمُّ النَّاسَ ,وَهُوَ أَعْمَى رَوَاهُ أَحْمَدُ ,وَأَبُو دَاوُدَ.

ابوداود، ابواب الصلاۃ، باب امامۃ الاعمیٰ: ۵۹۵، احمد: ۱۳۲/۳، البیهقی: ۸۸/۳، عبدالرزاق: ۳۸۲۸-۳۸۳۰، معرفۃ السنن و الآثار: ۳۷۱/۲، صحیح ابن حبان: ۲۱۳۴، ۲۱۳۵

۴۱۹: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ابن اُم مکتوم کو اپنا جانشین مقرر فرمایا اور وہ لوگوں کی امامت کراتے تھے جبکہ وہ بینائی سے محروم تھے۔ اسے احمد اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

تشریح: عمران بن داور القطان کے علاوہ اس روایت کے جملہ رواۃ ثقہ ہیں جبکہ عمران القطان مختلف فیہ ہے۔ عمران القطان کے مختلف فیہ ہونے کے ساتھ ساتھ اس روایت میں ایک اور علت بھی ہے، یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت فقط قتادہ نقل کرتے ہیں، موصوف اگرچہ ثقہ ہیں لیکن وہ چونکہ مدلس ہیں اور روایت عنعنہ ہے، اس لیے فی نفسہ یہ روایت ضعیف ہے۔

امام عبدالرزاق اور امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے شعبی سے مرسلاً نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ کو غزوۃ تبوک کے موقع پر مدینہ منورہ میں اپنا جانشین مقرر فرمایا تھا اور وہ نابینا ہونے کے باوجود لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے۔

امام عبدالرزاق نے سعد بن ابراہیم کے طریق سے مرسلاً نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ جب سفر پر جاتے تو عبداللہ بن ام مکتوم کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر فرماتے۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحیح سند سے اسی کی مثل مروی ہے، لہٰذا اس روایت کی تقویت کی وجہ سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث حسن درجہ سے کم نہیں رہی۔

فقہی احکام: (۱) بینائی سے محروم شخص کو نائب بنایا جاسکتا ہے۔(۲) بینائی سے محروم آدمی کی امامت درست ہے۔

۴۲۰: وَنَحْوُهُ لِابْنِ حِبَّانَ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا.

ابن حبان، كتاب الصلاة، باب فرض متابعة الامام: ۲۱۳۴ ، ۲۱۳۵، بيهقی: ۸۸/۳، المعجم الاوسط: ۵، ۴۷۴۴، معرفة السنن و الآثار: ۱۴۸۴۔ ۱۴۸۶، البخاری: ۴۲۵، صحيح مسلم: ۴۵۵/۱، المجمع: ۶۵/۲

تنبیہ: علامہ ہیثمی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث کو مجمع الزوائد ۶۸/۲ میں امام ابویعلیٰ اور امام طبرانی کے حوالے سے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ رجال ابی یعلیٰ رجال صحیح ہیں۔حالانکہ رجال ابی یعلیٰ اور رجال طبرانی ایک ہی ہے۔

۴۲۰: امام ابن حبان نے اسی کی مثل حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کی ہے۔

تشریح: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث کو امام ابن حبان، امام بیہقی، امام ابویعلی اور امام طبرانی نے ایک ہی طریق سے نقل کیا ہے۔محترمہ فرماتی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ پر اپنا نائب مقرر فرمایا وہ لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے۔یہ حدیث صحیحین کی شرط کے مطابق ہے، یعنی ہر قسم کے غبار سے پاک ہے۔اسی قسم کی احادیث حضرت محمود بن ربیع اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی منقول ہیں۔

حضرت محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عتبان بن مالک اپنی قوم کی امامت فرماتے تھے درآنحالیکہ وہ نابینا تھے۔اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو دوبار مدینہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا، جبکہ وہ نابینا تھے اور لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے۔

اس روایت کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے حسن قرار دیا ہے، اس روایت کا حسن ہونا اگر حدیث عائشہ کی وجہ سے ہے تو پھر بلاشبہ یہ روایت حسن ہے ورنہ یہ روایت دوعلتوں کی وجہ سے ضعیف ہے۔پہلی علت یہ ہے کہ اس روایت کی سند میں عفیر بن معدان نامی راوی ہے جسے امام نسائی نے ضعیف قرار دیا ہے، اور خود حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی تقریب میں اسے ضعیف کہا ہے۔دوسری علت یہ ہے کہ قتادہ نے عکرمہ سے یہ روایت عن سے نقل کی ہے اور قتادہ معروف مدلس ہے۔

فقہی احکام: وہی ہیں جو سابقہ حدیث سے مستنبط ہوتے ہیں۔

۴۲۱: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ، قَالَ رَسُولُ اَللَّهِ ﷺ " صَلُّوا عَلَى مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اَللَّهُ ,وَصَلُّوا خَلْفَ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اَللَّهُ " رَوَاهُ اَلدَّارَقُطْنِيُّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ.

الدارقطنی، كتاب الصلاة، باب صفة من تجوز الصلاة معه و الصلاة عليه: ۲/ ۵۵ ـ ۵۷، ابوداود: ۵۹۴، ابن ماجة: ۱۵۲۵، الارواء: ۳۰۶/۲، العلل المتناهية: ۴۲۷/۱، الجرح و التعديل: ۱۵۷/۶، الضعفاء للعقيلی: ۲۶۰ ، ۲۶۱، ميزان الاعتدال: ۱۷۷/۴، معرفة السنن و الآثار: ۴۰۰/۲

۴۲۱: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ہر کلمہ گو کی نماز جنازہ پڑھو اور ہر کلمہ گو کی اقتدا میں نماز پڑھو۔" اس روایت کو امام دار قطنی نے ضعیف سند سے روایت کیا ہے۔

تشریح: یہ روایت عبداللہ بن عمر سے متعدد طرق سے مروی ہے اور جمیع طرق سخت ترین ضعیف ہیں، مؤلف رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر کردہ طریق میں عثمان بن عبدالرحمٰن نامی راوی ہے، جسے امام یحییٰ بن معین نے جھوٹا، امام ابوحاتم، امام حاکم اور امام بخاری نے متروک الحدیث کہا ہے، دوسرے طریق کا مرکزی راوی ابوالولید مخزومی ہے یہ بھی خود ساختہ روایات کو ثقہ رواۃ کی طرف منسوب کر کے بیان کرتا تھا تیسرے طریق کا مرکزی راوی وھب بن وھب ہے، یہ شخص بھی خود ساختہ روایات بیان کیا کرتا تھا۔

چوتھا طریق محمد بن فضل کے متروک ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ اسی طرح کی روایات حضرت ابوہریرہ، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت علی، حضرت ابودرداء اور حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہم سے بھی منقول ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "فرض نماز ہر مسلمان کے پیچھے پڑھنا ضروری ہے، خواہ وہ نیکوکار ہو یا فاجر، اگرچہ وہ کبائر کا ارتکاب بھی کرتا ہو۔" یہ روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور مکحول کے مابین انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "ہر امام کے پیچھے نماز پڑھو۔" یہ روایت ولید بن فضل، عبدالجبار بن حجاج اور مکرم بن حکیم کی وجہ سے ضعیف ہے، ولید جھوٹی روایات بیان کرتا تھا، عبدالجبار کو امام عقیلی نے ضعیف قرار دیا ہے اور مکرم بن حکیم کو امام ازدی نے متروک الحدیث کہا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اہل قبلہ میں سے جو شخص بھی فوت ہو جائے اس کی نماز جنازہ پڑھو۔" یہ روایت حارث اعور، فرات بن سلیمان، محمد بن علوان اور ابواسحاق کی وجہ سے ضعیف ترین ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "ہر امام کے پیچھے نماز پڑھو، تیری نماز تیرے لیے ہے، اس کا گناہ اس پر ہے اور ہر میت کی نماز جنازہ پڑھو۔" یہ روایت عمر بن صبح کی وجہ سے موضوع کے قریب تر ہے۔

حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "ہر میت کی نماز جنازہ پڑھو۔" یہ روایت حارث بن نبھان اور عتبہ بن یقظان کی وجہ سے ضعیف تر ہے۔

۴۲۲: وَعَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ اَلنَّبِيُّ ﷺ " إِذَا أَتَـى أَحَدُكُمُ اَلصَّلَاةَ وَالْإِمَامُ عَلَى حَالٍ, فَلْيَصْنَعْ كَمَا يَصْنَعُ اَلْإِمَامُ " رَوَاهُ اَلتِّرْمِذِيُّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ.

الترمذی، ابواب الصلاۃ، باب الرجل یدرک الامام ساجداً کیف یصنع: ۵۹۶

۴۲۲: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی ایک نماز پڑھنے کے لیے آئے تو وہ امام کو جس حال میں پائے (اسی حال میں امام کے ساتھ شامل ہو جائے) وہ وہی کچھ کرے جو کچھ امام کرے۔" امام ترمذی نے اسے ضعیف سند سے روایت کیا ہے۔

تشریح: یہ روایت حجاج بن ارطاۃ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ یہ روایت اگرچہ ضعیف ہے مگر اسی مفہوم کی بہت سی صحیح احادیث بھی موجود ہیں، ان میں سے بعض تفصیلاً ذکر کر دی گئی ہیں۔

۱۱۔ بَابُ صَلَاةِ الْمُسَافِرِ وَالْمَرِيْضِ مسافراور مریض کی نماز کا بیان

۴۲۳: عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ أَوَّلُ مَا فُرِضَتُ الصَّلَاةُ رَكْعَتَيْنِ ,فَأُقِرَّتْ صَلَاةُ السَّفَرِ وَأُتِمَّتْ صَلَاةُ الْحَضَرِ . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَلِلْبُخَارِيِّ ، ثُمَّ هَاجَرَ ,فَفُرِضَتْ أَرْبَعًا ,وَأُقِرَّتْ صَلَاةُ السَّفَرِ عَلَى الْأَوَّلِ . زَادَ أَحْمَدُ، إِلَّا الْمَغْرِبَ فَإِنَّهَا وِتْرُ النَّهَارِ ,وَإِلَّا الصُّبْحَ ,فَإِنَّهَا تَطُولُ فِيهَا الْقِرَاءَةُ.

البخاری، کتاب تقصیر الصلاة، باب یقصر اذا خرج من موضعه: ۱۰۹۰ ، ۱۰۳۵، مسلم: ۶۸۵، مسند احمد: ۲۶۳۴۲ ، ۲۶۳۹۸، ابن حبان: ۲۷۳۸، ابن خزیمة: ۱/۱۵۷، شرح معانی الآثار: ۱/۴۱۵

تنبیہ: مؤلف رحمہ اللہ نے مسند احمد کے حوالے سے تطول فیها القرأة نقل کیا ہے لیکن مسند احمد کے مطبوعہ نسخہ میں یطول فیهاالقرأة کے الفاظ ہیں۔

۴۲۳: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: آغاز میں تمام نمازوں کی دو دو رکعات فرض کی گئی تھیں (بعد میں) اس نماز کو سفر کی نماز کے طور پر رکھا گیا اور حضر کی نماز مکمل کر دی گئی۔ (بخاری ومسلم) بخاری میں ہے، پھر آپ ﷺ نے ہجرت فرمائی تو چار چار رکعات فرض کر دی گئیں اور پہلی نماز کو سفر کی نماز کے طور پر اختیار کر لیا گیا۔ امام احمد کی بیان کردہ روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں ماسوا نماز مغرب کے، کیونکہ وہ دن کے وتر ہیں، اور ماسوا نماز فجر کے، کیونکہ اس میں قرأت طویل ہے۔

لغوی تحقیق: اقرت: برقرار رکھی گئی۔ **الحضر**: حاء اور ضا دونوں مفتوح، یہ سفر کا متضاد ہے۔

تشریح: مؤلف رحمہ اللہ نے مسئلہ میں نکھار پیدا کرنے کیلئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت کے تین طرق نقل کیے ہیں۔ پہلا طریق صحیحین کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے، جس سے یہ واضح ہوا کہ آغاز میں تمام نمازوں کی دو دو رکعات فرض کی گئی تھیں۔ اس میں اگرچہ یہ صراحت نہیں کہ یہ فرض کس نے کی ہیں، لیکن یہ بات طے ہے کہ شریعت سازی کا اختیار اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، ظاہر ہے کہ جس کے پاس یہ اختیار ہے اس نے فرض کی ہیں، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، سفر کی نماز دو رکعات ہیں یہ حکم آسمان سے نازل ہوا ہے۔ بخاری کے بیان کردہ طریق سے یہ واضح کیا گیا ہے کہ سفر اور حضر کی نماز کا فرق ہجرت نبوی کے بعد رونما ہوا۔ تیسرے طریق کے ذریعے یہ واضح کیا گیا ہے کہ مغرب اور فجر کی نمازیں پہلی حالت میں رہنے دی گئیں۔ یعنی مغرب کی نماز آغاز ہی میں تین رکعات فرض کی گئی تھیں اور بعد میں بھی تین ہی رہنے دی گئیں، کیونکہ یہ دن کی طاق نماز ہے۔ فجر کی نماز میں اضافہ اس لیے نہیں کیا گیا کہ اس میں قرأت طویل ہے۔

تیسرا طریق دونوں سے واضح ہے لیکن یہ طریق ضعیف ہے، کیونکہ امام شعبی کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماع ثابت نہیں، امام ابن خزیمہ کی بیان کردہ روایت میں اگرچہ یہ انقطاع نہیں ہے لیکن یہ طریق محفوظ نہیں ہے کیونکہ داؤد بن ابی ہند کے تمام ثقہ تلامذہ شعبی عن عائشہ کہتے ہیں جبکہ محبوب بن حسن **حدثنا داؤد عن شعبی عن مسروق عن عائشه** کہتا ہے، اس کی یہ زیادت اس کی عدم ثقاہت کی وجہ سے مردود ہے، اسی طرح مرجا بن رجاء، داؤد عن شعبی عن مسروق عن عائشہ کہتا ہے، مرجا بن رجاء بھی راجح قول کے مطابق ضعیف ہے۔

نماز صبح کی استثنا کے بغیر یہ روایت حضرت عروۃ بن زبیر نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کی ہے اور یہ طریق ہر قسم کے غبار سے پاک ہے۔ لہٰذا متابعات اور کثرت طرق کی وجہ سے زیر مطالعہ روایت حسن درجہ کی ہے۔

سفر میں نماز کا قصر کرنا واجب ہے یا رخصت؟ اس بارے میں فقہا کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے جنہوں نے فُرِضَتْ کو حقیقی معنی پر

محمول کیا ہے ان کے نزدیک سفر میں نماز کا قصر کرنا واجب ہے۔جنہوں نے کہا ہے کہ یہاں فُرِضَتْ بمعنی قدرت ہے ان کے نزدیک سفر میں نماز کا قصر کرنا واجب نہیں بلکہ رخصت ہے۔ جوفقہار خصت کے قائل ہیں ان میں افضلیت کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے،بعض کا خیال ہے کہ قصر کرنا افضل ہے جبکہ بعض کا خیال ہے کہ پوری پڑھنا افضل ہے۔

فقہی احکام: سفر میں نماز کا قصر کرنا واجب نہیں،مسنون یا رخصت ہے،البتہ قصر کرنا افضل ہے کیونکہ صحیح حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:"یہ صدقہ ہے،تم اللہ کے صدقہ کو قبول کرو۔"

۴۲۴۔۴۲۵: **وَعَنْ عَائِشَةَ** رضی اللہ عنہا **أَنَّ اَلنَّبِيَّ** ﷺ **كَانَ يَقْصُرُ فِي اَلسَّفَرِ وَيُتِمُّ ,وَيَصُومُ وَيُفْطِرُ . رَوَاهُ اَلدَّارَقُطْنِيُّ ,وَرُوَاتُهُ ثِقَاتٌ .إِلَّا أَنَّهُ مَعْلُولٌ وَالْمَحْفُوظُ عَنْ عَائِشَةَ مِنْ فِعْلِهَا ,وَقَالَتْ إِنَّهُ لَا يَشُقُّ عَلَيَّ . أَخْرَجَهُ اَلْبَيْهَقِيُّ.**

الدارقطني، كتاب الصيام، باب القبلة للصائم: ۱۸۹/۲، معرفة السنن و الآثار: ۱۵۹۲، البخاري: ۱۰۸۰، ۱۰۸۲، السنن الكبرى للبيهقي: ۱۴۱/۳، ۱۴۲، الارواء: ۷/۳، ۸، التنقيح: ۱۱۶۲/۲

۴۲۴۔۴۲۵: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ سفر میں کبھی قصر فرماتے اور کبھی پوری پڑھتے،کبھی روزہ رکھتے اور کبھی ترک کرتے۔اسے دارقطنی نے بیان کیا ہے،اس روایت کے جملہ رواۃ ثقہ ہیں تاہم یہ حدیث ضعیف ہے،محفوظ یہ ہے کہ ایسا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خود کرتی تھیں اور فرمایا کرتی تھیں (پوری نماز پڑھنا اور روزہ رکھنا) مجھ پر گراں نہیں،اسے بیہقی نے نقل کیا ہے۔

لغوی تحقیق: یقصر: کم کرتے یعنی قصر نماز پڑھتے۔یتم: مکمل کرتے یعنی پوری نماز پڑھتے۔

تشریح: یہ حدیث عطا بن ابی رباح،عمرو بن سعید،طلحہ بن عمرو،دُلھم اور مغیرہ بن زیاد نقل کرتے ہیں،مؤخر الذکر تینوں رواۃ ضعیف ہیں،البتہ عمرو بن سعید سے مروی طریق کو امام دارقطنی نے صحیح قرار دیا ہے،امام بیہقی نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد امام دارقطنی کی تصحیح کا حوالہ دیا ہے۔جبکہ مؤلف رحمہ اللہ نے اس روایت کو معلول قرار دیا اور موقوف طریق کو محفوظ کہا ہے،علامہ ناصر الدین البانی نے بھی یہی مؤقف اختیار کیا ہے،علامہ ابن تیمیہ کا بھی یہی مؤقف ہے۔علامہ ابن عبدالھادی نے بھی موقوف طریق کو صحیح کہا ہے۔

راقم کے نزدیک مذکورہ بالا اہل علم کے نزدیک اس روایت کے معلول ہونے کی تین علتیں یا ان میں سے کوئی ایک ہوسکتی ہے۔

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعود،حضرت عبداللہ بن عمر،حضرت عبداللہ بن عباس اور حارثہ بن خزاعی رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے سفر حج میں تمام نمازیں قصر پڑھیں،یہ تمام احادیث صحیح بخاری کی ہیں۔

(۲) عطا بن ابی رباح سے عمرو بن ذر نے جو روایت نقل کی ہے اس میں یہ مذکور ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سفر میں پوری نماز پڑھی

(۳) امام دارقطنی نے جس سند کو صحیح قرار دیا ہے،اس سند میں سعید بن محمد بن ثواب نامی راوی ہے،اس کی توثیق امام ابن حبان کے علاوہ کسی اور نے نہیں کی،انہوں نے اسے مستقیم الحدیث قرار دیا ہے،علامہ ناصر الدین البانی نے اسے مجہول الحال قرار دیا ہے۔

فقہی احکام: سفر میں پوری نماز بھی پڑھی جاسکتی ہے۔

۴۲۶: **وَعَنِ اِبْنِ عُمَرَ** رضی اللہ عنہما **قَالَ، قَالَ رَسُولُ اَللَّهِ** ﷺ **" إِنَّ اَللَّهَ يُحِبُّ أَنْ تُؤْتَى رُخَصُهُ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ تُؤْتَى مَعْصِيَتُهُ " رَوَاهُ أَحْمَدُ ,وَصَحَّحَهُ اِبْنُ خُزَيْمَةَ ,وَابْنُ حِبَّانَ وَفِي رِوَايَةٍ " كَمَا يُحِبُّ أَنْ تُؤْتَى عَزَائِمُهُ "**

احمد: ۱۰۸/۲، ابن خزيمة، كتاب الصلاة، باب استحباب قصر الصلاة في السفر......: ۹۵۰، ابن حبان: ۲۷۳۹، ۲۷۴۱، البزار: ۹۸۸، المعجم الاوسط للطبراني: ۲۶۰۲، ۴۹۲۴، ۵۲۹۸، ۸۰۲۸، المعجم الكبير: ۱۰۰۳۰، ۱۱۸۸۱

۴۲۶: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بلاشبہ اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے کہ اس کی دی ہوئی رخصتوں پر عمل کیا جائے جیسا کہ وہ معصیت والے کام ناپسند کرتا ہے۔" اسے احمد نے روایت کیا، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے، ایک روایت میں ہے "جیسا کہ وہ پسند کرتا ہے کہ اس کے فرض کردہ امور کی سرانجام دہی کی جائے۔"

لغوی تحقیق: رخصة: راء مضموم، خاء مفتوح یعنی تخفیف شدہ امور۔ عزائمة: یہ نائب فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور یہ عزیمة کی جمع ہے، نہایت ضروری احکامات یعنی فرائض وغیرہ۔

تشریح: اس روایت کی سند میں اگرچہ اختلاف پایا جاتا ہے تاہم اس روایت کو نامور ماہرین فن نے بطور حجت اختیار کیا ہے، نیز اس حدیث کی مؤید روایات حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے بھی منقول ہیں۔ ان روایات پر اگرچہ کلام ہے تاہم انہیں بطور استشہاد نقل کیا جا سکتا ہے۔

فقہی احکام: سفر میں نماز قصر کرنا افضل ہے۔

۴۲۷: وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا خَرَجَ مَسِيرَةَ ثَلَاثَةِ أَمْيَالٍ أَوْ فَرَاسِخَ, صَلَّى رَكْعَتَيْنِ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين و قصرها، باب صلاة المسافر و قصرها: ۶۹۱، ابوداود: ۱۲۰۱، ابوعوانة: ۳۴۶/۲، البيهقي: ۱۴۶/۳

۴۲۷: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب تین میل یا تین فرسخ مسافت کے برابر سفر فرماتے تو دو رکعات پڑھتے تھے

لغوی تحقیق: امیال: میل کی جمع ہے، میل کی مسافت کے بارے میں اہل علم کے مختلف اقوال ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ میل کی مقدار چھ ہزار ہاتھ کے برابر ہے، جبکہ ایک ہاتھ کی مقدار چوبیس انگشت کے عرض کے برابر ہے، ایک انگشت کی مقدار جو کے چھ دانوں کے عرض کے برابر ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ میل کی مقدار چار ہزار ہاتھ کے برابر ہے، تیسرا قول یہ ہے کہ انسان کے بارہ ہزار قدموں کے برابر ہے، چوتھے قول کے مطابق اونٹ کے ایک ہزار قدموں کے برابر ہے۔ فراسخ: یہ فرسخ کی جمع ہے، تمام اہل علم کے نزدیک ایک فرسخ تین میل پر مشتمل ہوتا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں تین میل یا تین فرسخ کا جو تذکرہ ہے وہ رحمت عالم ﷺ کی طرف سے بطور اختیار نہیں ہے، بلکہ یہ کسی راوی کے شک کی وجہ سے ہے، کہا جاتا ہے کہ یہ شک شعبہ کو لاحق ہوا ہے۔ یعنی شعبہ کو یہ شک ہے کہ اس کے شیخ یحییٰ بن یزید نے تین میل کہا یا تین فرسخ کہا؟ یہی شک اہل علم کے درمیان اختلاف کا سبب بنا، امام داؤد اور اس کے متبعین نے اسی روایت کی روشنی میں قصر کے لیے کم از کم مسافت تین میل متعین کی ہے۔ ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ آپ ﷺ جب ایک فرسخ سفر کرتے تو قصر فرماتے، یہ روایت ابوہارون العبدی کی وجہ سے ضعیف ترین ہے۔

بعض کے نزدیک ایک میل پر بھی قصر درست ہے۔ وہ اپنی تائید میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول پیش کرتے ہیں۔ اہل حدیث کے نزدیک کم از کم مسافت نو میل ہے کیونکہ زیر مطالعہ حدیث میں تین فرسخ یعنی نو میل کو اختیار کرنا احوط ہے۔

بعض کے نزدیک چوبیس میل، بعض کے نزدیک چھتیس اور بعض کے نزدیک چھیالیس اور بعض کے نزدیک اڑتالیس میل ہے۔ ان تمام اقوال کی بنیاد قیاس پر ہے کیونکہ کوئی صحیح حدیث ان کے مؤقف کی مؤید نہیں۔ اس بارے میں حافظ ابن قیم کا مؤقف نہایت مناسب

ہے،فرماتے ہیں کہ قصر نماز کے لیے کوئی مسافت متعین نہیں لہٰذا عرف عام میں جس مسافت کو سفر تصور کیا جائے اس میں نماز قصر کی جائے۔

فقہی احکام: عرف عام میں جس مسافت کو سفر تصور کیا جائے، اس میں نماز قصر کی جائے، اور اپنے شہر یا دیہات سے باہر نکلنے کے بعد جہاں بھی نماز کا وقت ہو جائے وہاں قصر کر لی جائے۔

۴۲۸: وَعَنْهُ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مِنَ الْمَدِينَةِ إِلَى مَكَّةَ، فَكَانَ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ حَتَّى رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ,وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ.

البخاری، کتاب تقصیر الصلاۃ، باب ماجاء فی التقصیر و کم یقیم حتیٰ یقصر: ۱۰۸۱، مسلم: ۶۹۳، ابوداود: ۱۲۳۳، الترمذی: ۵۴۸، النسائی: ۱۲۱/۲، ابن ماجۃ: ۱۰۷۷، احمد: ۱۹۰/۳، ابن خزیمۃ: ۹۵۶

تنبیہ: مؤلف رحمہ اللہ نے مذکورہ الفاظ کو بخاری کی طرف منسوب کیا ہے، امام بخاری یہ روایت صحیح بخاری میں دوبار لائے ہیں اور دونوں بار خرجنا مع النبی ﷺ ہے، جبکہ مؤلف رحمہ اللہ نے خرجنا مع رسول الله ﷺ کے الفاظ نقل کئے ہیں۔

۴۲۸: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی معیت میں مدینہ سے مکہ کی طرف نکلے، آپ ﷺ مدینہ واپسی تک دو دو رکعات پڑھتے رہے۔ (بخاری و مسلم) مذکورہ الفاظ بخاری کے ہیں۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ اپنے شہر، قصبہ یا بستی کی حدود سے باہر نکلنے کے بعد قصر نماز شروع کر دینی چاہیے اور یہ تسلسل اپنے شہر، قصبہ یا دیہات کی حدود میں واپسی تک جاری رہنا چاہیے۔

۴۲۹: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ أَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ تِسْعَةَ عَشَرَ يَقْصُرُ ، وَفِي لَفْظٍ ، بِمَكَّةَ تِسْعَةَ عَشَرَ يَوْمًا . رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَفِي رِوَايَةٍ لِأَبِي دَاوُدَ ، سَبْعَ عَشْرَةَ . وَفِي أُخْرَى ، خَمْسَ عَشْرَةَ.

البخاری، کتاب تقصیر الصلاۃ، باب ماجاء فی التقصیر: ۱۰۸۰، ابوداود: ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، الترمذی: ۵۴۹، ابن ماجۃ: ۱۰۷۵، البیہقی: ۱۴۹/۳، فتح الباری: ۵۶۲/۲

۴۲۹: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے انیس (دن قیام) فرمایا، اس دوران آپ ﷺ قصر فرماتے رہے، ایک روایت میں ہے کہ مکہ مکرمہ میں انیس روز قیام فرمایا۔ (بخاری) ابوداؤد کی روایت میں ہے سترہ روز، اور دوسری روایت میں ہے پندرہ روز۔

تشریح: ان روایات میں رحمت عالم ﷺ کے اس سفر کا ذکر ہے جو آپ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر فرمایا تھا، اس سفر میں آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ میں سترہ روز قیام فرمایا تھا، جن رواۃ نے انیس روز کا قیام نقل کیا ہے ان رواۃ نے اس میں مکہ میں وروداور مکہ سے خروج کے دن بھی شامل کیے ہیں اور جنہوں نے سترہ ایام نقل کیے ہیں انہوں نے وروداور خروج کے دو ایام شمار نہیں کیے، جس روایت میں پندرہ ایام کا ذکر ہے اس روایت کو اگرچہ امام نووی نے ضعیف کہا ہے تاہم وہ روایت بھی صحیح ہے کیونکہ اس روایت کے نقل کرنے میں ابن اسحاق منفرد نہیں ہے۔

البتہ اس روایت کی یہ تاویل کی جاسکتی ہے کہ راوی نے سترہ ایام والی روایت کو بنیاد بنا کر اس میں سے دخول اور خروج کے دو دن نکال دیے ہوں، مسند عبد بن حمید میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں بیس روز تک قیام فرمانے کا ذکر ہے، یہ روایت صحیح روایت کی معارض ہونے کی وجہ سے شاذ ہے۔

ان روایات کو بنیاد بنا کر یہ کہنا درست نہیں کہ پندرہ، سترہ یا انیس روز تک نماز قصر کرنا درست ہے کیونکہ یہ واقعہ حالت جنگ کا ہے، حالت جنگ میں چونکہ کوئی یقینی صورت نہیں ہوتی اس لیے حالت جنگ میں جتنے دن بھی گزر جائیں قصر ہی کی جائے گی۔

فقہی احکام: (۱) میدان جنگ میں جتنے دن بھی بسر کیے جائیں وہاں نماز قصر ہی کی جائے۔ (۲) تردد اور تذبذب کی حالت میں قصر کی مدت متعین نہیں۔ (۳) عام حالات میں اگر تین دن سے زائد قیام کا ارادہ ہو تو پھر قصر نہ کی جائے۔

۴۳۰: وَلَهُ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رضی اللہ عنہ، ثَمَانِيَ عَشْرَةَ.

ابو داود، کتاب الصلاة، باب متی یتم المسافر: ۱۲۲۹، الترمذی: ۵۴۵، ابن ابی شیبة: ۳۴۰/۲، البیهقی: ۱۵۱/۳، نصب الراية: ۱۸۴/۲

۴۳۰: ابوداؤد میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے (مکہ میں) اٹھارہ (راتیں) قیام فرمایا۔

تشریح: اس روایت کی اگرچہ امام ترمذی نے تحسین فرمائی ہے تاہم یہ روایت علی بن زید بن جدعان کی وجہ سے ضعیف ہے۔ اگر کسی اور طریق سے اس روایت کا حسن یا صحیح ہونا ثابت ہو جائے تو اس کی یہ تاویل کی جائے گی کہ راوی نے راتوں کو شمار کیا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ آپ ﷺ نے فتح مکہ کے سال مکہ مکرمہ میں اٹھارہ راتیں قیام فرمایا تھا، جن حضرات نے قیام کی مدت سترہ یا انیس ایام بتائی ہے انہوں نے دنوں کا اعتبار کیا ہے۔

۴۳۱: وَلَهُ عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ أَقَامَ بِتَبُوكَ عِشْرِينَ يَوْمًا يَقْصُرُ الصَّلَاةَ، وَرُوَاتُهُ ثِقَاتٌ, إِلَّا أَنَّهُ اخْتُلِفَ فِي وَصْلِهِ.

ابو داود، ابواب الصلاة، باب اذا قام بارض العدو يقصر: ۱۲۳۵، مسند احمد: ۲۹۵/۳، ابن حبان: ۲۷۴۹، البیهقی: ۱۵۲/۳، العلل الكبير للترمذی: ۲۹۲/۱، ابن ابی شیبة: ۳۴۲/۲، المجموع: ۳۶۱/۴، التلخيص الحبير: ۴۵/۲

۴۳۱: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے تبوک کے مقام پر بیس روز تک قیام فرمایا، اس دوران آپ ﷺ قصر فرماتے رہے۔ اس روایت کے جملہ رواۃ ثقہ ہیں، تاہم اس کے موصول ہونے میں اختلاف ہے۔

تشریح: امام ابوداؤد، امام احمد، امام ترمذی، امام ابن حبان اور امام بیہقی نے یہ روایت معمر بن راشد کے طریق سے موصولاً نقل کی ہے، جبکہ امام ابن ابی شیبہ وغیرہ نے علی بن مبارک کے طریق سے مرسل نقل کی ہے۔

امام ابوداؤد اور امام بیہقی نے یہ کہہ کر مرسل طریق کو راجح قرار دیا ہے کہ اس روایت کو موصولاً فقط معمر بن راشد نے بیان کیا ہے، امام نووی نے معمر کے تفرد کو تسلیم کرنے کے باوجود معمر کے طریق کو راجح قرار دیا ہے اور اس کے راجح ہونے کے دو اسباب بیان کیے ہیں۔

(۱) معمر جلیل القدر امام ہیں۔ (۲) جب کسی روایت کی مرسل یا مسند ہونے میں اختلاف پایا جائے تو مسند کو ترجیح ہوگی۔ کیونکہ ثقہ راوی کی زیادت مقبول ہوتی ہے۔ علامہ ناصر الدین البانی نے بھی مرفوع طریق کو صحیح قرار دیا ہے۔

راقم کے نزدیک ان محدثین کا موقف اقرب الی الصواب ہے، جنہوں نے مرسل طریق کو راجح قرار دیا ہے ترجیح کے اسباب درج ذیل ہیں۔

(۱) یحییٰ بن ابی کثیر سے مروی روایات میں علی بن مبارک کو معمر بن راشد پر برتری حاصل ہے۔ (۲) امام ابوحاتم فرماتے ہیں کہ وہ روایات جو معمر اپنے بصری شیوخ سے نقل کرتے ہیں، ان میں وہ اغالیط کا شکار ہوئے ہیں، یحییٰ بن ابی کثیر بصری ہیں۔ (۳) امام نووی کا یہ فرمان کہ جب مرسل اور مسند میں تعارض پایا جائے تو ہر حال میں مسند کو ترجیح ہوگی، یہ اصول ماہرین فن کے نزدیک مسلم نہیں۔

۴۳۲: وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ كَانَ رَسُولُ اَللّٰهِ ﷺ إِذَا ارْتَحَلَ قَبْلَ أَنْ تَزِيغَ اَلشَّمْسُ أَخَّرَ اَلظُّهْرَ إِلَى وَقْتِ اَلْعَصْرِ ,ثُمَّ نَزَلَ فَجَمَعَ بَيْنَهُمَا ,فَإِنْ زَاغَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ أَنْ يَرْتَحِلَ صَلَّى اَلظُّهْرَ ,ثُمَّ رَكِبَ . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةِ اَلْحَاكِمِ فِي اَلْأَرْبَعِينَ بِإِسْنَادِ اَلصَّحِيحِ ، صَلَّى اَلظُّهْرَ وَالْعَصْرَ ,ثُمَّ رَكِبَ . وَلِأَبِي نُعَيْمٍ فِي مُسْتَخْرَجِ مُسْلِمٍ ، كَانَ إِذَا كَانَ فِي سَفَرٍ ,فَزَالَتِ الشَّمْسُ صَلَّى اَلظُّهْرَ وَالْعَصْرَ جَمِيعًا ,ثُمَّ ارْتَحَلَ.

البخاری، کتاب تقصیر الصلاۃ، باب یؤخر الظھر الی العصر اذا ارتحل قبل ان تزیغ الشمس: ۱۱۱۱ ، ۱۱۱۲ ، مسلم: ۷۰۴، ابوداود: ۱۲۱۸ ، النسائی: ۲۸۴/۱ ، مستخرج علی مسلم: ۲۹۴/۲ ، مجمع الزوائد: ۱۶۲/۲

۴۳۲: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب زوال آفتاب سے قبل سفر کا آغاز فرماتے تو ظہر کو عصر تک مؤخر فرماتے، پھر پڑاؤ ڈالتے اور دونوں نمازیں اکٹھی کر کے پڑھتے ، اور اگر زوال آفتاب کے بعد سفر کا آغاز فرماتے تو پھر ظہر پڑھ کر سوار ہوتے۔(بخاری ومسلم)امام حاکم کی **اربعین** میں صحیح سند سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ پڑھی پھر آپ ﷺ سفر کے لیے سوار ہوئے۔امام ابونعیم کی (**مستخرج علی مسلم**) میں ہے کہ جب آپ ﷺ سفر میں ہوتے ،اگر اس دوران سورج ڈھل جاتا تو آپ ﷺ ظہر اور عصر اکٹھی پڑھ لیتے ، پھر دوبارہ سفر کا آغاز فرماتے۔

لغوی تحقیق: **ارتحل**:ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف کوچ کرنا۔ **تزیغ**:مائل ہونا یعنی سورج کا نصف النہار کے وقت مغرب کی طرف مائل ہونا۔

تشریح: مؤلف رحمہ اللہ نے تین روایات نقل کی ہیں پہلی روایت میں جمع صوری کا ذکر ہے جبکہ دوسری دونوں روایات میں جمع حقیقی کا ذکر ہے۔مؤلف رحمہ اللہ نے مؤخر الذکر دونوں روایات میں سے پہلی روایت کو بلوغ المرام میں جبکہ دوسری روایت کو تلخیص میں صحیح قرار دیا ہے،امام طبرانی نے **المعجم الاوسط** میں اپنی سند سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے جمع صوری اور جمع حقیقی دونوں صورتیں نقل کی ہیں یہ روایت اگرچہ سند کے اعتبار سے صحیح نہیں تاہم اسے بطور استشہاد اختیار کیا جاسکتا ہے۔

فقہی احکام: ظہر وعصر اور مغرب وعشا کو جمع کر کے پڑھا جاسکتا ہے۔خواہ جمع کی صورت حقیقی ہو یا صوری۔

۴۳۳:وَعَنْ مُعَاذٍ رضی اللہ عنہ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ النبی ﷺ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ، فَكَانَ يُصَلِّي اَلظُّهْرَ وَالْعَصْرَ جَمِيعًا ,وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ جَمِيعًا.رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین و قصرھا، باب الجمع بین الصلاتین فی الحضر: ۷۰۶، ابوداود: ۱۲۰۶ ، ۱۲۲۰ ، الترمذی: ۵۵۴ ، احمد: ۲۴۱/۵ ، ۳۶۸/۱، البیہقی: ۱۶۳/۳ ، المطالب العالیۃ: ۷۵۵

تنبیہ: بلوغ المرام کے مطبوعہ نسخوں میں؛مع النبی ﷺ ؛ ہے، جبکہ صحیح مسلم کے مطبوعہ نسخہ میں؛مع رسول اللہ ﷺ؛ ہے۔

۴۳۳:حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ تبوک کے لیے نکلے،اس (سفر میں) آپ ﷺ ظہر اور عصر، مغرب اور عشاء کو جمع کر کے پڑھتے تھے۔

تشریح: اس روایت میں اگرچہ جمع صوری یا حقیقی کا ذکر نہیں البتہ یہی روایت ابوداؤد، ترمذی،مسند احمد اور بیہقی میں بھی مذکور ہے اس میں یہ صراحت ہے کہ آپ ﷺ جب زوال آفتاب سے قبل سفر فرماتے تھے تو جمع صوری فرماتے لیکن جب زوال آفتاب کے بعد سفر فرماتے تھے تو جمع حقیقی فرماتے ۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ آپ

ﷺ جب زوال آفتاب کے بعد سفر کا آغاز فرماتے تو ظہر اور عصر کو ایک ساتھ پڑھ لیتے اور جب زوال آفتاب سے قبل سفر کا آغاز فرماتے تو پھر ظہر کو عصر کے وقت تک مؤخر فرماتے، پھر دونوں نمازیں ایک ساتھ پڑھ لیتے۔ یہ روایت اگرچہ حسین بن عبداللہ کی وجہ سے ضعیف ہے، لیکن بطور استشہاد نقل کی جاسکتی ہے، ان کی تائید ھزیل بن شرحبیل سے مروی مرسل روایت سے بھی ہوتی ہے۔

۴۳۴: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ "لَا تَقْصُرُوا الصَّلَاةَ فِي أَقَلَّ مِنْ أَرْبَعَةِ بُرُدٍ مِنْ مَكَّةَ إِلَى عُسْفَانَ" رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ مَوْقُوفٌ، كَذَا أَخْرَجَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ.

الدارقطني: ۱/۳۸۷، البيهقي: ۱۳۷/۳، التلخيص الحبير: ۴۶/۲، معرفة السنن و الآثار: ۴۲۱/۲، المجموع: ۳۲۸/۴

۴۳۴: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا: "چار برد سے کم فاصلہ پر قصر نہ کرو، مکہ سے عسفان تک چار برد کا فاصلہ ہے۔" اسے دارقطنی نے ضعیف سند سے روایت کیا ہے اور صحیح یہی ہے کہ یہ روایت موقوف ہے، ابن خزیمہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔

لغوی تحقیق: برد: باء اور راء دونوں مضموم ہیں اور برید کی جمع ہے، ایک برد میں بارہ میل ہوتے ہیں

تشریح: یہ روایت سخت ضعیف ہے، اس کے سخت ضعیف ہونے کے درج ذیل اسباب ہیں۔

(۱) امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اسماعیل بن عیاش کی مرویات کو بطور حجت نہیں لیا جاسکتا ہے۔

(۲) خاص کر اسماعیل کی وہ روایات جو وہ مشائخ حجاز سے نقل کرتے ہیں اس میں ہے وہ ضعیف ہے۔

(۳) عبدالوھاب کا اپنے والد سے سماع ثابت نہیں اس لیے یہ روایت منقطع بھی ہے۔

۴۳۵: وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ " خَيْرُ أُمَّتِي الَّذِينَ إِذَا أَسَائُوا اِسْتَغْفَرُوا ,وَإِذَا سَافَرُوا قَصَرُوا وَأَفْطَرُوا " أَخْرَجَهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ وَهُوَ فِي مُرْسَلِ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عِنْدَ الْبَيْهَقِيِّ مُخْتَصَرًا.

المعجم الاوسط: ۲۸۶/۷، (۶۵۵۴)، مسند شافعي: ۵۱۲، الام: ۱۷۹/۱، مصنف عبدالرزاق: ۴۴۸۰، معرفة السنن و الآثار: ۱۵۹۴

تنبیہ: (۱) طبرانی کی اس روایت میں "اذا احسنوا استبشروا" کے الفاظ بھی ہیں۔ (۲) مؤلف رحمہ اللہ نے مرسل سعید بن مسیّب کو بیہقی کی طرف منسوب کیا ہے، یہ روایت بیہقی کی السنن الکبری میں تو نہیں لیکن ان کی معرفة السنن و الآثار میں ہے۔

۴۳۵: حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میری اُمت کے بہترین لوگ وہ ہیں کہ جب برائیاں کرتے ہیں تو استغفار کرتے ہیں اور جب سفر کرتے ہیں تو نماز قصر کرتے ہیں اور روزے نہیں رکھتے۔" اس حدیث کو امام طبرانی نے الاوسط میں ضعیف سند سے نقل کیا ہے، امام بیہقی نے اسے مراسیل سعید بن مسیّب میں مختصر نقل کیا ہے۔

تشریح: امام طبرانی نے اس روایت کو عبداللہ بن یحییٰ کے طریق سے نقل کیا ہے، امام صاحب اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ابوزبیر سے یہ حدیث فقط ابن لھیعہ نے بیان کی ہے جبکہ ابن لھیعة سے فقط عبداللہ بن یحییٰ نے بیان کی ہے۔ مؤلف رحمہ اللہ نے اس روایت کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔ یہ روایت تین علتوں کی وجہ سے ضعیف ہے۔

(۱) عبداللہ بن یحییٰ کا نسب اور نام اگرچہ معروف ہے مگر وہ مجهول الحال ہے۔

(۲) عبداللہ بن لھیعة ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ مدلس بھی ہے اور روایت معنعن ہے۔

(۳)ابوزبیر مدلس ہے، اس نے بھی یہ روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے معنعن نقل کی ہے۔

اس روایت کو سعید بن مسیّب نے مرسل نقل کیا ہے، یہ سند بھی ضعیف ہے کیونکہ اس میں امام شافعی کا شیخ ابراہیم بن محمد متروک ہے۔

۴۳۶: وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رضی اللہ عنہما قَالَ كَانَتْ بِي بَوَاسِيرُ ,فَسَأَلْتُ اَلنَّبِيَّ ﷺ عَنِ اَلصَّلَاةِ؟ فَقَالَ "صَلِّ قَائِمًا ,فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا ,فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَعَلَى جَنْبٍ" رَوَاهُ اَلْبُخَارِيُّ.

البخاری، کتاب تقصیر الصلاة، باب اذا لم يطق قاعداً صلى على جنب: ۱۱۱۷، ابوداود: ۹۵۲، الترمذی: ۳۷۲، ابن ماجة: ۱۲۲۳، احمد: ۴/۴۲۶، البیهقی: ۲/۳۰۴

۴۳۶: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ مجھے بواسیر کا مرض تھا، میں نے نبی مکرم ﷺ سے نماز پڑھنے کے بارے میں دریافت کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: "نماز کھڑے ہوکر پڑھو، اگر تم کھڑے ہوکر پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتے تو پھر بیٹھ کر پڑھ لو، اگر اس پر بھی قادر نہ ہوتو پھر پہلو کے بل لیٹ کر پڑھ لو۔" (بخاری)

تشریح: اس بارے میں اہل علم میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ جب آدمی بیٹھ کر نماز پڑھے تو وہ قیام کی نیابت کس حالت میں بیٹھ کر کرے۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ اس طرح بیٹھے جس طرح تشہد وغیرہ میں بیٹھا جاتا ہے۔ جبکہ دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ چار زانو ہوکر بیٹھے۔ (تفصیل حدیث عائشہ رقم: ۴۳۸ کے ضمن میں آئے گی)

فقہی احکام: بواسیر میں مبتلا شخص اگر یہ خیال کرکے بیٹھ کر نماز پڑھے کہ اس طرح اسے کچھ افاقہ ہے تو وہ بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے۔

۴۳۷: وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ عَادَ اَلنَّبِيُّ ﷺ مَرِيضًا ,فَرَآهُ يُصَلِّي عَلَى وِسَادَةٍ ,فَرَمَى بِهَا ,وَقَالَ "صَلِّ عَلَى اَلْأَرْضِ إِنْ اِسْتَطَعْتَ ,وَإِلَّا فَأَوْمِ إِيمَاءً ,وَاجْعَلْ سُجُودَكَ أَخْفَضَ مِنْ رُكُوعِكَ" رَوَاهُ اَلْبَيْهَقِيُّ .وَصَحَّحَ أَبُو حَاتِمٍ وَقْفَهُ.

البیهقی: ۲/۳۰۶ (۳۶۷۹)، علل الحدیث لابن ابی حاتم: ۳۰۷

۴۳۷: حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی مکرم ﷺ نے ایک مریض کی تیمارداری فرمائی اس دوران آپ ﷺ نے اسے تکیہ پر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو آپ ﷺ نے وہ تکیہ پھینک دیا اور فرمایا: "اگر طاقت رکھتے ہو تو زمین پر نماز پڑھو بصورت دیگر اشارے سے کام لو، سجدہ کے لیے رکوع سے کچھ زیادہ جھکو۔" اسے بیہقی نے روایت کیا اور ابوحاتم نے اس کے موقوف ہونے کو صحیح کہا ہے۔

لغوی تحقیق: عاد: یہ عیادت سے ماخوذ ہے یعنی تیمارداری فرمائی۔ وسادۃ: تکیہ

تشریح: یہ حدیث اور اس سے متعلق تشریح پہلے گزر چکی ہے۔

۴۳۸: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ رَأَيْتُ اَلنَّبِيَّ ﷺ يُصَلِّي مُتَرَبِّعًا. رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَصَحَّحَهُ اَلْحَاكِمُ.

النسائی، کتاب قیام اللیل، باب کیف صلاة القاعد: ۱۶۶۲، ابن خزیمة: ۲/۲۳۶، الحاکم: ۱/۲۵۸، البیهقی: ۲/۳۰۵، معرفة السنن والآثار: ۲/۱۴۱، ۱۴۲، البخاری: ۸۲۷، میزان الاعتدال: ۲/۳۳۲

۴۳۸: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے نبی مکرم ﷺ کو چار زانو ہوکر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ اسے نسائی نے روایت کیا ہے اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔

لغوی تحقیق: متربعا: دائیں پاؤں کو بائیں ران کے نیچے اور بائیں پاؤں کو دائیں ران کے نیچے رکھ کر بیٹھنا

تشریح: یہ حدیث ان حضرات کی دلیل ہے جن کا یہ کہنا ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے کی صورت میں قیام کی نیابت حالت تربع میں ہونی

چاہیے۔اس حدیث سے ان کا استدلال کئی اعتبار سے درست نہیں۔

(۱)اس حدیث میں یہ صراحت نہیں کہ آپ چارزانو حالت قیام میں بیٹھے تھے،البتہ امام بیہقی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کا یہ قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا،نماز میں چارزانو بیٹھنے سے یہ بہتر ہے کہ میں گرم پتھر پر بیٹھ جاؤں پھر انہوں نے مذکورہ حدیث اور اس اثر کے مابین تعارض کو دور کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ عبداللہ بن مسعود نے دیگر مقامات پر اس طرح بیٹھنے کو ناپسند فرمایا ہو۔

(۲)اس حدیث کو امام نسائی نے ابوداؤد حفری کی خطا قرار دیا ہے۔

(۳)اس روایت کا مرکزی راوی حفص بن غیاث ہے۔یعقوب بن شیبہ اور محمد بن عمار نے اس کے حافظہ پر کلام کیا ہے،جبکہ داؤد بن رشید نے اسے کثیر الغلط کہا ہے۔

(۴)صحیح بخاری میں ہے کہ عبداللہ بن عبداللہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو نماز میں چارزانو بیٹھے دیکھ کر خود بھی اس طرح بیٹھ کر نماز پڑھنا شروع کردی،حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے اسے یہ کہہ کر منع کردیا کہ نماز میں بیٹھنے کا سنت طریقہ یہ ہے کہ آپ اپنے دائیں پاؤں کو کھڑا کریں اور بائیں پاؤں کو بچھائیں،وہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا،آپ بھی تو ایسے ہی بیٹھتے ہیں،اس پر انہوں نے فرمایا،میرا پاؤں میرا وزن برداشت نہیں کرتا۔

فقہی احکام: اگر پاؤں وزن برداشت نہ کرے تو پھر نماز میں چارزانو بیٹھنا جائز ہے۔

۱۲۔ بَابُ صَلَاةِ الْجُمُعَةِ — جمعہ کی نماز کا بیان

۴۳۹: عَنْ عَبْدِ اَللَّهِ بْنِ عُمَرَ ,وَأَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہم أَنَّهُمَا سَمِعَا رَسُولَ اَللَّهِ ﷺ يَقُولُ عَلَى أَعْوَادِ مِنْبَرِهِ "لَيَنْتَهِيَنَّ أَقْوَامٌ عَنْ وَدْعِهِمُ اَلْجُمُعَاتِ ,أَوْ لَيَخْتِمَنَّ اَللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ ,ثُمَّ لَيَكُونُنَّ مِنَ اَلْغَافِلِينَ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، كتاب الجمعة، باب التغليظ فى ترك الجمعة: ۸۶۵،النسائى: ۸۸/۳،ابوداود: ۱۰۵۲،ابن ماجة: ۱۱۲۶،الترمذى: ۵۰۴

احمد: ۴۲۴/۳، ابن خزيمة: ۱۷۶/۳، ابن حبان: ۲۵۸

۴۳۹: حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر کے زینوں پر یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "لوگ جمعہ چھوڑنے سے باز آجائیں بصورت دیگر اللہ ان کے دلوں پر مہر لگادے گا، پھر وہ یقیناً غافل لوگوں میں شمار ہوں گے" مسلم

لغوی تحقیق: جمعة: جیم اور میم مضموم،میم کو مفتوح اور ساکن پڑھنا بھی درست ہے،لیکن فصیح قرأت مضموم ہی ہے۔اعواد: عود کی جمع ہے،لکڑی یعنی منبر کے زینے۔لینتهين: نون تاکید ثقیلہ،ضرور باز آجائیں گے۔ودع: ترک کرنا،چھوڑنا۔

تشریح: نماز جمعہ فرض ہے،اسے بغیر شرعی عذر ترک کرنے سے دل پر سیاہی کا آغاز ہوجاتا ہے اور حضرت جابر اور حضرت ابوالجعد ضمری رضی اللہ عنہما سے مروی احادیث میں ہے کہ تین جمعات ترک کرنے کی وجہ سے دل پر مہر نفاق لگادی جاتی ہے۔

۴۴۰: وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ اَلْأَكْوَعِ رضی اللہ عنہ قَالَ كُنَّا نُصَلِّي مَعَ رَسُولِ اَللَّهِ ﷺ اَلْجُمُعَةَ ,ثُمَّ نَنْصَرِفُ وَلَيْسَ لِلْحِيطَانِ ظِلٌّ نَسْتَظِلُّ بِهِ .مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ وَفِي لَفْظٍ لِمُسْلِمٍ ، كُنَّا نُجَمِّعُ مَعَهُ إِذَا زَالَتِ اَلشَّمْسُ ثُمَّ نَرْجِعُ نَتَتَبَّعُ اَلْفَيْءَ

مسلم، كتاب الجمعة، باب صلاة الجمعة حين تزول الشمس: ۸۶۰، البخارى: ۴۱۶۸، ابوداود: ۱۰۸۵، النسائى: ۱۰۰/۳،

الدارمى: ۱۵۵۴، احمد: ۴۶/۴، البيهقى: ۱۹۰/۳، ابن ماجة: ۱۱۰۰

۴۴۰: حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز جمعہ پڑھتے ، پھر جب ہم گھروں کو واپس لوٹتے تو دیواروں کا سایہ اس وقت اتنا نہیں ہوتا تھا کہ ہم ان سے سایہ حاصل کرسکیں۔ (بخاری ومسلم) صحیح مسلم میں ہے کہ ہم زوال کے آغاز پر ہی نماز جمعہ ادا کر لیتے پھر ہم واپس ہوتے تو سایہ ڈھونڈتے۔

لغوی تحقیق: **الحیطان:** حائط کی جمع ہے یعنی دیواریں۔ **ظل:** ظاء مکسور اور لام مشدد، سایہ۔ **نستظل:** ہم سایہ تلاش کرتے۔ **نجمع:** نون مضموم، جیم مفتوح اور میم مشدد مکسور، ہم نماز جمعہ ادا کرتے۔ **نتتبع:** نون اور تائین مفتوح، باء مشدد مفتوح از باب تفعل، ہم تلاش کرتے تھے۔

تشریح: اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ جمعہ کے خطبہ کا آغاز زوال آفتاب سے پہلے ہوسکتا ہے، لیکن جمعہ کی جماعت زوال آفتاب کے بعد ہونی چاہیے نیز اس سے یہ واضح ہوا کہ آپ ﷺ نماز جمعہ جلدی پڑھ لیا کرتے تھے۔

فقہی احکام: جمعہ کی نماز دیر سے پڑھنا غیر مسنون ہے۔

۴۴۱: **وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رضی اللہ عنہ قَـالَ مَا كُنَّا نَقِيلُ وَلَا نَتَغَدَّى إِلَّا بَعْدَ اَلْجُمُعَةِ . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ,وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ وَفِي رِوَايَةٍ ، فِي عَهْدِ رَسُولِ اَللَّهِ ﷺ.**

البخاری، کتاب الجمعة، باب قول الله ......: ۹۳۹، مسلم: ۸۵۹، ابو داود: ۱۰۸۶، الترمذی: ۵۲۵، ابن ماجة: ۱۰۹۹، احمد: ۳۳۶/۵

تنبیہ: مؤلف رحمہ اللہ نے حدیث کے متن کو مسلم کی طرف منسوب کیا ہے، جبکہ بخاری میں بھی یہی متن ہے۔

۴۴۱: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم جمعہ کے بعد ہی قیلولہ کرتے اور کھانا کھاتے تھے۔ (بخاری ومسلم) مذکورہ الفاظ مسلم کے ہیں، ایک روایت میں ہے کہ وہ ایسا عہد رسالت مآب میں کیا کرتے تھے۔

لغوی تحقیق: **نقیل:** ہم قیلولہ کرتے تھے یعنی دوپہر کے وقت تھوڑا آرام کرتے تھے۔ **نتغدی:** ہم دوپہر کا کھانا کھاتے تھے۔

فقہی احکام: (۱) نماز جمعہ کی ادائیگی میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔ (۲) قیلولہ اور دوپہر کا کھانا نماز جمعہ سے فارغ ہوکر کھانا مسنون ہے۔

۴۴۲: **وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ اَلنَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَخْطُبُ قَائِمًا ,فَجَائَتْ عِيرٌ مِنَ اَلشَّامِ ,فَانْفَتَلَ اَلنَّاسُ إِلَيْهَا ,حَتَّى لَمْ يَبْقَ إِلَّا اثْنَا عَشَرَ رَجُلًا. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.**

البخاری، کتاب الجمعة، باب اذا نفر الناس عن الامام......: ۹۳۶، مسلم: ۸۶۳، الترمذی: ۳۳۱۱، ابن خزیمة: ۱۸۲۳، البیهقی: ۱۹۷/۳، التلخیص: ۱۲۲ ۔ ۱۲۶، کتاب الضعفاء الکبیر للعقیلی: ۲۴/۱، فتح الباری: ۴۲۴/۲، الدارقطنی: ۴/۲ ۔ ۸، الکامل لابن عدی: ۱۳۵/۲، الاحکام الوسطی: ۱۰۴/۲

تنبیہ: مؤلف رحمہ اللہ نے اس حدیث کو فقط مسلم کی طرف منسوب کیا ہے جبکہ یہ حدیث بخاری میں بھی مذکور ہے۔

۴۴۲: حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی مکرم ﷺ کھڑے ہوکر خطبہ ارشاد فرمارہے تھے، اس دوران شام سے ایک تجارتی قافلہ آ گیا، بارہ افراد کے علاوہ باقی سب لوگ خطبہ چھوڑ کر اس قافلے کی طرف چلے گئے۔ (مسلم)

لغوی تحقیق: **عیر:** عین مکسور، یاء ساکن، تجارتی قافلہ۔ **انفتل:** اس کی طرف پھر گیا۔

تشریح: یہ روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے متعدد طرق سے منقول ہے، امام دارقطنی نے یہ روایت ان سے علی بن عاصم کے طریق سے

نقل کی ہے، اس میں ہے کہ چالیس افراد کے سوا باقی سب چلے گئے اور میں بھی ان چالیس افراد میں شامل تھا۔ حصین بن عبدالرحمٰن کے تلامذہ میں سے فقط علی بن عاصم ہی نے چالیس کی تعداد کا ذکر کی ہے، جبکہ دیگر نے بارہ کی تعداد ذکر کی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے **تلخیص** میں اس روایت کو ضعیف قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ علی بن عاصم نے اس روایت کے بیان کرنے میں حصین کے دیگر تلامذہ کی مخالفت کی ہے۔ امام علی بن مدینی نے علی بن عاصم کو کثیر الغلط قرار دیا ہے۔

امام مسلم نے ھشیم کے طریق سے جو روایت نقل کی ہے، اس میں یہ صراحت ہے کہ مسجد میں موجود رہنے والے ان بارہ افراد میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے۔ خالد کے طریق سے مروی روایت میں ہے کہ ان بارہ افراد میں جابر بھی موجود تھے۔

امام عقیلی نے ابومنذر کے طریق سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے جو روایت نقل کی ہے اس میں بھی بارہ افراد کا ذکر ہے اور ان بارہ افراد کی تفصیل اس طرح ہے۔ ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد، سعید بن زید، عبدالرحمٰن بن عوف، بلال، ابن مسعود اور ابوعبیدہ بن جراح یا عمار بن یاسر تھے اور امام سہیلی نے اس روایت کی سند کو منقطع اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے متصل قرار دیا ہے۔ اس روایت کو اگر صحیح تسلیم کر لیں تب بھی یہ روایت درست نہیں کیونکہ اس روایت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے بغیر بارہ افراد کا ذکر ہے جبکہ صحیح مسلم میں ہے کہ ان بارہ افراد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ لہٰذا مسلم میں مروی روایت کے معارض ہونے کی وجہ سے یہ روایت مردود ہے۔

مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر طبری اور تفسیر ابن ابی حاتم کے حوالے سے ابوقتادہ کے طریق سے نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: "تم کتنے افراد ہو؟" انہوں نے شمار کیا تو بارہ مرد اور ایک عورت تھی۔

کم از کم کتنے افراد پر جمعہ فرض ہے؟ اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے **فتح الباری** میں اس بارے میں پندرہ اقوال نقل کیے ہیں، احناف کے نزدیک جمعہ کی فرضیت کے لیے شرط اول مصر جامع ہے۔ پھر تفصیل میں قدر اختلاف ہے، صاحبین کے نزدیک اگر امام سمیت تین افراد ہوں تو ان پر جمعہ فرض ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک امام سمیت اگر چار افراد ہوں تو ان پر جمعہ فرض ہے۔

شوافع کے نزدیک کم از کم چالیس افراد ہوں تو جمعہ فرض ہے، بعض کے نزدیک بارہ افراد پر جمعہ فرض ہے۔ امام احمد کے نزدیک کم از کم پچاس افراد پر جمعہ فرض ہے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں صحیح سند سے کچھ منقول نہیں۔

امام دارقطنی اور امام بیہقی نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے جو مرفوع روایت نقل کی ہے اس میں اگرچہ یہ صراحت ہے کہ جمعہ اور عیدین کے لیے کم از کم چالیس افراد کا ہونا ضروری ہے، تاہم وہ روایت سخت ترین ضعیف ہے، بلکہ موضوع کے قریب تر ہے۔

اس طرح امام ابوحنیفہ کے قول کے موافق بھی ایک مرفوع روایت موجود ہے مگر وہ بھی سخت ترین ضعیف ہے۔ جبکہ دوسری روایت موضوع کے قریب تر ہے۔ امام احمد کے قول کی بنیاد جس مرفوع روایت پر ہے وہ بھی سخت ترین ضعیف ہے، حافظ عبدالحق اشبیلی نے احکام الوسطیٰ میں لکھا ہے کہ اس سلسلے میں کوئی بھی عدد ثابت نہیں۔

فقہی احکام: (۱) جمعہ کا خطبہ کھڑے ہو کر دینا چاہیے۔ (۲) بغیر کسی شرعی عذر کے خطبہ چھوڑ کر جانا درست نہیں۔ (۳) جمعہ کے لیے کم از کم افراد کا تعین ثابت نہیں۔

۴۴۳: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ، قَالَ رَسُولُ اَللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم "مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنْ صَلَاةِ اَلْجُمُعَةِ وَغَيْرِهَا فَلْيُضِفْ إِلَيْهَا أُخْرَى ,وَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُهُ" رَوَاهُ النَّسَائِيُّ ,وَابْنُ مَاجَهْ ,وَاَلدَّارَقُطْنِيُّ ,وَاللَّفْظُ لَهُ ,وَإِسْنَادُهُ صَحِيحٌ ,لَكِنْ قَوَّى أَبُو

حَاتِمٍ إِرْسَالَهُ.

الدارقطني، كتاب الجمعة، باب فيمن يدرک من الجمعة رکعة اولم يدرکها: ۲/ ۱۰ ۔ ۱۲، النسائي: ۱۴۲۶ ۱۴۲۶، ابن ماجة: ۱۱۲۳، التلخيص: ۲/ ۵۸، البخاري: ۵۸۰، مسلم: ۱/ ۴۲۳، عبدالرزاق: ۳/ ۲۳۴ ۔ ۲۳۶، الطبراني: ۹/ ۳۰۸، المعجم الاوسط: ۴۲۰۰، البيهقي: ۵۸۳۱، ابن ابي شيبة: ۲/ ۱۲۸

۴۴۳: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس شخص نے جمعہ اور دیگر نمازوں میں سے کسی ایک کی ایک رکعت جماعت کے ساتھ پالی وہ دوسری رکعت اس کے ساتھ ملا لے، اس کی نماز مکمل ہو جائے گی۔" اس روایت کو نسائی، ابن ماجہ اور دارقطنی نے بیان کیا ہے، مذکورہ الفاظ دارقطنی کے ہیں، لیکن ابو حاتم نے اس روایت کے مرسل ہونے کو قوی کہا ہے۔

تشریح: امام نسائی، امام ابن ماجہ اور امام دارقطنی نے یہ روایت بقیہ بن ولید کے طریق سے نقل کی ہے۔ بقیہ اگرچہ ثقہ راوی ہے لیکن وہ تدلیس تسویہ کا ارتکاب کرتا ہے، جس روایت کی سند میں اس قسم کی تدلیس کرنے والا راوی پایا جائے اس روایت کی سند میں اس قسم کے راوی کے اوپر والے تمام واسطوں میں سماع یا تحدیث کی صراحت ضروری ہے، زیر مطالعہ روایت کی سند میں ایسا نہیں ہے، جیسا کہ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ **تلخیص** میں فرماتے ہیں، اگر یہ روایت بقیہ کے وہم سے محفوظ ہے تو بھی اس میں تدلیس تسویہ کی وجہ سے یہ علت موجود ہے، کیونکہ اس کے شیخ نے اپنے شیخ سے معنعن روایت نقل کی ہے۔

اس روایت میں دوسری علت یہ ہے کہ یہ روایت بقیہ کا شیخ یونس بن یزید امام زہری سے نقل کرتا ہے، امام احمد فرماتے ہیں کہ زہری سے اس کی مرویات منکر ہیں۔

امام طبرانی نے **الصغیر** میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: "جس نے جمعہ کی ایک رکعت پالی اس نے جمعہ پالیا۔" امام طبرانی نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یحییٰ بن سعید سے یہ روایت فقط عبدالعزیز ہی نے نقل کی ہے، امام طبرانی کا یہ بیان درست نہیں کیونکہ یحییٰ بن سعید سے یہ روایت عبداللہ بن عمر اور ابراہیم بن عطیہ نے بھی مرفوع ہی نقل کی ہے، البتہ یحییٰ القطان، زہیر بن معاویہ اور ہشیم نے موقوف نقل کی ہے۔ ابراہیم بن عطیہ چونکہ منکر الحدیث ہے اس لیے اس کی متابعت مفید نہیں، لہٰذا اصول حدیث کی روشنی میں اس روایت کا موقوف ہونا ہی راجح ہے۔

اس کی مؤید روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے، مگر اس میں لفظ جمعہ کی موجودگی شاذ ہے، کیونکہ امام بخاری نے امام مالک کے طریق سے جو حدیث نقل کی ہے اس میں لفظ جمعہ موجود نہیں۔

امام حاکم اور امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کو ایک دوسرے طریق سے نقل کیا ہے، اس میں لفظ جمعہ موجود ہے مگر وہ روایت فضل بن محمد اور یحییٰ بن ایوب کی وجہ سے ضعیف ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ فقط جمعہ کی موجودگی کے بغیر یہ حدیث صحیح سند سے ثابت ہے، ظاہر ہے کہ اس عموم میں جمعہ بھی شامل ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ جو شخص جمعہ کی ایک رکعت بھی امام کے ساتھ پالے اس نے جمعہ کا ثواب پالیا، اب رہا یہ مسئلہ کہ جو شخص امام کے ساتھ ایک رکعت بھی نہ پائے، اس کے لیے کیا حکم ہے؟ آیا وہ بھی دو رکعات ہی پڑھے یا چار رکعات پڑھے؟ اس بارے میں اہل علم میں اختلاف پایا جاتا ہے، اہل علم کے ایک گروہ کا کہنا ہے کہ تب بھی وہ دو رکعات ہی پڑھے گا کیونکہ نماز جمعہ ایک مستقل نماز ہے اور یہ دو رکعات ہی فرض ہیں، جبکہ دوسرے گروہ کا کہنا ہے کہ یہ ظہر کے قائم مقام ہے، اگر دونوں رکعات فوت ہو جائیں تو پھر چار رکعات پڑھی جائیں، یہ حضرات

درج ذیل روایات کو بطور دلیل نقل کرتے ہیں۔

(۱) امام دارقطنی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس شخص نے جمعہ کی ایک رکعت پالی وہ دوسری پڑھ لے اور اگر وہ امام کو تشہد وغیرہ میں پائے تو پھر وہ ظہر کی چار رکعات پڑھے۔" یہ طریق یاسین الزیات کے متروک ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ اس روایت کے بیان کرنے میں یاسین کی اگرچہ صالح بن ابی الاخضر نے متابعت کی ہے، لیکن وہ اس سے بھی زیادہ مجروح ہے۔ ان کی متابعت سلیمان بن ابی داؤد الحرانی نے بھی کی ہے مگر وہ بھی ضعیف ہے۔

(۲) امام عبدالرزاق نے عبداللہ بن مسعود کا اثر نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں جس شخص کی دوسری رکعت بھی فوت ہو جائے وہ چار رکعات پڑھے۔ اس روایت کے اگرچہ جملہ رواۃ ثقہ ہیں تاہم یہ روایت ابواسحاق سبیعی کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔ امام طبرانی، امام بیہقی اور امام ابن ابی شیبہ نے بھی یہ روایت نقل کی ہے، اس روایت کا مرکزی راوی ابواسحاق ہی ہے اور اس نے یہ روایت معنعن نقل کی ہے

(۳) نافع کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: "جس شخص نے جمعہ کی ایک رکعت پالی وہ دوسری بھی پڑھ لے اور اگر وہ انہیں تشہد وغیرہ میں پائے تو چار رکعات پڑھے۔" اس روایت کے جملہ رواۃ ثقہ ہیں، تاہم یہ واضح نہیں کہ اس سند میں موجود ایوب سے مراد ایوب بن ابی تمیمہ ہیں یا ایوب بن موسیٰ ہیں، اگر ایوب بن ابی تمیمہ ہیں تو وہ مدلس ہیں اور روایت معنعن ہے، لہٰذا یہ روایت بھی ضعیف ہے

۴۴۴: وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رضی اللہ عنہما أَنَّ اَلنَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَخْطُبُ قَائِمًا ,ثُمَّ يَجْلِسُ ,ثُمَّ يَقُومُ فَيَخْطُبُ قَائِمًا ,فَمَنْ أَنْبَأَكَ أَنَّهُ كَانَ يَخْطُبُ جَالِسًا ,فَقَدْ كَذَبَ. أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، کتاب الجمعة، باب ذکر الخطبتین قبل الصلاة و مافیهما من الجلسة: ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۴، البخاری: ۹۲۰، ابوداود: ۱۰۹۳، النسائی: ۳/۱۱۰، ابن ماجة: ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، احمد: ۵/۸۸، البیهقی: ۳/۲۰۷

۴۴۴: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی مکرم ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے، پھر بیٹھ جاتے، پھر کھڑے ہوتے اور خطبہ ارشاد فرماتے، اور جو تمہیں یہ خبر دے کہ آپ ﷺ بیٹھ کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے، اس نے جھوٹ بولا۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث میں اگرچہ جمعہ کے خطبہ کی صراحت نہیں ہے تاہم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں یہ صراحت ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ جمعہ کا خطبہ کھڑے ہو کر ارشاد فرماتے تھے، پھر بیٹھتے اور پھر دوبارہ کھڑے ہوتے، جیسا کہ آج کل ہوتا ہے۔ صحابہ ایسے شخص کو سخت ناپسند فرماتے تھے جو جمعہ کا خطبہ بیٹھ کر دیتا تھا جیسا کہ ابوعبیدہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوئے تو اس وقت عبدالرحمٰن بن ام الحکم خطبہ بیٹھ کر دے رہا ہے، انہوں نے فرمایا، اس خبیث کو دیکھو! یہ خطبہ بیٹھ کر دے رہا ہے......(البیهقی)

فقہی احکام: (۱) جمعہ کے دو خطبے دینے چاہیے اور دونوں کھڑے ہو کر دینے چاہیے۔ (۲) دونوں کے درمیان تھوڑی دیر بیٹھنا چاہیے۔ (۳) خطیب اگر خلاف سنت عمل کرے تو اسے دوران خطبہ خبردار کیا جا سکتا ہے۔

۴۴۵: وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اَللَّهِ رضی اللہ عنہما قَالَ كَانَ رَسُولُ اَللَّهِ ﷺ إِذَا خَطَبَ ,احْمَرَّتْ عَيْنَاهُ ,وَعَلَا صَوْتُهُ ,وَاشْتَدَّ غَضَبُهُ ,حَتَّى كَأَنَّهُ مُنْذِرُ جَيْشٍ يَقُولُ صَبَّحَكُمْ وَمَسَّاكُمْ ,وَيَقُولُ "أَمَّا بَعْدُ ,فَإِنَّ خَيْرَ اَلْحَدِيثِ كِتَابُ اَللَّهِ ,وَخَيْرَ اَلْهَدْىِ هَدْىُ مُحَمَّدٍ ,وَشَرَّ اَلْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ كَانَتْ خُطْبَةُ اَلنَّبِيِّ ﷺ يَوْمَ اَلْجُمُعَةِ يَحْمَدُ اَللَّهَ وَيُثْنِي عَلَيْهِ ,ثُمَّ يَقُولُ عَلَى إِثْرِ ذَلِكَ ,وَقَدْ عَلَا صَوْتُهُ . وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ "مَنْ يَهْدِهِ اَللَّهُ

فَلَا مُضِلَّ لَهُ ,وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ " وَلِلنَّسَائِيِّ " وَكُلَّ ضَلَالَةٍ فِي اَلنَّارِ "

مسلم، كتاب الجمعة، باب تخفيف الصلاة و الخطبة: ٨٦٧، النسائي: ١٨٨/٣ ، ١٨٩، ابن ماجة: ٤٥

تنبیہ: بلوغ المرام کے بعض مطبوعہ نسخوں میں من یھداللہ ہے جبکہ صحیح مسلم میں من یھدہ اللہ ہے۔

۴۴۵: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب خطبہ ارشاد فرماتے تو آپ ﷺ کی آنکھیں سُرخ ہو جاتیں اور آواز بلند ہو جاتی اور آپ ﷺ پُر جوش ہو جاتے گویا کہ آپ ﷺ کسی کو خبردار کر رہے ہیں کہ دشمن کا لشکر صبح یا شام آمنے سامنے ہونے والا ہے، اور فرماتے حمد و ثنا کے بعد، بہترین بات اللہ کی کتاب ہے اور بہترین راہنمائی محمد (ﷺ) کی راہنمائی ہے، بدترین امور بدعات ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔۔ (مسلم)

مسلم ہی کی ایک روایت میں ہے کہ جمعہ کے روز نبی مکرم ﷺ کا خطبہ اس طرح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اللہ کی تعریف و ثنا بیان فرماتے، پھر اس کے بعد پند و نصائح فرماتے، اس دوران آپ ﷺ کی آواز کبھی بلند بھی ہو جاتی۔

مسلم ہی کی ایک روایت میں ہے کہ (آپ ﷺ فرماتے) "اللہ تعالیٰ جس کی راہنمائی فرمائے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے وہ گمراہ کر دے اسے کوئی راہ ہدایت دکھانے والا نہیں۔" اور نسائی میں یوں ہے "اور گمراہی ہی آگ میں ہے۔"

لغوی تحقیق: منذر جیش: اپنے لشکر کو خبردار کرنے والا۔ صبحکم: وہ صبح صبح تم پر حملہ آور ہونے والا ہے۔ مسأکم: تم پر شام کے وقت حملہ آور ہوگا۔ محدثات: محدثۃ کی جمع ہے یعنی بدعات۔ صوت: آواز۔ اثر: ہمزہ مکسور، ثاء ساکن یعنی پیچھے۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ خطیب کو چاہیے کہ وہ اپنی قوم کو خطرات سے خبردار کرتا رہے، معاشرے میں موجود خرابیوں کی نشاندہی کر کے ان کے بدانجام سے انہیں آگاہ کرتا رہے، قوم کو متحرک رکھنے کیلئے ان میں جوش اور ولولہ پیدا کرتا رہے اور انہیں خواب غفلت سے بیدار کرتا رہے، جس قوم کے خطبا اسوہ رسول کی روشنی میں خطبات دیتے رہیں گے وہ قوم بیدار رہے گی اس طرح خرابیوں کی اصلاح ہوتی رہے گی، لیکن جس قوم کے خطبا اصلاح احوال کی کوشش ترک کر کے قوم کو مسحور و محظوظ کرنے کی روش اختیار کریں گے وہ قوم تباہی و بربادی کی راہ پر چل نکلے گی، دشمن کا لشکر بہت جلد انہیں عبرت ناک داستان بنا دے گا۔

فقہی احکام: (۱) خطیب کو مصلح قوم کا کردار ادا کرنا چاہیے۔ (۲) معاشرے میں موجود برائیوں کے بد اثرات سے قوم کو آگاہ کرنا چاہیے۔ (۳) پر جوش انداز اختیار محاسن خطابت میں سے ہے۔ (۴) خطبہ کا آغاز اللہ کی حمد و ثنا سے ہونا چاہیے۔

۴۴۶: وَعَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اَللَّهِ ﷺ يَقُولُ " إِنَّ طُولَ صَلَاةِ اَلرَّجُلِ ,وَقِصَرَ خُطْبَتِهِ مَئِنَّةٌ مِنْ فِقْهِهِ " رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

صحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب تخفيف الصلاة و الخطبة: ٨٦٩، احمد: ٢٦٣/٤، ابن خزيمة: ١٧٨٢

۴۴۶: حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ " آدمی کی نماز لمبی اور خطبہ مختصر اس کی فقاہت کی علامت ہے۔" (مسلم)

لغوی تحقیق: مئنۃ: میم مفتوح، ہمزہ مکسور اور نون مشدد مفتوح، علامت۔ قصر: قاف مکسور اور صاد مفتوح یعنی مختصر۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہو کہ نماز لمبی اور خطبہ مختصر ہونا چاہیے، خطبہ مختصر ہونے کے بہت سے فوائد ہے مثلاً

(۱) سامعین آسانی سے ذہن نشین کر لیتے ہیں۔ (۲) لوگ مسجد میں جلدی پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ (۳) لوگ نماز جمعہ کے بعد

قیلولہ کر سکتے ہیں۔(۴) خطیب کو وقت پورا کرنے کے لیے من گھڑت قصے، ضعیف روایات اور شعر وشاعری کا سہارا لینے کی ضرورت نہیں رہتی۔(۵) منتظمین پر خطبا کی بڑی بڑی تنخواہوں کا بوجھ نہیں پڑتا۔

۴۴۷: **وَعَنْ أُمِّ هِشَامٍ بِنْتِ حَارِثَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ مَا أَخَذْتُ "ق وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ" إِلَّا عَنْ لِّسَانِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ يَقْرَؤُهَا كُلَّ جُمُعَةٍ عَلَى الْمِنْبَرِ إِذَا خَطَبَ النَّاسَ .رَوَاهُ مُسْلِمٌ.**

مسلم، کتاب الجمعة، باب تخفيف الصلاة و الخطبة: ۸۷۳، ابو داود: ۱۱۰۰ -۱۱۰۳، النسائی: ۱۴۱۲، احمد: ۶/۴۳۵، ۴۳۶، ابن خزیمة: ۱۷۸۹

۴۴۷: اُم ھشام بنت حارثہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے سورۃ "ق" رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے سُن کر یاد کر لی (کیونکہ) آپ ﷺ ہر جمعہ کا خطبہ دیتے وقت منبر پر اس کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔(مسلم)

تشریح: خطاب کا اصل مقصد قوم کو پند ونصائح کرنا ہے، ویسے تو سارا قرآن ہی پند ونصائح پر مبنی ہے تاہم سورۃ ق میں اصلاح احوال کا کچھ زیادہ ہی سامان ہے، کیونکہ اس سورۃ میں موت، قیامت اور جنت وجہنم کا تذکرہ نہایت بلیغ انداز میں کیا گیا ہے۔یقیناً اسی لیے آپ ﷺ خطبہ جمعہ میں اس سورۃ کی تلاوت فرماتے تھے، حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ دو خطبے ارشاد فرماتے اور دونوں کے درمیان میں تھوڑی دیر بیٹھتے۔خطبہ میں قرآن حکیم کی تلاوت فرماتے اور لوگوں کو پند ونصائح فرماتے۔

فقہی احکام: (۱) خطبات میں پند ونصائح کا اہتمام کیا جائے۔(۲) لوگوں کو قرآن وحدیث سنایا جائے بے مقصد باتیں، من گھڑت واقعات اور شعر وشاعری سے اجتناب کیا جائے (۳) سورۃ ق کی کچھ آیات مع ترجمہ سنائی جائیں (۴) خطبہ اس زبان میں دیا جائے جس زبان کو لوگ سمجھتے ہوں۔

۴۴۸-۴۴۹: **وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ "مَنْ تَكَلَّمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَهُوَ كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا ,وَالَّذِي يَقُولُ لَهُ أَنْصِتْ ,لَيْسَتْ لَهُ جُمُعَةٌ " رَوَاهُ أَحْمَدُ ,بِإِسْنَادٍ لَا بَأْسَ بِهِ وَهُوَ يُفَسِّرُ حَدِيثَ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ فِي الصَّحِيحَيْنِ مَرْفُوعًا" إِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ أَنْصِتْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْإِمَامِ يَخْطُبُ ,فَقَدْ لَغَوْتَ "**

مسند احمد: ۱/۲۳۰، مسند البزار: ۶۴۴، المعجم الاوسط للطبرانی: ۱۹۶۳، التنقیح لابن عبد الهادی: ۲/۱۲۱۵، البخاری: ۹۳۴، مسلم: ۸۵۱، ابو داود: ۱۱۱۲، النسائی: ۳/۱۰۴، الترمذی: ۵۱۷، ابن ماجة: ۱۱۱۰، الدارمی: ۱/۳۰۲

۴۴۸-۴۴۹: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:" جس شخص نے جمعہ کے دن اس وقت بات کی جب امام خطبہ دے رہا ہو تو وہ شخص اس گدھے کی طرح ہے جو کتابوں کا بوجھ اُٹھاتا ہے، جس شخص نے ایسے شخص سے یہ کہا کہ خاموش ہو جاؤ، اس کا بھی جمعہ نہیں رہا۔" اس روایت کو احمد نے ایسی سند سے بیان کیا ہے جس میں کوئی کمزوری نہیں۔یہ حدیث ابو ہریرہ سے مروی اس مرفوع حدیث کی وضاحت کرتی ہے جو صحیحین میں مذکور ہے (وہ حدیث اس طرح ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا)" جب تو نے اپنے ساتھی سے امام کے خطبہ کے دوران یہ کہا کہ خاموش ہو جاؤ تو تم نے لغوبات کی۔"

لغوی تحقیق: **اسفار**: ہمزا مفتوح اور سین ساکن یہ سِفر کی جمع ہے یعنی کتابیں یا صحیفے۔**لا بأس به**: اس اصطلاح کا شمار الفاظ تعدیل میں ہوتا ہے یعنی اس میں کوئی قباحت نہیں۔**انصت**: ہمزہ مفتوح، نون ساکن اور صاد مکسور، باب افعال سے فعل امر ہے یعنی خاموش ہو جاؤ۔ **لغوت**: تاء مرفوعہ مفتوح یعنی تو نے لغویات کی یا اپنے جمعہ کو باطل کر لیا۔

تشریح: پہلی روایت کے بارے میں اگر چہ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے **لا بــأس بــه** کہا ہے تاہم یہ روایت صحیح نہیں کیونکہ اس روایت کی سند میں مجاہد بن سعید نامی راوی ہے جو ضعیف ہے، امام نسائی نے اسے لیس بالقوی اور امام یحیٰی بن سعید نے ضعیف کہا ہے خود امام احمد بھی اس راوی کو اہمیت نہیں دیتے تھے۔ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کی اصل صحیحین کی حدیث کو قرار دیا ہے، یہ روایت چونکہ اس کی تفسیر ہے، اس لیے اس روایت کے ضعیف ہونے سے اس مضمون کی اہمیت میں کمی واقع نہیں ہوئی۔ یعنی یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ دوران خطبہ باتیں کرنے والے کو خاموش رہنے کا مشورہ دینے والے کا جمعہ بھی ضائع ہوجاتا ہے، یہی مفہوم **لیسـت له جمعة** کا ہے، جب یہ حقیقت ہے تو پھر باتیں کرنے والوں کا کیا حال ہوگا؟ اس کا اندازہ آپ خود کر سکتے ہیں۔ اس کے برعکس جو شخص غسل وغیرہ کر کے مسجد آتا ہے، جہاں جگہ ہو وہیں بیٹھ جاتا ہے، خطبہ خاموشی سے سنتا ہے اس کے ایک ہفتے کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

فقہی احکام: (۱) خطبہ جمعہ نہایت توجہ سے سننا چاہیے۔ (۲) دوران خطبہ مصافحہ کرنا یا حال احوال کرنا درست نہیں، اس سے جمعہ کا ثواب برباد ہوجاتا ہے۔ (۳) اگر کوئی باتیں کررہا ہو تو خطیب کا کام ہے اسے منع کرے، یا پھر خطیب کسی کو حکم دے کہ وہ اسے منع کرے، بصورت دیگر کسی کو اجازت نہیں کہ وہ دوسرے کو خاموش رہنے کا کہے۔

۴۵۰: وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ دَخَلَ رَجُلٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ ,وَالنَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَخْطُبُ فَقَالَ "صَلَّيْتَ؟" قَالَ لَا قَالَ "قُمْ فَصَلِّ رَكْعَتَيْنِ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب الجمعة، باب اذا رای الامام رجلاً جاء و هو یخطب امره ان یصلی رکعتین: ۹۳۰ ، ۹۳۱، مسلم: ۸۷۵، ابوداود: ۱۱۱۵، الترمذی: ۵۱۴، النسائی: ۱۰۳/۳، ابن ماجة: ۱۱۱۲، احمد: ۲۹۷/۳، ابن الجارود: ۲۹۳

۴۵۰: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص جمعہ کے روز اس وقت مسجد میں داخل ہوا جب نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت فرمایا: "کیا تم نے (دو رکعات) نماز پڑھی ہے؟" اس نے کہا نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اُٹھو، دو رکعات نماز پڑھو۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: زیر مطالعہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے متعدد طرق سے مروی ہے اس طریق میں اگر چہ مسجد میں داخل ہونے والے صحابی کا نام مذکور نہیں، تاہم انہیں سے مروی دوسرے طریق میں یہ صراحت ہے کہ اس صحابی کا نام سلیک غطفانی تھا نیز اس طریق میں **صـلـيـت** کی جگہ **ارکعت رکعتین** کے الفاظ ہیں یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت فرمایا: "کیا تم نے دو رکعات پڑھی ہیں؟"

فقہی احکام: (۱) خطیب دوران خطبہ اصل مضمون چھوڑ کر کسی مقتدی سے سوال و جواب کرسکتا ہے۔ (۲) مسجد میں داخل ہونے کے بعد مسجد میں اس وقت تک نہیں بیٹھنا چاہیے جب تک دو رکعات نہ پڑھ لی جائیں۔ (۳) یہ دو رکعات دوران خطبہ بھی پڑھی جاسکتی ہیں۔

۴۵۱: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يَقْرَأُ فِي صَلَاةِ الْجُمُعَةِ سُورَةَ الْجُمُعَةِ ,وَالْمُنَافِقِينَ . رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب مایقرأ فی صلاة الجمعة و فی یوم الجمعة: ۸۷۷ ، ۸۷۹، ابوداود: ۱۰۷۵، الترمذی: ۵۲۴، النسائی: ۱۱۱/۳، ابن ماجة: ۷۹/۱، احمد: ۲۲۶/۱، ابن خزیمة: ۵۳۳

۴۵۱: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز میں سورة جمعہ اور سورة منافقون تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز میں سورة جمعہ اور سورة منافقون کی تلاوت فرمایا کرتے تھے،

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث بھی اس کی مؤید ہے، اس میں یہ صراحت بھی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما بھی نماز جمعہ میں انہیں سورتوں کی تلاوت فرمایا کرتے تھے، ہمیں بھی چاہیے کہ ہم اسوہ رسول کی پیروی کرتے ہوئے وہی سورتیں نماز جمعہ میں پڑھیں جو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے۔

فقہی احکام: نماز جمعہ میں سورۃ جمعہ اور سورۃ منافقون کی تلاوت مسنون ہے تاہم دیگر سورتیں پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

۴۵۲: وَلَهُ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ رضی اللہ عنہما كَانَ يَقْرَأُ فِي الْعِيدَيْنِ وَفِي الْجُمُعَةِ بِ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾ وَ ﴿هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ﴾

مسلم، كتاب الجمعة، باب مايقرأ فى صلاة الجمعة: ۸۷۸، ابوداود: ۱۱۲۲ - ۱۱۲۵، الترمذى: ۵۳۳، النسائى: ۱۱۲/۳، الدارمى: ۱۵۷۴، البيهقى: ۲۰۱/۳، عبدالرزاق: ۱۸۱/۳

۴۵۲: مسلم ہی میں نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین اور جمعہ کی نمازوں میں سورۃ **سبح اسم ربک الاعلی** اور **هل اتاک حدیث الغاشیة** تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز جمعہ میں سورۃ الاعلیٰ اور سورۃ الغاشیہ بھی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ اس طرح حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں بھی یہ صراحت مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز جمعہ میں مذکورہ سورتوں کی تلاوت فرمایا کرتے تھے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں بھی یہ صراحت ہے لیکن وہ روایت منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

درج بالا چاروں صحیح احادیث سے یہ واضح ہو کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نماز جمعہ میں کبھی سورۃ جمعہ اور سورۃ منافقون تلاوت فرمایا کرتے تھے اور کبھی سورۃ الاعلیٰ اور سورہ الغاشیہ تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ اُمتی ہونے کے ناطے ہم پر بھی لازم ہے کہ ہم نماز جمعہ میں انہیں سورتوں کی باری باری تلاوت کیا کریں کیونکہ سنت پر عمل پیرا ہونے ہی میں ہم سب کی نجات ہے۔

فقہی احکام: (۱) سورۃ الاعلیٰ اور سورۃ الغاشیہ کو بھی نماز جمعہ میں پڑھنا مسنون ہے۔

(۲) مذکورہ بالا سورتیں نماز جمعہ میں باری باری پڑھی جاسکتی ہیں۔

۴۵۳: وَعَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ رضی اللہ عنہ قَالَ صَلَّى النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم الْعِيدَ ,ثُمَّ رَخَّصَ فِي الْجُمُعَةِ ,فَقَالَ "مَنْ شَاءَ أَنْ يُصَلِّيَ فَلْيُصَلِّ" رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا التِّرْمِذِيَّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ.

ابوداود، تفريع ابواب الجمعة، باب اذا وافق يوم الجمعة يوم عيد: ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۳، النسائى: ۱۹۴/۳، ابن ماجة: ۱۳۱۰ — ۱۳۱۲، احمد: ۳۷۲/۴، ابن خزيمة: ۳۵۹/۲، الحاكم: ۲۸۸/۱، البيهقى: ۳۱۷/۳، ۳۱۸، تقريب: ۵۸۷، التلخيص: ۶۹۷، بيان الوهم والايهام: ۲۰۳/۴، العلل المتناهية لابن جوزى: ۴۷۳/۱، البخارى: ۵۵۷۲، عبدالرزاق: ۳۰۵/۳

۴۵۳: حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نماز پڑھی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے بارے میں رخصت عنایت فرماتے ہوئے فرمایا: "جو (جمعہ) پڑھنا چاہے وہ پڑھ لے۔" ماسوا ترمذی کے اسے پانچوں نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ نے اسے صحیح کہا ہے۔

تشریح: مؤلف رحمہ اللہ نے اس روایت کے بارے میں امام ابن خزیمہ کی غیر مشروط تصحیح نقل کی ہے جبکہ امام ابن خزیمہ نے اس روایت پر بالجزم تصحیح کا حکم نہیں لگایا، امام صاحب نے اس روایت کو نقل کرنے سے پہلے ذکر کیا ہے کہ عید اور جمعہ اگر ایک دن آ جائیں تو پھر

بعض لوگوں کے لیے جمعہ کی رخصت ہے بشرطیکہ یہ حدیث صحیح ہو کیونکہ ایاس بن ابی رملہ کے بارے میں مجھے جرح اور تعدیل کا کوئی علم نہیں۔ واضح رہے کہ ایاس بن ابی رملہ کو ابن منذر اور ابن قطان نے مجہول قرار دیا ہے، مؤلف رحمہ اللہ نے بھی تقریب میں اسے بالجزم مجہول لکھا ہے۔

جب یہ واضح ہو گیا کہ ایاس بن ابی رملہ مجہول ہے تو پھر کسی محدث کی اس حدیث کے بارے میں تصحیح یا تحسین کیا معنی رکھتی ہے؟ البتہ اس روایت کی تائید بعض دیگر روایات سے بھی ہوتی ہے، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " آج کے دن دو عیدیں جمع ہو گئی ہیں، جو شخص جمعہ نہ پڑھنا چاہے اس کیلئے عید کا پڑھ لینا ہی کافی ہے، تاہم ہم جمعہ پڑھیں گے اس روایت کا مرکزی راوی عبدالعزیز بن رفیع ہے، ان سے یہ روایت مرسل اور موصول دونوں طرح منقول ہے، امام دارقطنی اور امام احمد نے مرسل طریق کو راجح قرار دیا ہے۔

واضح رہے کہ اس روایت کو موصولاً فقط بقیہ بن ولید اور زیاد بن عبداللہ البکائی نے بیان کیا ہے بقیہ سے تدلیس تسویہ کا صدور ہوا ہے، اس لیے ایسے راوی کی روایت اس وقت صحیح نہیں ہوگی جب تک اس سے اوپر کے تمام واسطوں میں سماع کی صراحت نہ ہو، یہاں چونکہ بقیہ نے امام شعبہ کا ان کے شیخ مغیرہ ضبی سے سماع نقل نہیں کیا، لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے، زیاد بن عبداللہ البکائی کی متابعت بھی مفید نہیں، کیونکہ امام ابن قطان نے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ ضعیف ہے بلکہ بقول ان کے بعض محدثین کے نزدیک یہ شخص جھوٹا بھی ہے، نیز مغیرہ ضبی بھی مدلس ہے اور اس نے یہ روایت عبدالعزیز سے عن سے نقل کی ہے۔

امام ابن ماجہ نے یہی متن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے طریق سے بھی نقل کیا ہے۔ اگر یہ روایت ہر قسم کے وہم سے پاک ہو تو تب بھی یہ روایت ضعیف ہے، کیونکہ اس روایت کا مرکزی راوی بھی بقیہ بن ولید ہی ہے اس نے یہاں بھی اپنے شیخ مغیرہ کا ان کے شیخ عبدالعزیز سے سماع نقل نہیں کیا

امام ابن ماجہ نے اسی متن سے ملتا جلتا متن حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی نقل کیا ہے، یہ روایت جبارہ بن مغلس اور مندل بن علی کی وجہ سے ضعیف ہے، البتہ حضرت عثمان، حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم سے صحیح اسناد سے مذکور ہے کہ وہ اس کے قائل و فائل تھے کہ اگر جمعہ کے روز عید آ جائے تو پھر جمعہ کے خطبہ اور جماعت میں سب لوگوں کے لیے شریک ہونا ضروری نہیں۔

فقہی احکام: (۱) جمعہ بھی مسلمانوں کیلئے عید ہے۔ (۲) جمعہ اور عید کا ایک دن میں جمع ہونا باعث برکت ہے۔

(۳) جمعہ کے روز اگر عید آ جائے تو پھر خطبہ جمعہ اور جماعت میں شریک ہونا سب مسلمانوں کے لیے ضروری نہیں۔

۴۵۴: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم " إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيُصَلِّ بَعْدَهَا أَرْبَعًا " رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، كتاب الجمعة، باب الصلاة بعد الجمعة: ۸۸۱، البخاري: ۹۳۷، ابوداود: ۱۱۳۱، الترمذي: ۵۲۸، النسائي: ۳/ ۱۱۳، احمد: ۲/ ۲۴۹

۴۵۴: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " آپ میں سے کوئی ایک جب جمعہ پڑھے تو اس کے بعد چار رکعات پڑھے۔" (مسلم)

تشریح: زیر مطالعہ حدیث میں جمعہ کے فرائض کے بعد چار رکعات پڑھنے کی تعلیم دی گئی ہے، جبکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز کے بعد دو رکعات پڑھتے تھے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں

ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے بعد چار رکعات ایک سلام کے ساتھ پڑھتے تھے، یہ روایت سخت ترین ضعیف ہے کیونکہ اس میں بہت سی علتیں موجود ہیں، مثلاً بقیہ مدلس ہے، حجاج بن ارطاۃ ضعیف اور مدلس ہے عطیہ العوفی ضعیف ہے اور مبشر بن عبید کی روایت کو امام احمد نے موضوع قرار دیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی احادیث کے مابین اہل علم نے یہ تطبیق دی ہے کہ جمعہ کے بعد کے نوافل اگر مسجد میں پڑھنے کا ارادہ ہو تو پھر چار رکعات پڑھنی چاہئیں اور اگر گھر میں پڑھنے ہوں تو پھر دو پڑھنے چاہئیں۔

فقہی احکام: جمعہ کے بعد مسجد میں چار رکعات پڑھی جائیں اور گھر میں پڑھنی ہوں تو پھر دو رکعات پڑھیں۔

۴۵۵: وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ رضی اللہ عنہ أَنَّ مُعَاوِيَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ لَهُ إِذَا صَلَّيْتَ الْجُمُعَةَ فَلَا تَصِلْهَا بِصَلَاةٍ ,حَتَّى تَتَكَلَّمَ أَوْ تَخْرُجَ ,فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَمَرَنَا بِذَلِكَ أَنْ لَا نُوصِلَ صَلَاةً بِصَلَاةٍ حَتَّى نَتَكَلَّمَ أَوْ نَخْرُجَ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، کتاب الجمعة، باب الصلاة بعد الجمعة: ۸۸۳، البخاری: ۹۳۷، ابو داود: ۱۱۲۹

تنبیہ: بلوغ المرام کے بعض نسخوں میں ان لا نصل صلاة ہے اور بعض میں ان لا نوصل صلاة ہے جبکہ صحیح مسلم کے مطبوعہ نسخہ میں ان لا توصل صلاة ہے۔

۴۵۵: حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا، جب تم جمعہ کی نماز پڑھ لو تو اس نماز کے ساتھ کوئی اور نماز اس وقت تک مت ملاؤ جب تک کسی سے بات نہ کر لو، یا جگہ تبدیل نہ کر لو، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں یہ حکم دیا تھا کہ " ہم ایک نماز (فرض نماز) کے ساتھ دوسری نماز (نفل نماز) کو نہ ملائیں، تاوقتیکہ ہم کلام نہ کر لیں یا وہاں سے نکل نہ جائیں۔"

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ جس جگہ پر جمعہ یا کوئی اور فرض نماز پڑھی جائے، اسی جگہ پر اس وقت تک نفل نماز ادا نہ کی جائے، جب تک کسی سے بات چیت نہ کر لی جائے یا پھر جگہ تبدیل نہ کر لی جائے۔ آپ ﷺ نے یہی تعلیم دی اور خود بھی اسی کے مطابق عمل کیا۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ جمعہ کی نماز کے بعد اس وقت تک نوافل وغیرہ ادا نہیں کرتے تھے جب تک وہ جگہ نہیں چھوڑ دیتے تھے۔

فقہی احکام: جس جگہ پر فرض نماز ادا کی جائے، اس جگہ پر اس وقت تک نفل نماز ادا نہ کی جائے جب تک کسی سے بات چیت نہ کر لی جائے

۴۵۶: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ " مَنِ اغْتَسَلَ ,ثُمَّ أَتَى الْجُمُعَةَ ,فَصَلَّى مَا قُدِّرَ لَهُ ,ثُمَّ أَنْصَتَ, حَتَّى يَفْرُغَ الْإِمَامُ مِنْ خُطْبَتِهِ ,ثُمَّ يُصَلِّي مَعَهُ: غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْأُخْرَى ,وَفَضْلُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ " رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، کتاب الجمعة، باب فضل من استمع و انصت فی الخطبة: ۸۵۷، ابو داود: ۳۴۳، الترمذی: ۵۰۰، ابن ماجة: ۱۰۹۰

۴۵۶: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص غسل کر کے جمعہ کے لیے آیا پھر اس نے اس قدر نماز پڑھی جس قدر اس کے نصیب میں تھی، پھر وہ اس وقت تک خاموش رہا جب تک امام خطبہ سے فارغ نہیں ہوا پھر اس نے امام کی اقتدا میں نماز ادا کی تو اس کے وہ تمام گناہ جو دو جمعوں کے مابین تھے (سات دنوں کے) اور مزید تین دن کے (کل دس دنوں کے) معاف کر دیئے گئے۔" مسلم

لغوی تحقیق: ماقدر: یہ تقدیر سے فعل مجہول ہے یعنی جو اس کے مقدر میں لکھ دیا گیا تھا۔

تشریح: اس روایت سے یہ واضح ہوا کہ جمعہ کے روز غسل کر کے جمعہ کی نماز کے لیے آنا چاہیے تاہم اس حدیث سے جمعہ کے غسل کی فرضیت ثابت نہیں ہوتی، اس حدیث سے دوسری یہ بات ثابت ہوئی کہ خطیب کے منبر پر بیٹھنے سے لے کر منبر سے نیچے اترنے تک خاموشی سے بیٹھنا چاہیے، اس حدیث سے اس دوران خاموش رہنے کی فرضیت ثابت نہیں ہوتی تاہم دوسری احادیث سے خاموش رہنے کی فرضیت

ثابت ہوتی ہے،اس بارے میں حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے مروی احادیث اسی باب میں گزر چکی ہیں۔

فقہی احکام: (۱) جمعہ کے روز غسل کرنا مسنون ہے۔(۲) دوران خطبہ بات چیت کرنا حرام ہے،اس سے جمعہ باطل ہو جاتا ہے۔

۴۵۷: وَعَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اَللَّهِ ﷺ ذَكَرَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَالَ "فِيهِ سَاعَةٌ لَا يُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي ,يَسْأَلُ اَللَّهَ عزوجل شَيْئًا إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ" وَأَشَارَ بِيَدِهِ يُقَلِّلُهَا . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ "وَهِيَ سَاعَةٌ خَفِيفَةٌ"

مسلم، کتاب الجمعة، باب فی الساعة التی فی یوم الجمعة: ۸۵۲، البخاری: ۹۳۵، النسائی: ۱۱۵/۳، مؤطا امام مالک: ۱۰۸/۱، اتحاف الخیرة : ۲۱۲۱/۲

۴۵۷: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کے دن کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:"اس میں ایک ایسی گھڑی ہے،اسے جو مسلمان حالت نماز میں پالے،اور وہ اس وقت اللہ تعالیٰ سے جو کچھ مانگ لے اللہ تعالیٰ اسے وہ کچھ ضرور عطا فرما دیتا ہے۔" پھر آپ ﷺ نے اس گھڑی کے نہایت مختصر ہونے کی صراحت اپنے دست مبارک کے اشارے سے فرمائی۔(بخاری و مسلم)
مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے فرمایا:" وہ ساعت نہایت مختصر ہے۔"

لغوی تحقیق: یقللھا:اسے کم کر کے دکھایا۔ خفیفة:قلیل یعنی نہایت مختصر۔

تشریح: امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث متعدد طرق سے نقل کی ہے،امام اعرج نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے جو روایت نقل کی ہے اس میں ہے کہ اس خاص ساعت کا دورانیہ آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے واضح فرمایا۔جبکہ محمد بن زیاد نے جو روایت نقل کی ہے اس سے یہ واضح ہوتا ہے کی آپ ﷺ نے زبان سے صراحت فرمائی۔ان دونوں روایات میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ عین ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے ہاتھ اور زبان سے ایک ساتھ صراحت فرما دی ہو۔

اس سے ملتی جلتی حدیث حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے مگر ان دونوں میں سے کسی ایک میں بھی اس گھڑی کے دورانیہ کے بارے میں ہاتھ یا زبان کے ذریعہ وضاحت کرنے کا تذکرہ نہیں،البتہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں دعا کے قبول ہونے کو اس بات سے مشروط کر دیا گیا ہے کہ وہ دعا طلب گناہ یا قطع رحمی سے متعلق نہ ہو۔اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ ساعت جمعہ کے روز ہے،لیکن دن کے کس حصہ میں ہے اس میں اختلاف پایا جاتا ہے(تفصیل آگے آرہی ہے)۔

۴۵۸: وَعَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِيهِ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اَللَّهِ ﷺ يَقُولُ "هِيَ مَا بَيْنَ أَنْ يَجْلِسَ اَلْإِمَامُ إِلَى أَنْ تُقْضَى اَلصَّلَاةُ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ ,وَرَجَّحَ اَلدَّارَقُطْنِيُّ أَنَّهُ مِنْ قَوْلِ أَبِي بُرْدَةَ.

مسلم، کتاب الجمعة، باب فی الساعة التی فی یوم الجمعة: ۸۵۳، ابوداود: ۱۰۴۹، البیهقی: ۶۰۹۳، ابن خزیمة: ۱۷۳۹

۴۵۸: حضرت ابو بردہ نے اپنے باپ سے نقل کیا ہے کہ ان کے والد نے کہا میں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ "وہ گھڑی امام کے منبر پر بیٹھنے سے لے کر جماعت کے اختتام تک ہے۔" اسے مسلم نے روایت کیا ہے اور امام دارقطنی نے کہا کہ راجح یہی ہے کہ یہ ابو بردہ کا اپنا قول ہے۔

تشریح: اس روایت میں اس ساعت مبارکہ کی صراحتاً تعیین ہے،تاہم اس روایت کے مرفوع ہونے کے بارے میں اہل علم میں اختلاف پایا جاتا ہے،مؤلف رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ اس میں دو علتیں پائی جاتی ہیں اس کا اظہار انہوں نے اپنی معروف کتاب فتح الباری میں کیا ہے،فرماتے ہیں،اس روایت میں انقطاع اور اضطراب ہے،انقطاع اس لیے کہ مخرمہ بن بکیر نے یہ روایت اپنے والد سے نہیں سنی،

تاہم ان کے پاس ان کے والد کی کتابیں موجود تھیں۔اس روایت میں اضطراب یہ ہے کہ ابو بردہ سے یہ روایت ابواسحاق، واصل اور معاویہ بن قرہ وغیرہم نے جوسنی ہے وہ بطور ابو بردہ کے قول کے سنی ہے، ابو بردہ کوفی ہیں اور مذکورہ بالا ان کے تلامذہ بھی کوفی ہیں جبکہ بکیر مدنی ہیں، لہٰذا امام دارقطنی کا اسے قول ابی بردہ قرار دینا درست ہے۔

راقم کے نزدیک یہ دونوں علتیں ایسی نہیں کہ جن کی بنیاد پر امام مسلم کی بیان کردہ روایت کو مرجوح قرار دیا جائے۔ کیونکہ امام دارقطنی کا یہ خیال ہے کہ جو روایت مرفوع اور موقوف ہر دو طرح سے منقول ہوا سے موقوف سمجھا جائے، جبکہ امام بخاری و امام مسلم کے نزدیک اگر مرفوع طریق ثقات سے مروی ہے اور اس میں کوئی علت قادحہ نہ ہو تو اسے مرفوع سمجھا جائے۔

۴۵۹۔۴۶۰: وَفِي حَدِيثِ عَبْدِ اَللَّهِ بْنِ سَلَامٍ رضی اللہ عنہ عِنْدَ ابْنِ مَاجَةَ .وَ عن جَابِرٍ عِنْدَ أَبِي دَاوُدَ ,وَالنَّسَائِيِّ "أَنَّهَا مَا بَيْنَ صَلَاةِ اَلْعَصْرِ إِلَى غُرُوبِ اَلشَّمْسِ "وَقَدِ اِخْتُلِفَ فِيهَا عَلَى أَكْثَرَ مِنْ أَرْبَعِينَ قَوْلًا ,أَمْلَيْتُهَا فِي شَرْحِ اَلْبُخَارِيِّ.

ابن ماجة، ابواب الجمعة، باب ماجاء في الساعة التي ترجى في الجمعة: ۱۱۳۹، احمد: ۴۵۱/۵، النسائي، كتاب الجمعة، باب وقت الجمعة: ۹۹/۳، ابوداود: ۱۰۴۸، الحاكم: ۲۷۹/۱، فتح الباري: ۴۱۶/۲ ـ ۴۲۲

تنبیہ: ابوداؤد اور نسائی کے مطبوعہ نسخوں میں مؤلف رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر کردہ الفاظ نہیں ہیں۔

۴۵۹۔۴۶۰: حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث امام ابن ماجہ نے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث امام ابوداؤد اور نسائی نے اس طرح نقل کی ہے کہ "وہ گھڑی نماز عصر سے غروب آفتاب تک ہے۔" اس بارے میں اہل علم کے چالیس اقوال ہیں جنہیں میں نے بخاری کی شرح (فتح الباری) میں تحریر کیا ہے۔

لغوی تحقیق: املیتها: میں نے تحریر کیا ہے۔

تشریح: حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں عرض کیا کہ ہم نے اللہ کی کتاب میں یہ پایا ہے کہ جمعہ کے دن ایک ایسی بابرکت گھڑی ہے، یہ گھڑی جس خوش قسمت کے موافق آ جائے اور وہ اس وقت اللہ تعالیٰ سے جو مراد مانگ لے، وہ پوری کر دی جائے گی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایک گھڑی کا کچھ حصہ۔" میں نے عرض کیا جناب نے درست فرمایا، پھر میں عرض کیا وہ گھڑی کونسی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "دن کی آخری گھڑیوں میں سے کوئی ایک گھڑی ہے۔" میں نے عرض کیا، وہ گھڑی تو پھر نماز کی گھڑی نہ ہوئی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیوں نہیں!" بلاشبہ مؤمن جب ایک نماز سے فارغ ہو کر دوسری نماز کے انتظار میں بیٹھ جاتا ہے تو وہ نماز ہی میں ہوتا ہے۔" اس روایت کی سند صحیح ہے، اسی طرح حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث بھی صحیح ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث اور عبداللہ بن سلام اور جابر بن عبداللہ سے مروی احادیث میں بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے، لیکن درحقیقت ان میں کوئی تعارض نہیں، کیونکہ ممکن ہے کہ وہ برکت ساعت مختلف اوقات میں آتی ہو یعنی کبھی خطبہ و نماز جمعہ کے دوران اور کبھی عصر تا مغرب کے دورانیہ میں آتی ہو۔

۴۶۱: وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ مَضَتِ السُّنَّةُ أَنَّ فِي كُلِّ أَرْبَعِينَ فَصَاعِدًا جُمُعَةً .رَوَاهُ اَلدَّارَقُطْنِيُّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ.

الدارقطني: ۴/۲، البيهقي: ۵۷۰۲، معرفة السنن والآثار: ۴۶۳/۲

۴۶۱: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ طریقہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جاری رہا ہے کہ چالیس یا اس سے زیادہ افراد پر جمعہ ہے۔ اسے دارقطنی نے ضعیف سند سے بیان کیا ہے۔

تشریح: یہ روایت امام شافعی کے موقف کی مؤید ہے تاہم یہ روایت سخت ضعیف ہے تفصیلاً بحث حدیث رقم:۴۴۲ کے تحت گزر چکی ہے

۴۶۲: **وَعَنْ سَمُرَةَ بنِ جُنْدُبٍ ؓ أَنَّ اَلنَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَسْتَغْفِرُ لِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ كُلَّ جُمُعَةٍ .رَوَاهُ اَلْبَزَّارُ بِإِسْنَادٍ لَيِّنٍ**

البزار: ۶۴۱، الطبرانی: ۲۶۴/۷، بیان الوهم والایهام: ۹۶۲/۳، ۱۱۱۰، ۱۱۱۶، التقریب: ۱۷۰۵

۴۶۲: حضرت سمرۃ بن جندب ؓ سے روایت ہے کہ نبی مکرم ﷺ ہر جمعہ میں ایماندار خواتین وحضرات کے لیے دعائے استغفار فرمایا کرتے تھے۔اس روایت کوامام البزار نے کمزور سند سے نقل کیا ہے۔

لغوی تحقیق: لین:اس کے لغوی معنی نرم اور ملائم کے ہیں لیکن محدثین کی اصطلاح میں یہ کلمہ جرح ہے۔

تشریح: امام البزار اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ میرے علم کے مطابق یہ روایت آپ ﷺ سے فقط اسی ایک سند سے مروی ہے،اس اکلوتی سند میں متعدد ضعیف اور مجہول رواۃ ہیں۔(۱) خالد بن یوسف ضعیف ہے۔(۲) خالد کے باپ یوسف پر جھوٹا ہونے کا الزام ہے بلکہ امام یحیٰ بن معین نے تو اسے برملا کذاب اور خبیث کہا ہے،امام بخاری نے اس پر سخت جرح فرمائی۔(۳) جعفر بن سعد کو علامہ ابن عبدالبر نے لیس بالقوی کہا ہے۔(۴) خبیب اور سلیمان کو امام ذہبی اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مجہول کہا ہے اور امام عبدالحق نے لیس بالقوی کہا ہے۔(۵) امام ابن قطان نے جعفر،اس کے شیخ خبیب اور اس کے شیخ سلیمان تینوں کو مجہول کہا ہے۔

۴۶۳: **وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ ؓ أَنَّ اَلنَّبِيَّ ﷺ كَانَ فِي اَلْخُطْبَةِ يَقْرَأُ آيَاتٍ مِنَ اَلْقُرْآنِ ,وَيُذَكِّرُ اَلنَّاسَ. رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَأَصْلُهُ فِي مُسْلِمٍ.**

ابوداود، تفریع ابواب الجمعة، باب الرجل یخطب علی قوس: ۱۱۰۱، مسلم: ۸۶۲، النسائی: ۱۰۹/۳، ابن ماجة: ۱۱۰۵، احمد: ۸۸/۵

۴۶۳: حضرت جابر بن سمرۃ ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ خطبہ میں قرآن حکیم کی آیات تلاوت فرما کر لوگوں کو نصیحت فرمایا کرتے تھے۔(ابوداؤد) اس کی اصل مسلم میں ہے۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ خطبہ میں قرآن حکیم کی آیات کے ذریعے لوگوں کو نصیحت کی جائے ظاہر ہے کہ ایسا اسی صورت میں ممکن ہے جب دوران خطبہ قرآن وحدیث کا مفہوم ومطالب لوگوں کو ان کی زبان میں بتایا جائے،محض عربی خطبہ پڑھنے سے مقصد تذکیر پورا نہیں ہوسکتا۔

فقہی احکام: (۱) خطبہ میں قرآن وحدیث کا اہتمام کیا جائے (۲) آیات واحادیث کا مفہوم لوگوں کو ان کی زبان میں سمجھایا جائے۔

۴۶۴: **وَعَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ ؓ أَنَّ رَسُولَ اَللَّهِ ﷺ قَالَ " اَلْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ فِي جَمَاعَةٍ إِلَّا أَرْبَعَةً مَمْلُوكٌ ,وَامْرَأَةٌ ,وَصَبِيٌّ ,وَمَرِيضٌ " رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ ,وَقَالَ لَمْ يَسْمَعْ طَارِقٌ مِنَ اَلنَّبِيِّ ﷺ وَأَخْرَجَهُ اَلْحَاكِمُ مِنْ رِوَايَةِ طَارِقٍ اَلْمَذْكُورِ عَنْ أَبِي مُوسَى.**

ابوداود، تفریع ابواب الجمعة، باب الجمعة للمملوک و المرأة: ۱۰۶۷، الحاکم: ۲۸۸/۱، الاصابة: ۲۸۱/۳، الخلاصة: ۷۵۷/۲، معالم السنن: ۹/۲

۴۶۴: حضرت طارق بن شہاب ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:"جمعہ ہر مسلمان پر فرض ہے مگر چار قسم کے لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں،غلام،عورت بچہ اور بیمار۔" اسے ابوداؤد نے بیان کیا ہے اور امام ابوداؤد نے کہا کہ طارق بن شہاب نے براہ راست رسول

اللہ ﷺ سے کچھ نہیں سنا، امام حاکم نے مذکورہ روایت طارق عن ابی موسیٰ کے طریق سے نقل کی ہے۔

تشریح: طارق بن شہاب کے صحابی یا تابعی ہونے کے بارے میں اختلاف ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان کے صحابی ہونے کو راجح قرار دیا ہے، امام خطابی نے ان کا صحابی ہونا ثابت کیا ہے، امام ابوداؤد اور امام نووی کا کہنا ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کو دیکھا ہے مگر آپ ﷺ سے کچھ سنا نہیں۔

فقہی احکام: (۱) جمعہ با جماعت ادا کرنا فرض ہے۔ (۲) غلام، عورت، مریض اور بچے پر جمعہ با جماعت فرض نہیں۔

۴۶۵: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ، قَالَ رَسُولُ اَللَّهِ ﷺ " لَيْسَ عَلَى مُسَافِرٍ جُمُعَةٌ " رَوَاهُ اَلطَّبَرَانِيُّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ.

المعجم الاوسط للطبرانی: ۱/۴۵۴(۸۲۲)، البیہقی: ۳/۱۸۳، ۱۸۴، المجروحین لابن حبان: ۲/۲۰، الاحکام الوسطی: ۲/۱۰۱، الدارقطنی: ۲/۳، بیان الوهم والایهام: ۳/۳۹۸

۴۶۵: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " مسافر پر جمعہ نہیں۔" امام طبرانی نے اسے ضعیف سند سے روایت کیا ہے۔

تشریح: یہ روایت امام طبرانی نے حضرت عبداللہ عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوع نقل کی ہے اس روایت کا مرکزی راوی عبداللہ بن نافع ہے۔ امام طبرانی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ نافع سے فقط اس کا بیٹا عبداللہ ہی بیان کرتا ہے۔ امام ابن حبان نے اسے منکر الحدیث قرار دیا ہے۔

امام بیہقی نے یہ روایت نافع سے ایک دوسرے طریق سے بھی مرفوع نقل کی ہے تاہم ان کا کہنا ہے کہ صحیح یہی ہے کہ مذکورہ الفاظ رحمت عالم ﷺ کے نہیں بلکہ عبداللہ بن عمر کا اپنا قول ہے۔

امام بیہقی نے اس کی مؤید روایت حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے بھی مرفوع نقل کی ہے، تاہم یہ روایت پہلی روایت سے بھی زیادہ کمزور ہے کیونکہ اس روایت کی سند میں ضعیف راویوں کی ایک زنجیر ہے۔ یعنی تمیم داری سے یہ روایت ابوعبداللہ شامی بیان کرتا ہے، امام ذہبی فرماتے ہیں یہ معروف نہیں۔ ابوعبداللہ سے یہ روایت ضرار بن عمرو نقل کرتا ہے، حافظ عبدالحق اشبیلی فرماتے ہیں اس کا کوئی متابع نہیں، ضرار سے یہ روایت غالباً حکم ابی عمرو عینی نقل کرتا ہے، موصوف تمام نامور ماہرین فن کے نزدیک ضعیف ہے۔

اس مضمون کی ایک روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، وہ روایت عبداللہ بن لھیعہ اور اس کے شیخ معاذ بن محمد انصاری کی وجہ سے ضعیف ہے۔ نیز ابوزبیر نے یہ روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے معنعن نقل کی ہے۔ اور ابوزبیر معروف مدلس ہے، لہٰذا یہ روایت تین علتوں کی وجہ سے ضعیف ہے۔ امام ابن قطان نے انہیں تین علل کی نشاندہی کی ہے۔

۴۶۶: وَعَنْ عَبْدِ اَللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُولُ اَللَّهِ ﷺ إِذَا اسْتَوَى عَلَى الْمِنْبَرِ اسْتَقْبَلْنَاهُ بِوُجُوهِنَا. رَوَاهُ اَلتِّرْمِذِيُّ ,بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ.

الترمذی، ابواب الجمعة، باب فی استقبال الامام اذا خطب: ۵۱۳، میزان الاعتدال: ۶/۲۹۷

۴۶۶: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ جب منبر پر کھڑے ہوتے تو ہم اپنے چہرے رُخ انور کی طرف کر لیتے۔ اسے ترمذی نے ضعیف سند سے روایت کیا ہے۔

تشریح: اس روایت کا انحصار محمد بن فضل بن عطیہ نامی راوی پر ہے، اسے امام ابن ابی شیبہ اور جوزجانی نے جھوٹا قرار دیا ہے، جبکہ دیگر

نامور ماہرین بن نے اسے ضعیف یا متروک قرار دیا ہے۔

۴۶۷: وَلَهُ شَاهِدٌ مِنْ حَدِيثِ الْبَرَاءِ عِنْدَ ابْنِ خُزَيْمَةَ.

البيهقى: ۱۹۸/۳

تنبیہ: مطبوعہ ابن خزیمہ میں یہ روایت نہیں ہے۔

۴۶۷: ابن خزیمہ میں حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی روایت اس کی شاہد ہے۔

تشریح: عندابن خزيمة سے مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی اگر مراد امام ابن خزیمہ ہیں تو پھر اس بیان کے درست ہونے میں شک نہیں کیونکہ امام بیہقی نے امام ابن خزیمہ کے طریق سے یہ روایت نقل کی ہے اور اگر اس سے مراد صحیح ابن خزیمہ ہے تو پھر یہ بیان شاید درست نہیں کیونکہ راقم کو یہ روایت ابن خزیمہ سے نہیں ملی۔

امام بیہقی نے اس روایت کو جس سند سے نقل کیا ہے اس سند میں اسماعیل بن اسحاق نامی ایک راوی ہے۔ اگر یہ انصاری ہے تو پھر یہ منکر الحدیث ہے اور اگر کوئی اور ہے تو پھر اس کی روایت اس وقت تک قابل حجت نہیں جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ یہ کون ہے اور کیسا ہے؟ یہ روایت اگرچہ ضعیف ہے، تاہم اس مسئلہ پر امت کا اجماع ہے کہ سامعین کو دوران خطبہ امام کی طرف منہ کر کے بیٹھنا چاہیے۔

۴۶۸: وَعَنِ الْحَكَمِ بْنِ حَزْنٍ رضی اللہ عنہ قَالَ شَهِدْنَا الْجُمُعَةَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَامَ مُتَوَكِّئًا عَلَى عَصًا أَوْ قَوْسٍ. رَوَاهُ أَبُو دَاوُد.

ابوداود، تفريع ابواب الجمعة، باب الرجل يخطب على القوس: ۱۰۹۶، ابن خزيمة: ۱۴۵۲، احمد: ۲۱۴/۳

۴۶۸: حضرت حکم بن حزن رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ جمعہ میں حاضر تھے، آپ ﷺ لاٹھی یا کمان کا سہارا لیے کھڑے تھے۔ (ابوداؤد)

تشریح: دوران خطبہ عصا یا کمان لے کر کھڑے ہونا مسنون ہے، اس عمل کا مسنون ہونا نہ صرف حکم بن حزن سے منقول ہے بلکہ بعض دوسرے صحابہ سے بھی اسی مضمون کی احادیث منقول ہیں۔

حضرت فاطمہ بن قیس رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ اور آپ ﷺ کے ہاتھ میں عصا تھا آپ ﷺ اس کے ایک سرے کو زمین پر رکھ کر فرما رہے تھے: "یہ طیبہ ہے یہ طیبہ ہے۔" یعنی مدینہ شریف۔

(۲) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے عید کے خطبہ کے دوران قوس پر ٹیک لگا رکھی تھی۔ اس مضمون کی بعض ضعیف روایات بھی منقول ہیں۔

فقہی احکام: (۱) جمعہ اور عیدین کا خطبہ کھڑے ہو کر دینا مسنون ہے۔ (۲) دوران خطبہ عصا یا قوس کا سہارا لینا مسنون ہے۔

۱۳۔ بَابُ صَلَاةِ الْخَوْفِ — نماز خوف کا بیان

۴۶۹: عَنْ صَالِحِ بْنِ خَوَّاتٍ عَمَّنْ صَلَّى مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ يَوْمَ ذَاتِ الرِّقَاعِ صَلَاةَ الْخَوْفِ أَنَّ طَائِفَةً صَلَّتْ مَعَهُ وَطَائِفَةٌ وِجَاهَ الْعَدُوِّ ,فَصَلَّى بِالَّذِينَ مَعَهُ رَكْعَةً ,ثُمَّ ثَبَتَ قَائِمًا وَأَتَمُّوا لِأَنْفُسِهِمْ ,ثُمَّ انْصَرَفُوا فَصَفُّوا وِجَاهَ الْعَدُوِّ, وَجَاءَتِ الطَّائِفَةُ الْأُخْرَى ,فَصَلَّى بِهِمُ الرَّكْعَةَ الَّتِي بَقِيَتْ ,ثُمَّ ثَبَتَ جَالِسًا وَأَتَمُّوا لِأَنْفُسِهِمْ ,ثُمَّ سَلَّمَ بِهِمْ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ,وَهَذَا لَفْظُ مُسْلِمٍ وَوَقَعَ فِي الْمَعْرِفَةِ لِابْنِ مَنْدَهْ ,عَنْ صَالِحِ بْنِ خَوَّاتٍ ,عَنْ أَبِيهِ.

مسلم، کتاب الصلاۃ المسافرین و قصرھا، باب صلاۃ الخوف: ۸۴۲، البخاری: ۴۱۲۹، البیھقی: ۲۵۲/۳،معرفۃ السنن والآثار: ۱۸۲۸ - ۱۸۳۱، ابوداود: ۱۲۳۸، الترمذی: ۵۷۲، احمد: ۴۴۸/۳، الدارقطنی: ۶۰/۲، فتح الباری: ۴۲۲/۷، علل الحدیث لابن ابی حاتم: ۳۵۲، ابن خزیمۃ: ۲۹۹/۲

۴۶۹: صالح بن خوات نے اس صحابی سے روایت کیا ہے جس نے غزوہ ذات الرقاع میں رسول اللہ ﷺ کی اقتدا میں نماز خوف پڑھی تھی، (اس صحابی نے بیان کیا) آپ ﷺ کے جانثاروں کے ایک دستے نے آپ ﷺ کی اقتدا میں صف بنائی اور دوسرا دستہ دشمن کے سامنے صف آرا ہوا، وہ دستہ جو آپ ﷺ کے ساتھ تھا، آپ ﷺ نے اسے ایک رکعت نماز پڑھائی، پھر آپ ﷺ کھڑے رہے اور اس دستے نے اپنی نماز اپنے طور پر مکمل کی، اس کے بعد دشمن کے سامنے جا کر صف آرا ہو گئے، پھر دوسرا دستہ (آپ ﷺ کے پیچھے) آ گیا اور آپ ﷺ نے اسے وہ رکعت پڑھائی جو آپ ﷺ کی باقی تھی، پھر آپ ﷺ بیٹھے رہے اور اس دستے نے اپنے طور پر اپنی نماز مکمل کی، پھر آپ ﷺ نے ان کے ساتھ سلام پھیرا۔ (بخاری و مسلم) اور یہ الفاظ مسلم کے ہیں، ابن مندہ نے (اپنی معروف کتاب) **المعرفۃ** میں یہ روایت صالح بن خوات عن ابیہ کے طریق سے نقل کی ہے۔

لغوی تحقیق: **الرقاع**: راء مکسور اور قاف مخفف، ایک علاقہ کا نام جس میں یہ جنگ لڑی گئی تھی اس لیے اسے **غزوہ ذات الرقاع** کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، نیز یہ **رقعۃ** کی جمع ہے، اس کے معنی پٹی کے ہیں، حق و باطل کے اس معرکہ میں داعیان حق کے جوتے پھٹ گئے تھے جس بنا پر داعیان حق کے اس قافلے نے اپنے پاؤں پر پٹیاں باندھ لی تھیں، ایک قول کے مطابق اسی مناسبت سے اسے غزوہ ذات الرقاع کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ **وجاہ**: واؤ مکسور اور جیم مخفف، یعنی روبرو، یا آمنے سامنے۔ **مندہ**: میم مفتوح اور نون غنہ۔

تشریح: صالح بن خوات سے یہ حدیث یزید بن رومان اور قاسم بن محمد نقل کرتے ہیں، ان دونوں بزرگوں میں سے ہر ایک سے یہ روایت دو دو طرق سے منقول ہیں۔ یزید بن رومان سے یہ روایت جب مالک نقل کرتے ہیں تو وہ اس واقعہ کے عینی شاہد کا نام ذکر نہیں کرتے، فقط یہ ذکر کرتے ہیں کہ صالح بن خوات نے یہ روایت غزوہ ذات الرقاع کے عینی شاہد سے بیان کی ہے، لیکن یزید بن رومان سے جب یہ روایت عبداللہ بن عامر اویسی نقل کرتے ہیں تو وہ صالح بن خوات عن ابیہ بیان کرتے ہیں۔ مؤلف رحمہ اللہ نے اس طریق سے مروی حدیث کو معرفۃ الصحابہ لابن مندہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ قاسم بن محمد سے یہ روایت یحییٰ بن سعید انصاری، عبیداللہ بن عمر العمری اور عبدالرحمٰن بن قاسم وغیرہم نقل کرتے ہیں، یحییٰ بن سعید انصاری اور عبدالرحمٰن بن قاسم، صالح بن خوات عن سہل بن ابی حثمہ کے طریق سے نقل کرتے ہیں، ان طرق کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے۔

لیکن یہی روایت قاسم بن محمد سے جب عبیداللہ بن عمر العمری نقل کرتے ہیں تو وہ صالح بن خوات عن ابیہ بیان کرتے ہیں۔ صالح بن خوات نے یہ روایت یقیناً اپنے والد خوات بن جبیر اور سہل بن ابی حثمہ سے سنی ہوگی، لیکن اس میں اشکال یہ ہے کہ اس واقعہ کا عینی شاہد خوات بن جبیر ہے یا سہل بن ابی حثمہ ہے، یا دونوں ہیں؟

مؤلف رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ راجح یہی ہے کہ اس سے مراد خوات بن جبیر ہیں کیونکہ آپ ﷺ کے انتقال کے وقت سہل بن ابی حثمہ کی عمر آٹھ سال تھی، جبکہ امام ابن ابی حاتم کا کہنا ہے کہ سہل بن ابی حثمہ اصحاب شجرہ میں شامل تھے۔ مؤلف رحمہ اللہ کا مذکورہ قول فقط اسی صورت میں درست ہو سکتا ہے اگر وہ روایت جسے ابن مندہ نے اپنی سند سے معرفۃ الصحابہ میں نقل کیا ہے، اول تا آخر ثقات رواۃ پر مبنی ہو کیونکہ جس سند سے امام ابن خزیمہ اور امام بیہقی نے یہ روایت نقل کی ہے وہ طریق عبداللہ بن عمر العمری کی وجہ سے ضعیف ہے۔

رحمت عالم ﷺ نے موقع کی مناسبت سے مختلف مواقع پر مختلف طریقوں سے صلاۃ الخوف ادا فرمائی، زیر مطالعہ حدیث میں صلاۃ الخوف پڑھنے کا فقط ایک طریقہ منقول ہے اور یہ طریقہ اس وقت اختیار کیا جانا چاہیے، جب میدان کارزار پوری طرح گرم نہ ہو۔

فقہی احکام: (۱) طبل جنگ بجنے سے پہلے اگر نماز کا وقت ہو جائے تو میدان جنگ ہی میں نماز باجماعت کا اہتمام کیا جائے۔

(۲) میدان جنگ میں امام ضرورت کے تحت قیام اور تشہد کو لمبا کر سکتا ہے۔ (۳) عمل کثیر سے نماز باطل نہیں ہوتی۔

۴۷۰: **وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ غَزَوْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ قِبَلَ نَجْدٍ ,فَوَازَيْنَا الْعَدُوَّ ,فَصَافَفْنَاهُمْ ,فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَصَلّٰى بِنَا ,فَقَامَتْ طَائِفَةٌ مَعَهُ ,وَأَقْبَلَتْ طَائِفَةٌ عَلَى الْعَدُوِّ ,وَرَكَعَ بِمَنْ مَعَهُ ,وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ,ثُمَّ انْصَرَفُوا مَكَانَ الطَّائِفَةِ الَّتِي لَمْ تُصَلِّ فَجَاءُوْا ,فَرَكَعَ بِهِمْ رَكْعَةً ,وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ,ثُمَّ سَلَّمَ ,فَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ ,فَرَكَعَ لِنَفْسِهِ رَكْعَةً ,وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَهٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِيِّ.**

البخاری، کتاب الخوف، باب صلاۃ الخوف: ۹۴۲، مسلم: ۸۳۹، ابوداود: ۱۲۴۳، الترمذی: ۵۶۹، النسائی: ۳/۱۷۱، ۱۷۲، احمد: ۱۵۵/۲، ابن خزیمۃ: ۲۹۸/۲

تنبیہ: مؤلف رحمہ اللہ نے ذکر کردہ الفاظ کو صحیح بخاری کی طرف منسوب کیا ہے، لیکن مطبوعہ صحیح بخاری میں مذکورہ روایت کے الفاظ مؤلف رحمہ اللہ کے نقل کردہ الفاظ سے قدرے مختلف ہیں۔

۴۷۰: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی کمان میں نجد کی طرف لڑی گئی ایک لڑائی میں شریک ہوا، ہم دشمن کے مقابلہ میں صف آرا ہوئے، اس دوران آپ ﷺ نے ہمیں اس طرح نماز پڑھائی کہ ایک دستہ آپ ﷺ کی اقتدا میں اور دوسرا دستہ دشمن مقابلے میں کھڑا ہو گیا، جو دستہ آپ ﷺ کی اقتدا میں تھا، اس نے آپ ﷺ کے ساتھ ایک رکوع اور دو سجدے کیے، پھر یہ دستہ اس پوزیشن پر پہنچ گیا جس پوزیشن پر وہ دستہ کھڑا تھا جس نے ابھی تک نماز نہیں پڑھی تھی، وہ دستہ نماز کے لیے آیا آپ ﷺ نے اس دستہ کو بھی ایک رکوع اور دو سجدوں پر مشتمل نماز پڑھائی، پھر آپ ﷺ نے سلام پھر دیا جبکہ دونوں دستوں نے دوسری رکعت اپنی اپنی پڑھی۔ بخاری و مسلم، مذکورہ الفاظ بخاری کے ہیں۔

لغوی تحقیق: قبل: قاف مکسور، باء مفتوح، طرف یا جہت۔ نجد: بلاد عرب کا وہ علاقہ جو سطح مرتفع پر واقع ہے، یہ علاقہ حجاز سے مشرق کی طرف ہے۔ فوازینا: ہم مقابلے کے لیے آمنے سامنے آئے۔

تشریح: اس حدیث میں بھی یقیناً غزوہ ذات الرقاع کے موقع پر پڑھی گئی نماز کا تذکرہ ہے۔ کیونکہ غزوہ ذات الرقاع بھی نجد کے علاقہ میں ہوا تھا۔

۴۷۱: **وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ شَهِدْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ صَلَاةَ الْخَوْفِ، فَصَفَّنَا صَفَّيْنِ: صَفٌّ خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَالْعَدُوُّ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ ,فَكَبَّرَ النَّبِيُّ ﷺ وَكَبَّرْنَا جَمِيعًا ,ثُمَّ رَكَعَ وَرَكَعْنَا جَمِيعًا ,ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ وَرَفَعْنَا جَمِيعًا ,ثُمَّ انْحَدَرَ بِالسُّجُودِ وَالصَّفُّ الَّذِي يَلِيهِ ,وَقَامَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ فِي نَحْرِ الْعَدُوِّ ,فَلَمَّا قَضَى السُّجُودَ, قَامَ الصَّفُّ الَّذِي يَلِيهِ... فَذَكَرَ الْحَدِيثَ وَفِي رِوَايَةٍ ، ثُمَّ سَجَدَ وَسَجَدَ مَعَهُ الصَّفُّ الْأَوَّلُ ,فَلَمَّا قَامُوا سَجَدَ الصَّفُّ الثَّانِي ,ثُمَّ تَأَخَّرَ الصَّفُّ الْأَوَّلِ وَتَقَدَّمَ الصَّفُّ الثَّانِي فَذَكَرَ مِثْلَهُ وَفِي آخِرِهِ ،ثُمَّ سَلَّمَ النَّبِيُّ ﷺ وَسَلَّمْنَا جَمِيعًا .رَوَاهُ مُسْلِمٌ**

مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین و قصرھا، باب صلاۃ الخوف: ۸۴۰، النسائی: ۱۷۵/۳، ابن ماجۃ: ۱۲۶۰، احمد: ۳۱۹/۳، البیھقی: ۶۱۱۹

۴۷۱: حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نماز خوف کے وقت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ موجود تھا، ہم نے دو صفیں بنائیں، ایک صف رسول اللہ ﷺ کے پیچھے کھڑی ہوگئی، جبکہ دشمن قبلہ کی سمت ہمارے سامنے تھا، نبی مکرم ﷺ نے تکبیر فرمائی تو سب نے ایک ساتھ تکبیر کہی، پھر آپ ﷺ نے رکوع کیا تو سب نے رکوع کیا، پھر آپ ﷺ نے رکوع سے سر اُٹھایا تو ہم سب نے رکوع سے سر اٹھایا، پھر آپ ﷺ نے سجدہ فرمایا تو وہ صف سجدہ میں گئی جو آپ ﷺ کے متصل پیچھے کھڑی تھی، جبکہ پچھلی دشمن کے مقابلے میں بدستور کھڑی رہی، جب آپ ﷺ نے دونوں سجدے مکمل کر لیے، تو وہ صف بھی کھڑی ہوگئی جو آپ ﷺ کے پیچھے تھی۔ پھر راوی نے پوری حدیث بیان کی۔ ایک روایت میں ہے کہ پھر آپ ﷺ نے سجدہ فرمایا تو پہلی صف نے بھی سجدہ کیا، جب یہ سب کھڑے ہوگئے تو پھر دوسری صف نے سجدہ کیا اور پہلی صف پیچھے ہٹ گئی اور دوسری صف آگے آگئی۔ آگے راوی نے سابقہ روایت کی طرح بیان کیا اور آخر میں اس طرح بیان کیا کہ پھر نبی مکرم ﷺ نے سلام پھیرا اور ہم سب نے بھی سلام پھیرا۔ اسے مسلم نے بیان کیا ہے۔

تشریح: امام مسلم نے جابر سے مروی روایت دو طرق سے نقل کی ہے دوسرے طریق میں یہ صراحت ہے کہ یہ غزوہ جھینہ قبیلے سے ہوا تھا اور فریقین میں سخت مقابلہ ہوا تھا، جب میدان حرب ٹھنڈا ہوا تو مسلمانوں نے ایک ساتھ ظہر کی نماز پڑھی۔ مسلمان جب نماز سے فارغ ہوئے تو کفار نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا اگر ہم ان پر ایک ساتھ حملہ کرتے تو مسلمانوں کا قلع قمع کر دیتے۔ جبریل نے کفار کے اس ارادے سے رسول اللہ ﷺ کو آگاہ فرما دیا، جب عصر کی نماز کا وقت ہوا تو آپ ﷺ نے مذکورہ طریقے کے مطابق نماز خوف ادا فرمائی۔ امام ابوداؤد نے ابوعیاش زرقی کے طریق سے جو روایت نقل کی ہے اس میں یہ صراحت ہے کہ غزوہ عسفان کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے مذکورہ طریقہ کے مطابق نماز خوف پڑھائی تھی۔ زیر مطالعہ حدیث میں نماز خوف پڑھنے کا جو طریقہ مذکور ہے وہ عبداللہ بن عمر اور صالح بن خوات کے بیان کردہ طریقہ سے مختلف ہے اور ایسا جنگی حالات کی مناسبت سے ہے۔

فقہی احکام: جنگی حالات میں امام کی اقتدا بعض ارکان میں اگر نہ بھی کی جا سکے تو بھی کوئی حرج نہیں۔

۴۷۲: وَلِأَبِي دَاوُدَ عَنْ أَبِي عَيَّاشٍ الزُّرَقِيِّ مِثْلُهُ ,وَزَادَ أَنَّهَا كَانَتْ بِعُسْفَانَ.

ابوداود، تفریع ابواب صلاۃ السفر، باب صلاۃ الخوف: ۱۲۳۶، النسائی: ۱۷۷/۳، احمد: ۵۹/۴، معرفۃ السنن و الآثار: ۱۸۴۱، الدارقطنی: ۵۹/۲، البیھقی: ۲۵۶/۳، البخاری: ۴۱۲۵، ۴۱۲۶، ۴۱۳۰، فتح الباری: ۴۲۳/۷، المنھل العذب المورود: ۱۰۱/۷

۴۷۲: امام ابوداؤد نے حضرت ابوعیاش رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل نقل کیا ہے اور مزید یہ بیان کیا ہے کہ یہ نماز مقام عسفان پر ادا کی گئی۔

لغوی تحقیق: عسفان: عین مضموم، یہ مکہ اور مدینہ کے مابین ایک مقام ہے، اسے آج کل مدرج عثمان کہا جاتا ہے۔

تشریح: مؤلف رحمہ اللہ نے فتح الباری میں یہ وضاحت کی ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں جس نماز خوف کا ذکر ہے وہ وہی ہے جو آپ ﷺ نے مقام عسفان پر ادا فرمائی تھی۔ مؤلف رحمہ اللہ کی اس صراحت سے یہ واضح ہوا کہ اس وقت قصبہ عسفان میں قبیلہ جھینہ کے لوگ آباد تھے۔ حافظ صاحب کا نقل کردہ بیان اگر درست ہے تو پھر حضرت جابر اور حضرت ابوعیاش رضی اللہ عنہما سے مروی روایات کے مابین کوئی تعارض نہیں، البتہ حضرت ابوعیاش رضی اللہ عنہ سے مروی روایات باہم معارض ہیں، کیونکہ انہوں نے ایک روایت میں یہ واضح کیا

ہے کہ آپ ﷺ نے غزوہ بنی سلیم کے موقع پر بھی اسی طرح نماز پڑھائی تھی، اس میں تعارض یہ ہے کہ غزوہ عسفان، غزوہ بنی قریظہ کے بعد ۶ھ میں پیش آیا، راوی کی صراحت کے مطابق صلاۃ الخوف سے متعلق آیت قصبہ عسفان میں ظہر اور عصر کے مابین نازل ہوئی۔ اور آپ ﷺ نے نماز عصر اسی حکم کی روشنی میں ادا فرمائی۔ جبکہ غزوہ بنی سلیم، غزوہ بدر کے بعد اور غزوہ احد سے پہلے، آپ ﷺ کی کمان میں ہوا تھا۔ اس غزوہ میں آپ ﷺ نے اسلامی لشکر کا پرچم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمایا تھا اور مدینہ منورہ میں اپنا نائب حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ واقعہ غزوہ عسفان سے بہت پہلے کا ہے۔

علامہ محمود الخطاب سبکی نے اس تعارض کو دور کرتے ہوئے لکھا ہے، ممکن ہے کہ بنو سلیم کے ساتھ مسلمانوں کا دو دفعہ معرکہ ہوا ہو، پہلی بار غزوہ بدر کے بعد اور دوسری بار غزوہ عسفان کے بعد، حضرت ابو عیاش رضی اللہ عنہ نے جس غزوہ بنی سلیم کا ذکر کیا ہے، وہ بعد والا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

امام بخاری نے نماز خوف سے متعلق حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی متعدد روایات نقل کی ہیں، ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ساتویں غزوے غزوہ الرقاع میں اپنے ساتھیوں کو نماز خوف پڑھائی۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نخل سے ذات الرقاع کی طرف چلے اور آپ ﷺ کا سامنا غطفان قبیلے کی ایک جماعت سے ہوا، لیکن آپ ﷺ اور ان کے درمیان قتال کی نوبت نہیں آئی، تاہم دونوں لشکر ایک دوسرے سے خوفزدہ رہے، چنانچہ آپ ﷺ نے وہاں نماز خوف پڑھی۔ تیسری روایت میں ہے کہ ہم آپ ﷺ کے ساتھ مقام نخل پر تھے۔ چوتھی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے انہیں غزوہ محارب وثعلبہ میں نماز خوف پڑھائی۔

مؤلف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی مذکور روایات بیان کر کے یہ واضح کیا ہے یہ تینوں روایات غزوات الرقاع ہی سے متعلق ہیں، لیکن اس میں نظر ہے کیونکہ ہشام عن ابی زبیر کے طریق سے جو روایت مروی ہے (یعنی تیسری روایت) وہ اس بات پر دلالت کرتی ہے، کہ یہ واقعہ غزوہ ذات الرقاع کا نہیں بلکہ غزوہ عسفان کا ہے۔ یعنی حافظ صاحب کے بیان سے واضح ہو رہا ہے کہ ان کے نزدیک غزوہ جہینہ اور غزوہ عسفان ایک ہی غزوہ کے دو نام ہیں۔

اس مقام پر صلاۃ الخوف اس طرح ادا کی گئی کہ اسلامی لشکر کی دو صفیں بنا دیں گئیں اور دونوں صفیں آپ ﷺ کے پیچھے کھڑی ہو گئیں۔ دونوں صفوں نے تکبیر تحریمہ، قیام و رکوع اور قومہ ایک ساتھ آپ ﷺ کی اقتدا میں ادا کیا، مگر آپ ﷺ کے ساتھ سجدے فقط پہلی صف نے کئے، آپ ﷺ اور پہلی صف والے جب سجدے کر کے کھڑے ہو گئے تب دوسری صف نے سجدے کیے، جب وہ بھی سجدے کر کے فارغ ہو گئے تو وہ پہلی صف کی جگہ آ گئے اور پہلی صف ان کی جگہ پر چلی گئی، پھر دوسری رکعت بھی اسی طرح ادا کی گئی۔

۴۷۳: وَلِلنَّسَائِيِّ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ اَلنَّبِيَّ ﷺ صَلَّى بِطَائِفَةٍ مِنْ أَصْحَابِهِ رَكْعَتَيْنِ ,ثُمَّ سَلَّمَ ,ثُمَّ صَلَّى بِآخَرِينَ أَيْضًا رَكْعَتَيْنِ ,ثُمَّ سَلَّمَ.

النسائی، کتاب صلاۃ الخوف: ۱۵۵۳، الدارقطنی: ۲/ ۶۰، ۶۱، البیہقی: ۳/ ۲۵۹، مسلم: ۸۴۳، البخاری: ۴۱۳۶، ابن خزیمۃ: ۲/۲۹۷، ۲۹۸، التحقیق لابن جوزی: ۷۹۷، التنفیح لابن عبدالهادی: ۲/۵، معرفة السنن و الآثار: ۳/۱۷

۴۷۳: نسائی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک دوسرے طریق سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے ساتھیوں کے ایک دستہ کو دو رکعات پڑھا کر سلام پھیر دیا، پھر دوسرے لشکر کو بھی اسی طرح دو رکعات پڑھا کر سلام پھیر دیا۔

تشریح: امام نسائی نے یہ روایت جس سند سے نقل کی ہے، اس میں تین علتیں ہیں۔ (۱) حماد بن سلمہ مدلس ہے اس نے یہ روایت عن

سے نقل کی ہے۔(۲) قتادہ مدلس ہے اس نے بھی یہ روایت عن سے نقل کی ہے۔(۳) حسن بصری کا حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سماع مشکوک ہے۔امام دارقطنی نے اس روایت کو جس طریق سے نقل کیا ہے، اس میں دو علتیں ہیں (۱) عنبسہ ضعیف ہے۔(۲) حسن بصری کا حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سماع مشکوک ہے۔امام ابن خزیمہ نے یہ روایت جس طریق سے بیان کی ہے اس میں فقط آخری علت ہے۔لیکن صحیح مسلم میں یہ روایت صحیح سند سے مذکور ہے۔اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ اگر خطرہ کم ہو تو پھر امام اپنی سپاہ کو دو دستوں میں تقسیم کر کے ہر دستہ کو دو دو رکعات پڑھا دے۔

فقہی احکام: بوقت ضرورت امام ایک ہی نماز کی دو مرتبہ جماعت کروا سکتا ہے۔

۴۷۴: وَمِثْلُهُ لِأَبِي دَاوُدَ ,عَنْ أَبِي بَكْرَةَ.

ابو داود، تفريع ابواب صلاة السفر، باب من قال يصلي بكل طائفة ركعتين: ۱۲۴۸، النسائي: ۱۷۸/۳، احمد: ۳۹/۵، ابن حبان: ۲۸۸۱، ۲۸۸۲، الدارقطني: ۶۱/۲، البيهقي: ۲۵۹/۳، معرفة السنن والآثار: ۱۷/۳

۴۷۴: ابوداؤد میں اسی طرح کی ایک روایت حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

تشریح: امام بیہقی فرماتے ہیں کہ ابوبکرہ سے حسن بصری کا سماع ثابت ہے۔اگر ایسا ہے تو پھر یہ روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کو تقویت دیتی ہے۔

۴۷۵: وَعَنْ حُذَيْفَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى صَلَاةَ الْخَوْفِ بِهَؤُلَاءِ رَكْعَةً ,وَبِهَؤُلَاءِ رَكْعَةً ,وَلَمْ يَقْضُوا .رَوَاهُ أَحْمَدُ, وَأَبُو دَاوُدَ ,وَالنَّسَائِيُّ ,وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

ابو داود، تفريع ابواب صلاة السفر، باب من قال يصلي بكل طائفة ركعة ولا يقضون: ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، النسائي: ۱۶۷/۳-۱۶۹، احمد: ۳۸۵/۵، ابن حبان: ۱۴۵۲، ۱۴۷۱، ۲۸۷۱، ابن خزيمة: ۲۹۳/۲، ۲۹۴، البيهقي: ۲۱۳۹، مسلم: ۶۷۹، ۶۸۷

۴۷۵: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کو نماز خوف ایک رکعت پڑھائی اور ان کو بھی ایک رکعت پڑھائی اور انہوں نے نماز کو پورا نہیں کیا۔اسے احمد، ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے، ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ میدان کارزار کے حالات اگر زیادہ سنگین ہوں تو پھر امام اسلامی سپاہ کو دو دستوں میں منقسم کر دے، ایک دستہ امام کے پیچھے کھڑا ہو جائے اور دوسرا دستہ دشمن کے سامنے صف آرا ہو جائے، امام ہر دستہ کو ایک ایک رکعت پڑھا دے اور یہی ایک رکعت ہر دستے کے لیے کافی سمجھی جائے۔

حضرت حذیفہ، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہم، امام سفیان ثوری، امام احمد اور امام اسحاق وغیرہ کا یہی موقف ہے۔ان حضرات کے موقف کو وہ حدیث بھی تقویت دیتی ہے، جو امام مسلم، امام ابن خزیمہ، امام ابن حبان اور امام نسائی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی ﷺ کی زبان مبارک کے ذریعے حضر کی چار اور سفر کی دو رکعات جبکہ خوف کی ایک رکعت فرض کی ہے۔

جمہور اہل علم کا کہنا ہے کہ سفر کی دو ہی رکعات ہیں خواہ خوف ہو یا امن، یہ حضرات حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کی تاویل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ان دونوں دستوں نے ایک ایک رکعت امام کے ساتھ پڑھی اور دوسری رکعت اپنی اپنی پڑھی۔اور لم یقضوا کا مطلب یہ ہے حالت جنگ میں اس طریقے پر پڑھی گئی نماز کو انہوں نے حالت امن میں دوبارہ نہیں لوٹایا۔جمہور

کی یہ تاویل حقائق سے بعید تر ہونے کی وجہ سے حجت نہیں۔

فقہی احکام: جنگی حالات اگر زیادہ خطرناک ہوں تو پھر اسلامی سپاہ کو ایک رکعت پڑھنے کی بھی اجازت ہے۔

۴۷۶: وَمِثْلُهُ عِنْدَ ابْنِ خُزَيْمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما.

صحیح ابن خزیمة، کتاب الصلاة، باب صلاة الخوف: ۱۳۴۴، النسائی: ۱۶۹/۳، ابن حبان: ۲۸۷۱، الحاکم: ۴۸۵/۱، احمد: ۲۳۲/۱، البیهقی: ۲۶۲/۳

تنبیہ: مطبوعہ مسند احمد میں اس روایت کی سند میں ایک اندراج غلط ہو گیا ہے یعنی "عن ابی بکر بن ابی الجهم" کی جگہ "عن ابن ابی بکر بن ابی الجهم" درج ہو گیا ہے۔

۴۷۶: ابن خزیمہ میں اسی کی مثل حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

تشریح: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ذوقرد نامی مقام پر نماز (خوف) پڑھائی، لشکر اسلام دوصفوں میں آپ ﷺ کے پیچھے اس طرح کھڑا ہوا کہ ایک دستہ آپ ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھنے لگا اور دوسرا دستہ دشمن کے سامنے صف آرا ہوا، آپ ﷺ نے پہلی صف کو ایک رکعت پڑھائی، یہ دستہ ایک رکعت پڑھ کر پیچھے والی صف کی جگہ چلا گیا اور پیچھے والی صف میں کھڑا ہوا دستہ آگے والی صف کی جگہ پر آ گیا، آپ ﷺ نے اس دستہ کو بھی ایک رکعت پڑھائی اور ان دونوں دستوں نے دوسری رکعت نہیں پڑھی۔ یہ روایت صحیح مسلم کی شرائط کے مطابق ہے۔

۴۷۷: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ "صَلَاةُ الْخَوْفِ رَكْعَةٌ عَلَى أَيِّ وَجْهٍ كَانَ" رَوَاهُ الْبَزَّارُ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ.

کشف الاستار: ۶۷۸، مجمع الزوائد: ۱۹۹/۲

۴۷۷: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "نماز خوف ایک ہی رکعت ہے، خواہ وہ کسی طرح بھی ادا ہو جائے۔" اس روایت کو امام بزار نے ضعیف سند سے نقل کیا ہے۔

تشریح: اس روایت کا مرکزی راوی محمد بن عبدالرحمٰن البیلمانی سخت ضعیف ہے، کیونکہ امام بخاری اور امام نسائی نے اسے منکر الحدیث کہا ہے، امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ یہ اپنے باپ سے ایک نسخہ روایت کرتا ہے جس میں تقریباً دوصد روایات ہیں وہ سب کی سب من گھڑت ہیں۔ ھیثمی نے اسے سخت ضعیف قرار دیا ہے۔

۴۷۸: وَعَنْهُ مَرْفُوعًا "لَيْسَ فِي صَلَاةِ الْخَوْفِ سَهْوٌ" أَخْرَجَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ.

الدارقطنی: ۵۸/۲، الجرح و التعدیل: ۱۴/۶

۴۷۸: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے کہ نماز خوف میں سجدہ سہو نہیں۔ اسے دارقطنی نے ضعیف سند سے روایت کیا ہے۔

تشریح: امام دارقطنی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ روایت فقط عبدالحمید بن سری نقل کرتا ہے اور وہ ضعیف ہے، جب کہ راقم کے نزدیک یہ روایت موضوع کے قریب تر ہے کیونکہ امام ابوحاتم کا کہنا ہے کہ عبدالحمید بن سری، عبیداللہ بن عمر العمری کی طرف من گھڑت روایات منسوب کر کے بیان کرتا تھا۔

۱۴۔ بَابُ صَلَاةِ الْعِيْدَيْن عیدین کی نماز کا بیان

۴۷۹: عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ "الْفِطْرُ يَوْمَ يُفْطِرُ النَّاسُ ,وَالْأَضْحَى يَوْمَ يُضَحِّي النَّاسُ " رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

الترمذی، ابواب الصوم، باب الفطرو الاضحی متی یکون: ۸۰۲، الدارقطنی: ۲/۲۲۵، کتاب الام: ۱/۲۳۰

۴۷۹: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " عیدالفطر اس دن ہے جس دن لوگ روزہ رکھنا ترک کرتے ہیں اور عیدالضحیٰ اس دن ہے جس دن لوگ قربانیاں کرتے ہیں۔" (ترمذی)

لغوی تحقیق: **عیدین:** یہ عید کا تثنیہ ہے، اس کا مادہ ع، و، د ہے، اس کے معنی غم، خوشی یا بیماری کے بار بار لوٹ کر آنے کے ہیں، عید کو عید بھی اسی لیے کہا جاتا ہے کہ یہ ہر سال فرحت و مسرت سے لبریز دامن کے ساتھ لوٹ کر آتی ہے، اس کی جمع افعال کے وزن پر " **اعیاد**" آتی ہے۔ **یفطر:** یاء مضموم، فا ساکن اور طا مکسور، یعنی روزہ نہیں رکھتے۔ **الاضحی:** یہ **الاضحاۃ** کی جمع ہے۔ **یضحی:** یہ **تضحیۃ** سے ماخوذ ہے، قربانی کے جانور کو ذبح کرنا۔

تشریح: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت عروہ بن زبیر کے طریق سے منقول ہے، لیکن یہ طریق ابراہیم بن محمد کے متروک ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے، اسی طرح کی ایک روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، مگر وہ روایت بھی ضعیف ہے، کیونکہ محمد بن المنکدر کا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سماع ولقا ثابت نہیں۔

اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ عید اجتماعی مظاہرہ کا نام ہے یعنی اگر کوئی شخص چاند دیکھ لیتا ہے تو اسے یہ ہرگز اجازت نہیں کہ وہ اپنی رؤیت کو بنیاد بنا کر تنہا عید منالے، ایسے شخص کیلئے بھی یہ لازم ہے کہ وہ اکثریت کا احترام کرے، یعنی وہ شخص اسی روز عید منائے، جس دن دوسرے لوگ عید مناتے ہیں، اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ عید مسلمانوں کے اتحاد کی علامت اور قوت کے اظہار کا بہترین ذریعہ ہے مگر افسوس عصر حاضر میں اس روح کا فقدان ہے کیونکہ تقریباً ہر ہر مسجد عید گاہ بنی ہوئی ہے اور اکثر مسلمانوں نے عید کو لھو ولعب کے لیے مخصوص کر لیا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ عید اجتماعیت کے اظہار کا بہترین ذریعہ ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ روئے زمین پر رہنے والے تمام مسلمان یا ایک ملک میں رہنے والے تمام مسلمان ایک دن ہی عید منائیں۔ جیسا کہ عبداللہ بن عباس سے منقول ہے کہ ان سے کریب نے کہا کہ اہل شام نے چاند دیکھ کر جمعہ کا روزہ رکھا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، ہم نے چونکہ ہفتہ کی شب کو چاند دیکھا تھا اس لیے ہم نے روزوں کا آغاز ہفتہ سے کیا ہے۔

۴۸۰: وَعَنْ أَبِي عُمَيْرِ بْنِ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ ,عَنْ عُمُومَةٍ لَهُ مِنَ الصَّحَابَةِ أَنَّ رَكْبًا جَاءُوا ,فَشَهِدُوا أَنَّهُمْ رَأَوُا الْهِلَالَ بِالْأَمْسِ ,فَأَمَرَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ "أَنْ يُفْطِرُوا ,وَإِذَا أَصْبَحُوا يَغْدُوا إِلَى مُصَلَّاهُمْ "رَوَاهُ أَحْمَدُ ,وَأَبُو دَاوُدَ وَهَذَا لَفْظُهُ وَإِسْنَادُهُ صَحِيحٌ.

ابوداود، تفریع ابواب الجمعة، باب اذا لم یخرج الامام للعید من یومه یخرج من الغد: ۱۱۵۷، مسنداحمد: ۵/۵۷، النسائی: ۳/۱۸۰، ابن ماجة: ۱۶۵۳، الدارقطنی: ۲/۱۷۰

۴۸۰: ابوعمیر بن انس اپنے صحابی چچا سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کی خدمت میں چند سوار حاضر ہوئے اور انہوں نے شہادت دی کہ انہوں نے گزشتہ کل چاند دیکھا تھا، آپ ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ وہ روزہ (ابھی) افطار کرلیں لیکن عید منانے کے لیے کل صبح عیدگاہ کی طرف جائیں۔ اس حدیث کو احمد اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے، مذکورہ الفاظ ابوداؤد کے ہیں اور اس کی سند صحیح ہے۔

لغوی تحقیق: رکبا: دس یا اس سے کچھ زیادہ سواروں کا قافلہ۔ **الھلال**: یہ ھَلّ سے ماخوذ ہے یعنی ظاہر ہونا، پہلی رات کا چاند جب مطلع پر ظاہر ہوتا ہے تو اسے **الھلال** کہتے ہیں۔ **الامس**: گزشتہ کل۔ **یغدو**: دن کے اول حصہ میں چلیں گے۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ اگر رمضان کی انتیس تاریخ کو ایک ہی مطلع کے بعض مقامات پر چاند نظر آجائے اور بعض پر نہ آئے تو اس صورت میں اگر ان لوگوں کو جنہیں انتیس رمضان کو چاند نظر نہیں آیا تھا، دوسرے روز کسی معتبر ذرائع سے معلوم ہوجائے کہ آج یکم شوال ہے تو انہیں فوراً روزہ افطار کردینا چاہیے اور یہ اطلاع اگر زوال آفتاب سے پہلے مل جائے تو عید بھی اس روز پڑھ لی جائے ورنہ عید دوسرے روز پڑھی جائے، نیز اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ عید کی نماز عیدگاہ میں پڑھنا مسنون ہے۔

فقہی احکام: (۱) انتیس رمضان کو اگر چاند نظر نہ آئے تو تیس روزے پورے کیے جائیں۔ (۲) تیسواں روزہ رکھنے کے بعد اگر معتبر ذرائع سے یہ اطلاع مل جائے کہ اسی مطلع میں رہنے والے کسی علاقہ کے لوگوں کو چاند نظر آگیا ہے، تو پھر روزہ افطار کر دینا چاہیے۔ (۳) کسی شرعی عذر کی وجہ سے دوشوال کو بھی عید پڑھی جاسکتی ہے۔ (۴) حکومت کی طرف سے رؤیت ہلال کمیٹی کا اہتمام شرعی تقاضہ کے مطابق ہے۔ (۵) ایک مطلع کے لوگوں کو ایک ہی دن عید پڑھنی چاہیے۔ (۶) عید کی نماز عیدگاہ میں پڑھنی چاہیے۔ (۷) چاند دیکھنے والے کسی ذمہ دار کے سامنے جاکر شہادت دیں۔

۴۸۱: **وَعَنْ أَنَسٍ ﷛ قَالَ كَانَ رَسُولُ اَللَّهِ ﷺ لَا يَغْدُو يَوْمَ اَلْفِطْرِ حَتَّى يَأْكُلَ تَمَرَاتٍ .أَخْرَجَهُ اَلْبُخَارِيُّ وَفِي رِوَايَةٍ مُعَلَّقَةٍ وَوَصَلَهَا أَحْمَدُ ، وَيَأْكُلُهُنَّ إِفْرَادًا.**

البخاری، کتاب العیدین، باب الاکل یوم الفطر قبل الخروج: ۹۵۳، احمد: ۱۲۶/۳، ابن خزیمة: ۱۴۲۹، السنن الکبری للبیهقی: ۶۲۴۵، معرفة السنن والآثار: ۱۸۸۵، الترمذی: ۵۴۹، ابن ماجة: ۱۷۵۴، کشف الاستار: ۶۴۹، الطبرانی: ۲۰۳۹/۲

تنبیہ: (۱) شیخ خالد بن ضیف الشلاحی نے التبیان: ۲۲۳/۵ میں لکھا ہے کہ یاکلھن افرادا کے الفاظ مجھے نہ تو بخاری اور احمد سے ملے ہیں اور نہ کسی اور کتاب سے ملے ہیں۔ بخاری میں تو یقیناً نہیں ہیں لیکن احمد: ۱۲۲۷۰ میں یہ الفاظ موجود ہیں۔ (۲) مکتبہ دارالسلام والوں نے مولانا عبدالوکیل علوی کے ترجمہ سے جو بلوغ المرام کی شرح شائع کی ہے اس میں بخاری کی موصولاً روایت میں یأکلھن و ترات کے الفاظ زائد درج کردیے ہیں (اردو ترجمہ بلوغ المرام: ۳۲۴/۱)

۴۸۱: حضرت انس ﷛ نے بیان کیا کہ رسول اکرم ﷺ عید الفطر کی نماز کے لیے نکلنے سے پہلے چند کھجوریں تناول فرمایا کرتے تھے۔ (اسے بخاری نے بیان کیا ہے) بخاری کی تعلیقاً اور احمد کی موصولاً روایت میں ہے کہ آپ ﷺ طاق کھجوریں کھایا کرتے تھے۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث انس سے مختلف طرق سے منقول ہے۔ ھشیم کے طریق سے مروی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ عید کی نماز کیلئے تشریف لے جانے سے قبل چند کھجوریں تناول فرماتے تھے۔ مرجی بن رجا کے طریق سے مروی روایت میں ہے، کہ آپ ﷺ طاق کھجوریں تناول فرمایا کرتے تھے، مرجی بن رجا چونکہ مختلف فیہ راوی ہے اس لیے امام بخاری نے اس سے مروی روایت کو تعلیقاً نقل کیا

ہے۔امام احمد، امام ابن خزیمہ اور امام بیہقی نے اس روایت کو اپنی اپنی سند سے موصولاً نقل کیا ہے۔عتبہ سے مروی طریق میں ہے کہ آپ ﷺ عیدالفطر کے روز عید کی نماز کے لیے نکلنے سے پہلے تین، پانچ، سات یا کم وبیش کھجوریں طاق عدد میں تناول فرمایا کرتے تھے۔حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں فقط سات کھجوریں کھانے کا ذکر ہے لیکن یہ روایت ضعیف ہے۔

فقہی احکام: عیدالفطر کے روز عید کی نماز کیلئے نکلنے سے پہلے طاق عدد میں کھجوریں تناول فرمانی چاہئیں۔خواہ وہ کم ہوں یا زیادہ۔

۴۸۲: وَعَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ ,عَنْ أَبِيهِ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ لَا يَخْرُجُ يَوْمَ اَلْفِطْرِ حَتَّى يَطْعَمَ ,وَلَا يَطْعَمُ يَوْمَ اَلْأَضْحَى حَتَّى يُصَلِّيَ. رَوَاهُ أَحْمَدُ ,وَاَلتِّرْمِذِيُّ ,وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

صحیح ابن حبان، کتاب الصلاۃ، باب العیدین: ۲۸۱۲، الترمذی، کتاب الصلاۃ، باب ماجاء فی الاکل یوم الفطر قبل الخروج: ۵۴۸، احمد: ۳۵۲/۵، ابن خزیمۃ: ۳۴۱/۲، الدارقطنی: ۴۵/۲، ابن ماجۃ: ۱۷۵۶، البیھقی: ۶۲۲۵۱، الدارمی: ۱۶۰۸

۴۸۲: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کچھ نہ کچھ کھائے بغیر عیدالفطر کے لیے نہیں نکلتے تھے اور عیدالاضحیٰ کی نماز سے قبل کچھ بھی تناول نہ فرماتے تھے۔اسے احمد اور ترمذی نے بیان کیا ہے۔اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔

تشریح: احمد، دارمی، طبرانی اور امام بیہقی نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے جو روایت نقل کی ہے اس میں یہ صراحت ہے کہ آپ ﷺ عید الاضحیٰ کے روز کھانے کا آغاز قربانی کے گوشت سے فرماتے تھے، لیکن یہ روایت عبداللہ بن عقبہ الرفاعی کی وجہ سے ضعیف ہے۔امام ابن حبان نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے جو روایت نقل کی ہے، اس میں ہے کہ آپ ﷺ عیدالاضحیٰ کے روز نحر کرنے کے بعد کچھ تناول فرماتے تھے، یہ روایت حسن درجہ کی ہے۔

فقہی احکام: (۱) عیدالفطر کی نماز سے قبل طاق کھجوریں کھانا مسنون ہے۔

(۲) عیدالاضحیٰ کے روز قربانی کرنے کے بعد بشرطیکہ قربانی ہو ورنہ واپس آ کر کھانا کھایا جاسکتا ہے۔

۴۸۳: وَعَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ أُمِرْنَا أَنْ نُخْرِجَ اَلْعَوَاتِقَ ,وَالْحُيَّضَ فِي الْعِيدَيْنِ ; يَشْهَدْنَ الْخَيْرَ وَدَعْوَةَ اَلْمُسْلِمِينَ , وَيَعْتَزِلُ اَلْحُيَّضُ اَلْمُصَلَّى. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب العیدین، باب خروج النساء و الحیض الی المصلیٰ: ۹۷۴، صحیح مسلم: ۸۹۰، السنن الکبری للبیھقی: ۶۳۳۰ ـ ۶۳۳۲، معرفۃ السنن والآثار: ۱۹۳۵، ابوداود: ۱۱۳۶، ۱۱۳۸، ابن ماجۃ: ۱۳۰۸، النسائی: ۱۸۰/۳، احمد: ۸۴/۵، الترمذی: ۵۴۵

۴۸۳: حضرت اُم عطیہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم نوجوان اور حائضہ خواتین کو عیدین کے لیے عیدگاہ کی طرف لے کر چلیں تاکہ وہ بھی بھلائی اور مسلمانوں کی دعا میں شریک ہوں اور حائضہ خواتین عیدین گاہ سے باہر رہیں۔

لغوی تحقیق: امرنا: ہمزہ مضموم، میم مکسور اور راء ساکن، ہمیں حکم دیا گیا۔صحابہ یا صحابیات جب اس قسم کے الفاظ استعمال کرتے ہیں تو اس سے مراد اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی ہوتے ہیں۔**العواتق**: یہ عاتق کی جمع مکسر ہے، ایسی کنواری لڑکیاں جو بلوغت کے قریب پہنچ چکی ہوں، یا بالغ ہو چکی ہوں۔**الحیض**: حاء مضموم اور یاء مفتوح، یہ حائض کی جمع ہے، ایسی خواتین جو حالت حیض میں ہوں، خواہ کنواری ہوں یا شادی شدہ اور ایسی عورتیں بھی جنہیں ماہواری آتی ہو۔ **تعتزل**: صیغہ واحد مؤنث غائب ہے یعنی حائضہ عورتیں عیدگاہ سے باہر رہیں۔

تشریح: حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت متعدد طرق سے مروی ہے۔زیادہ تر طرق میں صیغہ مجہول ہی استعمال ہوا ہے، البتہ امام

مسلم اور امام بخاری نے حماد کے طریق سے جو روایت حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے نقل کی ہے۔ اس میں صیغہ معروف استعمال ہوا ہے۔ یعنی نبی اکرم ﷺ نے ہمیں حکم دیا۔ اسی طرح امام بیہقی نے اپنی سند سے حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے جو روایت نقل کی ہے اس میں ام عطیہ کہتی ہیں کہ آپ ﷺ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، آپ ﷺ نے ہمیں حکم دیا، نیز اس روایت کے آخر میں ہے کہ آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا گیا ہے کہ جن خواتین کے پاس اوڑھنی نہ ہو، وہ عید کی نماز کیلئے کیسے جائیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: " وہ اپنی کسی بہن کی اوڑھنی پہن کر چلی جائیں۔"

فقہی احکام: (۱) عید کی نماز پڑھنے کیلئے تمام خواتین کو عید گاہ کی طرف جانا چاہیے۔ (۲) تمام خواتین کو عید کی تکبیرات پڑھنی چاہئیں۔ (۳) مسلمانوں کے ساتھ دعا میں شریک ہونا چاہیے۔ (۴) حائضہ عورتیں عید گاہ سے باہر رہیں اور نماز میں شریک نہ ہوں۔ (۵) عیدین کے موقع پر دعا کرنا مسنون ہے۔

۴۸۴: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما كَانَ اَلنَّبِيُّ ﷺ وَأَبُو بَكْرٍ ,وَعُمَرُ يُصَلُّونَ الْعِيدَيْنِ قَبْلَ اَلْخُطْبَةِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب العیدین، باب الخطبة بعد العیدین: ۹۶۲ ، ۹۶۳ ، مسلم: ۸۸۸، الترمذی: ۵۳۷، النسائی: ۱۸۳/۳ ، ابن ماجة: ۱۲۷۶ ، احمد: ۱۲/۲ ، عبدالرزاق: ۲۷۹/۳، ابوداود: ۱۱۵۵ ، ابن خزیمة: ۳۵۸/۲، البیهقی: ۶۲۹۱، الحاکم: ۴۳۴/۱، الدارقطنی: ۵۰/۲، معرفة السنن والآثار: ۴۵/۳

تنبیہ: بخاری میں کان رسول اللہ ﷺ ہے۔

۴۸۴: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما عید کی نماز خطبہ سے قبل پڑھتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ عید کا خطبہ عید کی نماز کے بعد دیا جائے، اسی طرح کی روایات بعض دیگر صحابہ سے بھی منقول ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت میں ہے کہ میں آپ ﷺ، حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز عید میں شریک ہوا، یہ سب حضرات، خطبہ سے پہلے نماز پڑھتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہما سے مروی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے نماز سے فارغ ہو کر فرمایا: "ہم خطبہ دیں گے جو خطبہ سننا پسند کرتا ہے وہ بیٹھا رہے اور جو جانا چاہتا ہے وہ جا سکتا ہے۔"

فقہی احکام: (۱) عیدین کی نماز سے پہلے خطبہ (تقریر) دینا بدعت جبکہ بعد میں دینا مسنون ہے۔

(۲) عیدین کا خطبہ سننا افضل ہے فرض یا واجب نہیں۔

۴۸۵: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما أَنَّ اَلنَّبِيَّ ﷺ صَلَّى يَوْمَ اَلْعِيدِ رَكْعَتَيْنِ ,لَمْ يُصَلِّ قَبْلَهَا وَلَا بَعْدَهَا. أَخْرَجَهُ اَلسَّبْعَةُ.

البخاری، کتاب العید، باب الخطبة بعد العید: ۹۶۴، مسلم: ۸۸۴، ابوداود: ۱۱۵۹ ، الترمذی: ۵۳۷ ، ۵۳۸، النسائی: ۱۹۳/۳ ، ابن ماجة: ۱۲۹۱ ، ۱۲۹۳ ، احمد: ۳۵۵/۱ ، ۵۷/۲، الدارمی: ۳۱۵/۱، ابن خزیمة: ۳۴۵/۲، الحاکم: ۴۳۵/۱، البیهقی: ۶۳۱۷، معرفة السنن والآثار: ۱۹۲۶ - ۱۹۲۸

۴۸۵: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے عید کے دن دو رکعتیں پڑھیں، ان سے پہلے یا بعد کوئی نماز نہیں پڑھی۔ اس حدیث کو ساتوں نے روایت کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث کی مثل حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، حضرت انس اور حضرت علی رضی اللہ عنہم سے بھی مروی

ہے۔اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ آپ ﷺ جب عید کی نماز پڑھ کر گھر تشریف لاتے تو دو رکعات پڑھتے۔

فقہی احکام: (۱) عیدگاہ میں عید کی نماز سے قبل یا بعد کوئی نفلی نماز پڑھنا غیر مسنون ہے۔

(۲) عید کی نماز سے فارغ ہو کر گھر لوٹنے کے بعد دو رکعات نفل پڑھنا مسنون ہے۔

۴۸۶: وَعَنْهُ أَنَّ اَلنَّبِيَّ ﷺ صَلَّى اَلْعِيدَ بِلَا أَذَانٍ ,وَلَا إِقَامَةٍ. أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَأَصْلُهُ فِي اَلْبُخَارِيِّ.

ابوداود، تفريع ابواب الجمعة، باب ترك الآذان في العيد: ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، البخاري: ۹۶۲، مسلم: ۸۸۶، ۸۸۷،السنن الكبرى للبيهقي: ۶۲۵۸، ۶۲۵۹، معرفة السنن والآثار: ۳/۳۷، كشف الاستار: ۶۰۷

تنبیہ: ابوداؤد کے مطبوعہ نسخہ میں ان رسول اللہ ﷺ ہے۔

۴۸۶: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے عید کی نماز بغیر اذان اور اقامت کے پڑھی۔اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور اس کی اصل بخاری میں ہے۔

تشریح: اسی مفہوم کی روایات حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت جابر بن سمرہ، حضرت براء بن عازب اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔البتہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے مروی روایت عبداللہ بن شبیب کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔

فقہی احکام: (۱) عید کی نماز اذان اور اقامت کے بغیر پڑھی جائے۔(۲) عید کیلئے اذان دینا یا بار بار اعلان کرنا ((عید کی نماز کھڑی ہونے والی ہے)) درست نہیں بلکہ اسے اگر بدعت کا نام دیا جائے تو غلط نہ ہوگا۔

۴۸۷: وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُولُ اَللَّهِ ﷺ لَا يُصَلِّي قَبْلَ اَلْعِيدِ شَيْئًا ,فَإِذَا رَجَعَ إِلَى مَنْزِلِهِ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ. رَوَاهُ اِبْنُ مَاجَهْ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ.

ابن ماجة، ابواب العيدين، باب ماجاء في الصلاة قبل صلاة العيد و بعدها: ۱/۹۳، احمد: ۳/۴۰، الحاكم: ۱/۴۳۷

۴۸۷: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ عید کی نماز سے قبل کوئی نماز نہیں پڑھتے تھے لیکن جب واپس گھر تشریف لاتے تو دو رکعات نفل پڑھتے۔اسے ابن ماجہ نے حسن سند سے روایت کیا ہے۔

تشریح: اس کی تشریح اور فقہی احکام حدیث نمبر: ۴۸۵ کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیں۔

۴۸۸: وَعَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَخْرُجُ يَوْمَ اَلْفِطْرِ وَالْأَضْحَى إِلَى اَلْمُصَلَّى ,وَأَوَّلُ شَيْءٍ يَبْدَأُ بِهِ اَلصَّلَاةُ ,ثُمَّ يَنْصَرِفُ فَيَقُومُ مُقَابِلَ اَلنَّاسِ وَالنَّاسُ عَلَى صُفُوفِهِمْ فَيَعِظُهُمْ وَيَأْمُرُهُمْ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاري، كتاب العيدين، باب الخروج الى المصلىٰ: ۹۵۶، مسلم: ۸۸۹، النسائي: ۳/۱۸۷، احمد: ۳/۳۶

۴۸۸: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ عید الفطر اور عید الاضحیٰ پڑھنے کے لیے عیدگاہ تشریف لے جاتے اور وہاں پہنچ کر سب سے پہلے نماز پڑھاتے، پھر رُخِ انور صحابہ کی طرف فرماتے اور کھڑے ہو جاتے اور صحابہ بدستور اپنی صفوں میں تشریف رکھتے اور آپ ﷺ انہیں نصیحت فرماتے اور انہیں نیکی کا حکم دیتے۔(بخاری ومسلم)

لغوی تحقیق: **المصلیٰ**: صلیٰ سے اسم ظرف ہے اور اس سے مراد عیدگاہ ہے۔ **فیعظھم**: صحابہ کو پند ونصائح فرماتے۔

تشریح: حدیث نمبر: ۴۸۴ کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

۴۸۹: وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ، قَالَ نَبِيُّ اَللَّهِ ﷺ "اَلتَّكْبِيرُ فِي اَلْفِطْرِ سَبْعٌ فِي اَلْأُولَى وَخَمْسٌ فِي اَلْآخِرَةِ ,وَالْقِرَائَةُ بَعْدَهُمَا كِلْتَيْهِمَا " أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ ، وَنَقَلَ اَلتِّرْمِذِيُّ عَنِ اَلْبُخَارِيِّ تَصْحِيحَهُ.

ابوداود، تفريع ابواب الجمعة، باب التكبير في العيدين: ١١٥١، ١١٤٩، ابن ماجة: ١٢٧٧، ١٢٧٨، احمد: ١٨٠/٢، ٣٥٦، الدارقطني: ٤٨/٢، ٤٩، البيهقي: ٦٢٦٣ ـ ٦٢٧٦، الترمذي: ٥٤٢، ابن خزيمة: ٣٤٦/٢، العلل الكبير: ٢٨٧/١، ٢٨٨، معرفة السنن والآثار: ٣٧/٣ ـ ٤١، الاحكام الوسطىٰ: ٤٥/٣، بيان الوهم والايهام: ٢٥٩/٢ ـ ٢٦٢، الحاكم: ٤٣٨/١، مؤطا امام مالك: ١٨٠/١، الارواء: ١٠٩/٣، الخلاصة للنووی: ٨٣١/٢، كشف الاستار: ٦٥٥

۴۸۹: حضرت عمرو بن شعیب نے اپنے والد سے انہوں نے اپنے دادا سے نقل کیا کہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا:" عیدالفطر کی نماز کی پہلی رکعت میں سات اور دوسری میں پانچ تکبیرات ہیں، اور دونوں رکعات میں قرأت تکبیرات کے بعد ہے۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے امام بخاری کے حوالے سے اس کی تصحیح نقل کی ہے۔

تشریح: عیدین کی نماز میں زائد تکبیرات کتنی کہی جائیں اور کب کہی جائیں؟ اس بارے میں اہل علم میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اہل مدینہ، شوافع، حنابلہ اور اہل حدیث کے نزدیک پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے سات اور دوسری رکعت میں قرأت سے پہلے پانچ تکبیرات کہنا راجح ہے۔ ان کے اس موقف کی بنیاد زیر مطالعہ حدیث اور بعض دوسری احادیث ہیں۔ زیر مطالعہ حدیث کے بارے میں محدثین نے کلام کیا ہے، اس پر پہلا اعتراض یہ ہے کہ اگر جدہ کی ضمیر سے مراد عمرو کا دادا محمد بن عبداللہ ہے تو پھر اس صورت میں یہ روایت مرسل ہے کیونکہ محمد بن عبداللہ تابعی ہے اور اگر اس ضمیر سے مراد شعیب کا دادا عبداللہ بن عمرو ہے تو پھر یہ روایت منقطع ہے کیونکہ شعیب کا اپنے دادا عبداللہ بن عمرو سے سماع ثابت نہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جدہ کی ضمیر کا مرجع شعیب کا دادا عبداللہ بن عمرو ہی ہیں اور شعیب کا اپنے دادا سے سماع ثابت ہے۔ اس روایت پر دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ عمرو بن شعیب کا شاگرد عبداللہ بن عبدالرحمٰن **الطائفی** متکلم فیہ ہے۔ موصوف کو امام ابوحاتم نے **ليس بالقوى** اور **لين الحديث** کہا ہے، امام نسائی نے **ليس بالقوى** کہا ہے، امام یحییٰ بن معین نے اسے **صويلح، ضعيف** اور **ليس به بأس** کہا ہے۔ یعنی امام یحیی بن معین کے اقوال باہم معارض ہیں۔ امام علی بن مدینی، امام دارقطنی، امام عجلی اور امام ابن حبان نے اسے ثقہ کہا ہے، جبکہ امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ اس کا اعتبار کیا جائے گا۔ امام بوصیری حنفی نے بھی **مصباح الزجاجة** میں اسے ثقہ قرار دیا ہے۔

درج بالا بیانات سے یہ واضح ہوا کہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن الطائفی کی روایات میں اگر کوئی اور علت نہیں تو وہ کم از کم حسن درجہ کی ہیں، اور اس کی جن مرویات کی تائید بعض دوسری روایات سے ہو جائے تو وہ صحیح کہلائیں گی۔ مؤلف رحمہ اللہ نے امام ترمذی کے حوالے سے لکھا ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ اسی مفہوم کی ایک مرفوع روایت عمرو بن عوف سے منقول ہے، امام ترمذی نے اسے بھی امام بخاری کے حوالے سے صحیح کہا ہے۔ امام ترمذی کے اس بیان کو امام بیہقی اور حافظ عبدالحق اشبیلی نے درج ذیل الفاظ میں نقل کیا ہے۔

سألت محمداً يعني البخارى عن هذا الحديث فقال، ليس شيء في هذا الباب اصح منه و به اقول وحديث عبدالله بن عبدالرحمن الطائفي ايضاً صحيح و الطائفي مقارب الحديث . امام ترمذی فرماتے ہیں کہ میں نے محمد بن اسماعیل بخاری سے عمرو بن عوف المزنی سے مروی حدیث کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا، نماز عید میں تکبیرات کے بارے میں سب سے زیادہ صحیح حدیث یہی ہے، میرا فتویٰ بھی اسی حدیث کی روشنی میں ہے، جبکہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن الطائفی سے مروی حدیث بھی

صحیح ہے اور طائفی مقارب الحدیث ہے۔ امام ترمذی نے درج بالا عبارت اپنی معروف کتاب **العلل الکبیر** میں نقل کی ہے، امام بیہقی اور حافظ عبدالحق اشبیلی کے انداز تحریر سے یہ عیاں ہو رہا ہے کہ وہ **لیس شيء** سے لے کر **مقارب الحدیث** تک ساری عبارت کو امام بخاری کا بیان قرار دیتے ہیں لیکن امام ابن قطان، امام بیہقی اور امام حافظ عبدالحق اشبیلی کی اس رائے سے اتفاق نہیں کرتے، ان کا کہنا ہے کہ **لیس شيء** سے لے کر **اصح من هذا** تک بلا شبہ امام بخاری کا مقولہ ہے، **و به اقول** میں دونوں احتمال ہیں یعنی یہ امام ترمذی کا مقولہ بھی ہو سکتا ہے اور امام بخاری کا بھی، اگر اس مقولہ کے قائل امام بخاری ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میرا بھی فتوی یہی ہے کہ عید کی نماز میں اتنی ہی تکبیریں کہی جائیں اور اگر یہ مقولہ امام ترمذی کا ہے تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ میں بھی یہی کہتا ہوں کہ اس مسئلہ میں سب سے زیادہ صحیح حدیث یہی ہے۔ اسی طرح "حدیث عبداللہ" سے لے کر آخر تک کے الفاظ بھی امام ترمذی ہی کا مقولہ ہے، کیونکہ ممدوح عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے مروی ہر روایت کو صحیح قرار دیتے ہیں جو ان سے ثقہ راوی روایت کرتے ہیں۔

الغرض مذکورہ قول امام بخاری کا ہو یا امام ترمذی کا ہر دو حال میں اس کا یہ مفہوم نہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ کیونکہ اس قول کو درست تسلیم کر لینے سے یہ لازم آتا ہے کہ عمرو بن عوف المزنی سے مروی حدیث بہت اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے، جبکہ ایسا نہیں ہے، کیونکہ عبداللہ بن عمرو سے یہ روایت فقط اس کا بیٹا کثیر بن عبداللہ نقل کرتا ہے، اسے امام احمد نے منکر الحدیث، امام یحییٰ بن معین نے **ضعیف الحدیث**، امام ابوداؤد نے احد الکذابین، امام ابوزرعہ نے **واھی الحدیث**، امام نسائی نے **متروک الحدیث** اور امام ابوحاتم نے **لیس بالمتین** کہا ہے ظاہر ہے کہ ایسے راوی سے مروی روایت اعلیٰ درجہ کی صحیح نہیں ہو سکتی، اور اگر یہ کہا جائے کہ **لیس شيء في هذا الباب اصح منه** کا مطلب یہ ہے کہ عید کی نماز کی تکبیرات سے متعلق تمام روایات ضعیف ہیں، لیکن ان سب میں سب سے کم ضعف والی روایت یہ ہے تو پھر یہ قول معارض ہے۔

اس مفہوم کی ایک روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے لیکن یہ روایت بھی عبداللہ بن لھیعۃ کی وجہ سے ضعیف ہے جیسا کہ امام ترمذی نے **العلل الکبیر** میں لکھا ہے کہ میں نے اس روایت کے بارے میں امام بخاری سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ روایت ضعیف ہے۔

اس مفہوم کی روایات حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابوہریرہ اور سعد بن عائذ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہیں، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی روایت فرج بن فضالہ کی وجہ سے اور سعد بن عائذ سے مروی روایت عبدالرحمٰن بن سعد کی وجہ سے ضعیف ہے، البتہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی موقوفاً روایت صحیح ہے۔ درج بالا تمام روایات میں اگر چہ کوئی نہ کوئی علت ضرور ہے، تاہم تمام روایات کو جمع کیا جائے تو پھر یہ کہا جا سکتا ہے کہ عمرو بن شعیب سے مروی زیر مطالعہ حدیث صحیح ہے۔ علامہ البانی اور امام نووی نے یہی موقف اختیار کیا ہے۔

جو حضرات بارہ تکبیرات کے قائل ہیں ان میں سے بعض حضرات کا یہ کہنا ہے کہ پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ سمیت سات تکبیرات کہی جائیں، لیکن ان حضرات نے اپنے موقف کی تائید میں کوئی دلیل نقل نہیں کی، جبکہ امام بیہقی نے حضرت عمرو بن شعیب سے مروی یہی روایت اپنی سند سے نقل کی ہے اس میں یہ صراحتاً مذکور ہے کہ بارہ تکبیریں تکبیر تحریمہ اور تکبیر انتقال کے علاوہ ہیں۔ زیر مطالعہ حدیث میں یہ صراحت بھی ہے کہ زائد تکبیریں دونوں رکعات میں قرأت سے پہلے کہی جائیں، جبکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی مرفوع روایت میں ہے کہ دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں قرأت کے بعد کہی جائیں۔

یہ روایت دو طرق سے مروی ہے اور دونوں طرق ضعیف ہیں۔ ایک طریق عبداللہ بن لھیعہ کی وجہ سے، دوسرا طریق محمد بن سعید

الحلبی کی وجہ سے ضعیف ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں تیرہ تکبیرات کا ذکر ہے، یہ روایت حسن بن عمارہ کی وجہ سے موضوع کے قریب تر ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہما سے مروی روایات میں دونوں رکعات میں چار چار تکبیرات کہنے کا ذکر ہے یہ روایات ثابت بن ثوبان کی وجہ سے ضعیف ہیں، اسی مفہوم کی ایک روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے موقوفا مروی ہے۔ اور یہ روایت ابواسحاق کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

فقہی احکام: (۱) عیدین کی نماز بارہ تکبیرات سے ادا کی جائیں۔ (۲) دونوں رکعات میں زائد تکبیرات قرأت سے پہلے کہی جائیں۔

۴۹۰: وَعَنْ أَبِي وَاقِدٍ اللَّيْثِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ فِي الْأَضْحَى وَالْفِطْرِ بِ﴿ ق﴾ وَ ﴿اقْتَرَبَتْ﴾ أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، کتاب الصلاة العیدین، باب مایقرأبه فی صلاة الجمعة و فی صلاة العیدین: ۸۷۸، ۸۹۱، ابوداود: ۱۱۵۴، الترمذی: ۵۳۹ ــ ۵۴۱، النسائی: ۱/۱۸۳، ۱۸۴، ابن ماجة: ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، مؤطا امام مالک: ۱/۱۸۰، البیهقی: ۲۹۳/۳، احمد: ۲۷۱/۴، عبدالرزاق: ۲۹۸/۳

تنبیہ: درج بالا روایت مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے بالمعنیٰ نقل کی ہے۔

۴۹۰: حضرت ابوواقد لیثی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کی نماز میں سورۃ ق اور سورۃ اقتربت تلاوت فرماتے تھے۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ عیدین کی نماز میں مذکورہ دونوں سورتیں پڑھنا مسنون ہیں تاہم آپ ﷺ ہر سال عیدین کی نماز میں یہی سورتیں نہیں پڑھتے تھے کیونکہ عیدین کی نماز میں دیگر سورتیں پڑھنا بھی آپ ﷺ سے ثابت ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں یہ صراحت ہے کہ آپ ﷺ عیدین کی نماز میں سورۃ الاعلیٰ اور سورۃ غاشیہ تلاوت فرماتے تھے اور جب عید جمعہ کے روز ہوتی تو اس وقت آپ ﷺ دونوں نمازوں میں بھی یہی دونوں سورتیں تلاوت فرماتے۔

۴۹۱: وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا كَانَ يَوْمُ الْعِيدِ خَالَفَ الطَّرِيقَ. أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ.

البخاری، کتاب العیدین، باب من خالف الطریق اذا رجع یوم العید: ۹۸۶

۴۹۱: حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ عید کے روز عیدگاہ کی طرف آتے جاتے وقت راستہ تبدیل فرماتے تھے۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ عید کی نماز کے لیے عیدگاہ کی طرف جس راستے کو اختیار کیا جائے واپسی کے لیے اس راستے کو اختیار نہ کیا جائے۔

۴۹۲: وَلِأَبِي دَاوُدَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ ,نَحْوُهُ.

ابوداود، تفریع ابواب الجمعة، باب الخروج الی العید فی طریق ویرجع فی طریق: ۱۱۵۶، المجموع: ۱۱/۵، ابن ماجة: ۱۲۹۹، احمد: ۱۰۹/۲

۴۹۲: اور ابوداؤد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

تشریح: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے علاوہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اور وہ روایت اس کے مقابلے میں قدرے صریح ہے کیونکہ اس میں صراحتاً مذکور ہے کہ آپ ﷺ عید کی نماز کے لیے کسی اور راستے سے جاتے اور واپس کسی دوسرے راستے سے آتے۔ ابن عمر سے مروی روایت عبداللہ بن عمر العمری کی وجہ سے ضعیف ہے۔ تاہم اسے بطور استشہاد بیان کیا جا سکتا ہے۔

۴۹۳: وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَدِمَ رَسُولُ اَللَّهِ ﷺ اَلْمَدِينَةَ ,وَلَهُمْ يَوْمَانِ يَلْعَبُونَ فِيهِمَا .فَقَالَ "قَدْ أَبْدَلَكُمُ اَللَّهُ بِهِمَا خَيْرًا مِنْهُمَا يَوْمَ اَلْأَضْحَى ,وَيَوْمَ اَلْفِطْرِ " أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ ,وَالنَّسَائِيُّ بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ.

ابو داود، تفریع ابواب الجمعة، باب صلاة العیدین: ۱۱۳۴، النسائی: ۱۷۹/۳

۴۹۳: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو اس وقت اہل مدینہ کے لیے دو دن کھیل کود کیلئے مختص تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: " اللہ نے تمہارے لیے ان دونوں کے بدلہ میں دوسرے دو دن مختص کر دیے ہیں، اور وہ دن ان سے بہتر ہیں، ان میں سے ایک عید قربان کا دن، دوسرا عید الفطر کا دن ہے۔" اسے ابوداؤد اور نسائی نے صحیح سند سے روایت کیا ہے۔

لغوی تحقیق: یومان :یوم کا تثنیہ ہے، یعنی دو دن۔ یلعبون: کھیل کود کرتے تھے۔ ابدلکم: تمہیں بدلہ میں دے دیئے ہیں۔

تشریح: مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کی تشریف آوری سے قبل اہل مدینہ کی اکثریت صدق دل سے اسلام قبول کر چکی تھی اور اسلام کے سفیر و معلم حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ ان کی اصلاح وفلاح کے لیے مدینہ منورہ میں موجود تھے، اس کے باوجود وہ سال میں دو میلے لگاتے تھے، ان میلوں میں فرحت وسرور کی محفلیں منعقد کرتے تھے، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا انہیں منع نہ کرنا، اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ کسی عالم یا فقیہ کو حلت وحرمت کا اختیار نہیں۔ نیز اسی حدیث سے یہ واضح ہوا کفار کے میلوں کی تعظیم حرام ہے۔ اہل اسلام کو عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی شکل میں دو عیدوں کا تحفہ ہجرت نبوی کے اٹھارہ ماہ بعد ملا، اسلام میں سب سے پہلی عید ۲ھ میں عید الفطر منائی گئی۔

فقہی احکام: (۱) میلوں میں شرکت ممنوع ہے۔ (۲) علما و فقہا کو حلت وحرمت کا اختیار نہیں۔ (۳) ایسی کھیل کود کی اجازت ہے جو غیر اخلاقی نہ ہو اور عبادت کے اوقات میں نہ ہو۔ (۴) غیر مسلموں کے تہواروں کی تعظیم حرام ہے۔

۴۹۴: وَعَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ مِنَ اَلسُّنَّةِ أَنْ يَخْرُجَ إِلَى اَلْعِيدِ مَاشِيًا. رَوَاهُ اَلتِّرْمِذِيُّ ,وَحَسَّنَهُ.

الترمذی، ابواب العیدین، باب فی المشی یوم العید: ۵۳۶، عبدالرزاق: ۲۸۹/۳، البیهقی: ۲۸۱/۳، معرفة السنن والآثار: ۱۸۷۷، ابن ماجة: ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، البحر الزخار: ۳۲۰/۳، اخبار المدینة: ۱۳۵/۱

۴۹۴: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا، عید کی نماز پڑھنے کے لیے پیدل چل کر جانا مسنون ہے۔ اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور اسے حسن کہا ہے

لغوی تحقیق: السنة: صحابی جب لفظ سنت علی الاطلاق استعمال کرے تو اس سے مراد رسول اللہ ﷺ کی سنت ہوتی ہے۔

ماشیا: پیدل چلنا۔

تشریح: امام ترمذی نے یہ روایت ابو اسحاق عن الحارث عن علی بن ابی طالب کے طریق سے نقل کی ہے۔ اور یہ روایت اس سند سے ضعیف ہے۔ کیونکہ اس روایت میں ضعف کی دو علتیں موجود ہیں۔ (۱) ابو اسحاق معروف مدلس ہے اور اس نے یہ روایت عن سے نقل کی ہے۔ (۲) الحارث کو امام شعبی اور امام علی بن مدینی نے جھوٹا اور جمہور محدثین نے ضعیف کہا ہے۔

امام ترمذی نے اس روایت پر حسن کا حکم شاید شواہد کی بنا پر لگایا ہے، کیونکہ اس کی شواہد روایات حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت سعد القرظ، حضرت ابو رافع اور حضرت عبدالرحمٰن بن حاطب رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔ یہ تمام روایات اگر چہ ضعیف

ہیں لیکن زیر مطالعہ حدیث کوتقویت دیتی ہیں۔

فقہی احکام: عیدگاہ کی طرف پیدل چل کر جانا مسنون ہے۔

۴۹۵: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّهُمْ أَصَابَهُمْ مَطَرٌ فِي يَوْمِ عِيدٍ فَصَلَّى بِهِمُ النَّبِيُّ ﷺ صَلَاةَ الْعِيدِ فِي الْمَسْجِدِ. رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ بِإِسْنَادٍ لَيِّنٍ.

ابوداود، تفريع ابواب الجمعة، باب يصلي بالناس العيد في المسجد اذا كان يوم مطر: ١١٦٠، ابن ماجة: ١٣١٣، البيهقي: ٦٣٤٩، الحاكم: ١/٤٣٥، الخلاصة: ٢/٨٢٥، بيان الوهم والايهام: ٢٣٨٧، معرفة السنن والآثار: ١٩٤٠

تنبیہ: بلوغ المرام کے مطبوعہ نسخوں میں متن حدیث کا آغاز انهم سے ہے جبکہ ابوداؤد اور بیہقی کے مطبوعہ نسخوں میں انه ہے، تاہم معرفة السنن میں انهم ہے۔

۴۹۵: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ عید کے دن مسلمانوں پر بارش برسی، جس وجہ سے نبی اکرم ﷺ نے انہیں عید کی نماز مسجد میں پڑھائی۔ اسے ابوداؤد نے کمزور سند سے بیان کیا ہے۔

لغوی تحقیق: لین: اس کے لغوی معنی نرم اور سھل کے ہیں لیکن محدثین نے اس لفظ کو بطور ہلکی جرح کے استعمال کیا ہے۔ مطر: میم اور طاء مفتوح، بارش

تشریح: اس روایت کو حاکم نے صحیح اور امام نووی نے حسن کہا ہے جبکہ مؤلف رحمہ اللہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے، مؤلف رحمہ اللہ کا بیان مبنی برحقیقت ہے کیونکہ عیسیٰ بن عبدالاعلیٰ اور اس کا شیخ عبیداللہ تیمی دونوں مجہول ہیں، امام ابن قطان، عیسیٰ بن عبدالاعلیٰ کے بارے میں لکھتے ہیں، اس نام کا آدمی مجھے نہ تو کتب رجال سے ملا اور نہ اس سند کے علاوہ کہیں اور اس کا تذکرہ ہے اور عبیداللہ بن عبداللہ کو مجہول الحال کہا ہے۔ اس کی مؤید روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے موقوفاً منقول ہے مگر یہ روایت محمد بن عبدالعزیز کے متروک ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ مذکورہ روایات اگرچہ ضعیف ہیں تاہم امت کا اس پر اجماع ہے کہ بارش وغیرہ کے عذر کی وجہ سے نماز عید مسجد میں پڑھنا درست ہے، بلکہ امام شافعی کے نزدیک تو مسجد میں نماز پڑھنا افضل ہے، بشرطیکہ مسجد کشادہ ہو۔

فقہی احکام: شرعی عذر کی وجہ سے مسجد میں نماز عید پڑھنا جائز ہے۔

۱۵۔ بَابُ صَلَاةِ الْكُسُوفِ نماز کسوف کا بیان

۴۹۶: عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ يَوْمَ مَاتَ إِبْرَاهِيمُ ,فَقَالَ النَّاسُ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ لِمَوْتِ إِبْرَاهِيمَ ,فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ "إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ ,فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُمَا ,فَادْعُوا اللَّهَ وَصَلُّوا ,حَتَّى تَنْكَشِفَ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ "حَتَّى تَنْجَلِيَ"

البخاري، كتاب الكسوف، باب الدعاء في الخسوف: ١٠٦٠، مسلم: ٩١٥، المعجم الاوسط: ٢١٨٣، ٥٩١٥، ٥٩٦٥

۴۹۶: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا، رسول اللہ ﷺ کے عہد طیبہ میں سورج گرہن اس دن ہوا جس روز (رحمت عالم ﷺ کے لخت جگر) حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا، لوگوں نے کہا کہ سورج گرہن موت ابراہیم کی وجہ سے ہوا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " آفتاب و مہتاب اللہ کی دو نشانیاں ہیں انہیں گرہن کسی کی موت و حیات کی وجہ سے نہیں لگتا، لہٰذا جب تم انہیں (اس حالت

میں) دیکھوتو اللہ تعالیٰ سے دعا کرو اور نماز پڑھتے رہو تاوقتیکہ سورج ظاہر نہ ہو جائے ۔" (بخاری و مسلم) بخاری کی ایک روایت میں حتی تنکشف کی جگہ حتی تنجلی ہے۔صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں بھی حتی تنجلی ہے۔

لغوی تحقیق: الکسوف: کاف اور سین مضموم، یہ لفظ سورج گرہن کے لیے استعمال ہوتا ہے، اس کا معنی سورج کا چھپ جانا اور اس کی روشنی غائب ہو جانا ہے۔تنکشف: کشف سے ماخوذ ہے یعنی ظاہر ہو جائے۔ تنجلی: یہ جلی سے ماخوذ ہے، اور سابقہ لفظ کا مترادف ہے۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ خورشید و جمشید اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے قادر مطلق ہونے پر دلالت کرتی ہیں، ان کا اپنے وقت پر طلوع و غروب اور بے نور ہونا کسی بھی شخص کی موت و حیات سے وابستہ نہیں، البتہ ان کا بے نور ہونا نوع انسانی کے لیے انتباہ کی حیثیت رکھتا ہے، لہٰذا ایسے مواقع پر قیام و قعود اور رکوع و سجود کی ہیئت اختیار کر کے مالک حقیقی کے حضور عجز و انکساری کا نذرانہ گرہن کے ختم ہونے تک پیش کرتے رہنا چاہیے۔

اسی مفہوم کی احادیث حضرت ابی بن کعب، حضرت بلال اور حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔

فقہی احکام: (۱) گرہن کے وقت نماز پڑھنا اور دعا کرنا مسنون ہے۔

(۲) یہ نماز ایک سے زائد رکوع کر کے دو رکعات ادا کی جائے اور قیام طویل کیا جائے۔

۴۹۷: وَلِلْبُخَارِيِّ مِنْ حَدِيثِ أَبِي بَكْرَةَ رضی اللہ عنہ "فَصَلُّوا وَادْعُوا حَتَّى يُكْشَفَ مَا بِكُمْ "

البخاری، کتاب صلاة الكسوف، باب الصلاة في كسوف الشمس: ۱۰۴۰ ، و في باب الذكر في الكسوف: ۱۰۵۹ ، مسلم: ۹۱۲، النسائی: ۱۴۶/۳ ، احمد: ۳۷/۵

۴۹۷: صحیح بخاری میں حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: " نماز پڑھو اور دعا کرو تاوقتیکہ وہ چیز زائل نہ کر دی جائے جس کا تمہیں سامنا ہے۔"

تشریح: حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم رحمت عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے اسی روران سورج گرہن زدہ ہوا، آپ ﷺ نہایت عجلت میں اٹھے اور مسجد میں تشریف لے گئے، ہم بھی مسجد میں حاضر ہو گئے، آپ ﷺ نے ہمیں دو رکعات نماز پڑھائی۔ یہ دو رکعات اس قدر طویل تھیں کہ سورج گرہن تک جاری رہیں۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ سورج گرہن دیکھ کر سخت گھبراہٹ کے عالم میں اٹھے اور مسجد تشریف لے گئے اور آپ ﷺ نے نماز اس قدر طویل قیام و قعود اور رکوع و سجود کے ساتھ پڑھائی کہ میں نے آپ ﷺ کو اس قدر طویل نماز پڑھاتے کبھی نہیں دیکھا۔

فقہی احکام: طویل ترین قیام و قعود اور رکوع و سجود کے ساتھ دو رکعات نماز کسوف با جماعت ادا کی جائے۔

۴۹۸: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ جَهَرَ فِي صَلَاةِ الْكُسُوفِ بِقِرَائَتِهِ ,فَصَلَّى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فِي رَكْعَتَيْنِ ,وَأَرْبَعَ سَجَدَاتٍ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ,وَهَذَا لَفْظُ مُسْلِمٍ وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ ، فَبَعَثَ مُنَادِيًا يُنَادِي الصَّلَاةُ جَامِعَةٌ.

البخاری، کتاب الكسوف، باب صلاة الكسوف في المسجد: ۱۰۵۶ ، ۱۰۵۸ ، مسلم: ۹۰۱ ، ۹۰۲، النسائی: ۱۲۷/۳ ، الترمذي: ۵۶۲، معرفة السنن والآثار: ۷۱/۳ ، ۷۵ ، ۷۶ ، ۷۹، ابن خزيمة: ۱۳۷۵

۴۹۸: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے گرہن کی نماز میں قرأت بلند آواز سے فرمائی، اور دو رکعات میں چار مرتبہ رکوع اور چار سجدے فرمائے۔ (بخاری و مسلم) مذکورہ الفاظ مسلم کے ہیں اور مسلم ہی کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے منادی کرنے والے کو بھیجا جو منادی کرتا تھا، الصلاة جامعة۔

تشریح: امام شہاب زہری سے یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے، امام اوزاعی اور ابوعمرو وغیرہما کے طریق سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے منادی کرنے والے کو یہ اعلان کرنے کے لیے بھیجا کہ "نماز جمع کرنے والی ہے" صحابہ منادی سن کر جمع ہو گئے تو آپ ﷺ نے دو رکعات میں چار مرتبہ رکوع فرمایا۔ یونس بن یزید سے مروی طریق میں ہے کہ آپ ﷺ نے طویل قرأت کے بعد طویل رکوع فرمایا، پھر **سمع الله لمن حمده** کہہ کر **ربنا ولك الحمد** کہا اور دوبارہ طویل قرأت فرمائی، لیکن اس مرتبہ قرأت پہلی قرأت سے قدر کم تھی، پھر **الله اکبر** کہہ کر پہلے سے کم طویل رکوع فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت عبدالرحمٰن بن سمرۃ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم سے مروی احادیث میں بھی دو رکعات میں چار مرتبہ رکوع کرنے کا ذکر ہے۔

فقہی احکام: (۱) ہر رکعت میں دو مرتبہ رکوع کیا جائے اور ہر رکوع سے پہلے طویل قرأت کی جائے۔ (۲) قرأت بلند آواز سے کی جائے۔ (۳) سجدے ایک رکعت میں دو ہی کیے جائیں۔ (۴) اس نماز کا تعلق سورج یا چاند گرہن سے ہے لہٰذا جس وقت گرہن ہوگا اسی وقت یہ نماز پڑھی جائے گی خواہ وہ وقت زوال ہی کا کیوں نہ ہو۔ (۵) یہ نماز مسجد میں ہی ادا کی جائے۔ (۶) لوگوں کو اکٹھا کرنے کے لیے منادی کروائی جائے اور نماز ادا کی جائے۔

۴۹۹: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ اِنْخَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ فَصَلَّى ,فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا ,نَحْوًا مِنْ قِرَائَةِ سُورَةِ الْبَقَرَةِ ,ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا ,ثُمَّ رَفَعَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ ,ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا ,وَهُوَ دُونَ الرُّكُوعِ الْأَوَّلِ ,ثُمَّ سَجَدَ ,ثُمَّ قَامَ قِيَامًا طَوِيلاً ,وَهُوَ دُونَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ ,ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا ,وَهُوَ دُونَ الرُّكُوعِ الْأَوَّلِ ,ثُمَّ رَفَعَ ,فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا ,وَهُوَ دُونَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ ,ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلاً ,وَهُوَ دُونَ الرُّكُوعِ الْأَوَّلِ ,ثُمَّ سَجَدَ ,ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَدْ تَجَلَّتِ الشَّمْسُ .فَخَطَبَ النَّاسَ . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ,وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ.

البخاری، كتاب الكسوف، باب صلاة الكسوف جماعة: ۱۰۵۲، مسلم: ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۷، ابوداود: ۱۱۸۱، ۱۱۸۹، النسائی: ۱۴۶/۳، مالک: ۱۸۶/۱، احمد: ۲۹۸/۱، البیهقی: ۳۲۱/۳

۴۹۹: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ عہد رسالت میں سورج گرہن ہوا، آپ ﷺ نے اس میں سورۃ بقرۃ کی تلاوت کے برابر قیام فرمایا، پھر آپ ﷺ نے طویل رکوع فرمایا، پھر کھڑے ہوئے اور پہلے قیام سے قدر کم مگر طویل قیام فرمایا، پھر پہلے رکوع سے قدر کم مگر طویل رکوع فرمایا، پھر سجدہ فرمایا، پھر کھڑے ہوئے اور پہلے قیام سے قدر کم مگر طویل قیام فرمایا، پھر پہلے رکوع سے قدر کم مگر طویل رکوع فرمایا، پھر کھڑے ہوئے اور پہلے قیام سے قدر کم مگر طویل قیام فرمایا، پھر پہلے رکوع سے کم مگر طویل رکوع فرمایا، پھر سجدہ فرمایا، پھر سلام پھیر دیا اور اس وقت سورج گرہن سے صاف ہو چکا تھا، پھر آپ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا۔ (بخاری و مسلم) مذکورہ الفاظ بخاری کے ہیں۔

تشریح: اس طریق میں اگرچہ ایک رکعت میں ایک سجدہ کرنے کا ذکر کیا گیا ہے تاہم عطا بن یسار سے ابن جریج نے جو روایت نقل کی ہے اس میں دو رکعات میں چار سجدے کرنے کا ذکر ہے، اسی طرح ابن عباس سے کثیر بن عباس نے جو روایت بیان کی ہے، اس میں

بھی دو رکعات میں چار سجدے کرنے کا ذکر ہے۔اس روایت میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے آپ ﷺ کی قرأت کو سورۃ بقرۃ کی قرأت کے برابر قرار دیا ہے۔اس سے امام شافعی نے نماز کسوف کے سری ہونے پر استدلال کیا ہے۔ نیز انہوں نے اس روایت کی تائید میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت واقدی اور ابن لھیعہ کے طریق سے نقل کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی مگر میں نے آپ ﷺ سے ایک حرف بھی نہیں سنا۔امام شافعی کا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت کے معارض قرار دینا درست نہیں، کیونکہ ممکن ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما پچھلی صفوں میں کھڑے ہوں جہاں آواز نہ پہنچتی ہو۔

فقہی احکام: نماز کسوف کے بعد خطبہ دینا مسنون ہے۔

۵۰۰: وَفِی رِوَایَةٍ لِمُسْلِمٍ، صَلَّی حِینَ كَسَفَتِ الشَّمْسُ ثَمَانَ رَكَعَاتٍ فِی أَرْبَعِ سَجَدَاتٍ.

مسلم: ۹۰۸

۵۰۰: مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے سورج گرہن کے موقع پر آٹھ رکوع اور چار سجدوں کے ساتھ نماز ادا فرمائی۔

۵۰۱: وَعَنْ عَلِیٍّ رضی اللہ عنہ مِثْلُ ذَلِکَ.

مسلم: ۹۰۸

۵۰۱: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اسی کی مثل مروی ہے۔

۵۰۲: وَلَهُ عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ صَلَّی سِتَّ رَكَعَاتٍ بِأَرْبَعِ سَجَدَاتٍ.

مسلم: ۹۰۴/۱۰

۵۰۲: صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے چھ رکوع اور چار سجدوں سے نماز ادا فرمائی۔

۵۰۳: وَلِأَبِی دَاوُدَ عَنْ أُبَیِّ بْنِ كَعْبٍ رضی اللہ عنہ صَلَّی ,فَرَكَعَ خَمْسَ رَكَعَاتٍ وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ,وَفَعَلَ فِی الثَّانِيَةِ مِثْلَ ذَلِکَ.

ابوداود، کتاب الصلوٰة، باب من قال اربع رکعات: ۱۱۸۲

۵۰۳: ابوداؤد میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے نماز کسوف ادا فرمائی (پہلی رکعت میں) پانچ رکوع اور دو سجدے فرمائے، دوسری رکعت میں بھی آپ ﷺ نے ایسے ہی کیا۔

تشریح: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب حضرت عروۃ بن زبیر اور حضرت عمرۃ بنت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہا نقل کرتے ہیں تو وہ ایک رکعت میں دو رکوع ذکر کرتے ہیں جبکہ عبید بن عمیر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب یہی روایت نقل کرتے ہیں تو ایک رکعت میں تین رکوع ذکر کرتے ہیں۔اسی طرح حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت جب حضرت عطا نقل کرتے ہیں تو وہ دو رکعات میں چھ رکوع ذکر کرتے ہیں لیکن ابوزبیر جب ان سے یہی روایت بیان کرتے ہیں تو وہ دو رکعات میں چار رکوع ذکر کرتے ہیں۔اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت جب عطاء اور کثیر بن عباس بیان کرتے ہیں تو وہ ایک رکعت میں دو رکوع ذکر کرتے ہیں لیکن جب ان سے طاؤس نقل کرتے ہیں تو وہ ایک رکعت میں چار رکوع ذکر کرتے ہیں۔درج بالا تمام طرق سند کے اعتبار سے صحیح ہیں۔اسی بنا پر بعض اہل علم نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ عہد رسالت مآب ﷺ میں سورج گرہن کا واقعہ تین بار پیش آیا اور آپ ﷺ نے ایک بار دو رکعات چار رکوع کے ساتھ، ایک بار

چھ رکوع کے ساتھ اور ایک بار آٹھ رکوع کے ساتھ ادا فرمائیں۔

امام شافعی اور بعض دیگر اہل علم نے ان احادیث کے مابین تعارض ختم کرنے کے لیے راجح ومرجوح کا طریقہ اختیار کیا ہے، امام شافعی کا کہنا ہے کہ عبید بن عمیر کے مقابلہ میں عروہ بن زبیر اور عمرہ بنت عبدالرحمٰن ہیں یہ دونوں تعداد میں زیادہ ہیں، نیز عبید بن عمیر نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نام بالجزم ذکر نہیں کیا۔ امام شافعی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ابوزبیر کے طریق کو راجح قرار دیا ہے، بقول ان کے اس طریق کا راوی ہشام دستوائی دوسرے طریق کے راوی عبدالملک سے مضبوط حافظے والا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی طرق میں سے عطاء اور کثیر بن عباس کے طرق کو حضرت طاؤس سے مروی طریق پر ترجیح دی ہے۔ جمہور اہل علم نے بھی انہیں روایات کو راجح قرار دیا ہے، جن میں یہ ذکر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر رکعت میں دو رکوع فرمائے۔

ان کے علاوہ دیگر طرق ضعیف ہیں مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی طرق کو امام احمد اور امام بیہقی نے باسند نقل کیا ہے، ان طرق کا مرکزی راوی حنش بن ربیعہ ہے۔ اسے امام ابوداؤد نے ثقہ جبکہ دیگر محدثین نے اس پر کلام کیا ہے، نیز اس سے یہ روایت حکم بن عتیبہ نقل کرتے ہیں، موصوف اگرچہ ثقہ ہیں تاہم وہ مدلس ہیں اور یہ روایت معنعن ہے، اس وجہ سے یہ روایت ضعیف ہے، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی روایت جس میں ہر رکعت میں پانچ مرتبہ رکوع کرنے کا ذکر ہے وہ ابوجعفر رازی کے سیئ الحفظ ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے

فقہی احکام: نماز کسوف دو رکعات چار رکوع کے ساتھ پڑھنا راجح ہے۔

۵۰۴: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ مَا هَبَّتْ رِيحٌ قَطُّ إِلَّا جَثَا النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم عَلَى رُكْبَتَيْهِ ,وَقَالَ "اَللَّهُمَّ اجْعَلْهَا رَحْمَةً ,وَلَا تَجْعَلْهَا عَذَابًا" رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ وَالطَّبَرَانِيُّ.

كتاب الام: ۲۵۳/۱، المعجم الكبير للطبراني، ۱۱۵۳۳، عمل اليوم و الليلة لابن سنی: ۲۹۹

۵۰۴: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ جب ہوا تند و تیز چلتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھ جاتے اور فرماتے: "اے اللہ! اس ہوا کو رحمت بنا اور عذاب نہ بنا۔" اسے شافعی اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔

لغوی تحقیق: هبت: اس کا مادہ ہ، ب، ب ہے اور آخر میں تاء مرفوعہ ہے اور بمعنی هاج مستعمل ہے یعنی تند و تیز ہوا چلنا۔ الریح: ہوا۔ جثا: اس کا مادہ جثو ہے یعنی گھٹنوں کے بل بیٹھنا۔

تشریح: امام شافعی نے اس روایت کو ابراہیم بن ابی یحییٰ سے روایت کیا ہے اور موصوف متروک ہیں، امام طبرانی نے اسے حسین بن قیس الرحبی کے طریق سے نقل کیا ہے، محدثین اس کے ضعیف ہونے پر متفق ہیں، البتہ اسی مضمون کی احادیث حضرت عائشہ، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہم سے صحیح اسناد سے منقول ہیں تاہم ان میں گھٹنوں کے بل بیٹھنے کا ذکر نہیں۔

فقہی احکام: آندھی کے وقت دعا کرنی چاہیے اور آندھی کو گالی وغیرہ دینے سے مکمل اجتناب کرنا چاہیے۔

۵۰۵: وَعَنْهُ ، أَنَّهُ صَلَّى فِي زَلْزَلَةٍ سِتَّ رَكَعَاتٍ ,وَأَرْبَعَ سَجَدَاتٍ ,وَقَالَ هٰكَذَا صَلَاةُ الْآيَاتِ. رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ.

السنن الكبرى للبيهقي: ۶۴۷، معرفة السنن والآثار: ۹۰/۳، عبدالرزاق: ۱۰۱/۳

۵۰۵: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ انہوں نے زلزلے کے وقت نماز چھ رکوع اور چار سجدوں کے ساتھ ادا کی پھر فرمایا، آیات الٰہی کے وقت نماز ایسے ہی پڑھی جاتی ہے۔

تشریح: اسی مفہوم کی روایت امام بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی نقل کی ہے۔ تاہم آپ سے ایسے حادثات پر باقاعدہ نماز پڑھنا

ثابت نہیں۔

فقہی احکام: ناگہانی حادثات کے وقت نماز وغیرہ پڑھنا بہتر عمل ہے۔

۵۰۶: وَذَكَرَ الشَّافِعِيُّ عَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ مِثْلَهُ دُونَ آخِرِهِ.

الام: ۱/۲۰۲، معرفة السنن والآثار، كتاب الكسوف، باب الصلاة فى الزلزلة: ۱۹۹۴، السنن الكبرى للبيهقى: ۶۴۷۳

۵۰۶: امام شافعی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اسی طرح کی ایک روایت نقل کی ہے، البتہ اس روایت کے آخری الفاظ اور ہیں۔

تشریح: یہ روایت منقطع ہے کیونکہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ انہیں یہ خبر پہنچی ہے کہ عباد، عاصم احوال سے نقل کرتے ہیں، وہ قزعۃ سے اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں، امام بیہقی اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں، اگر یہ اثر ثابت ہو جائے تو ہم اس پر عمل کرنے کا ضرور فتویٰ دیں گے جبکہ احناف جن روایات کو ثابت قرار دیتے ہیں ان کے مطابق عمل نہیں کرتے۔

۱۶۔ بَابُ صَلَاةِ الْاِسْتَسْقَاءِ طلب بارش کی دعا

۵۰۷: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم مُتَوَاضِعًا ,مُتَبَذِّلًا ,مُتَخَشِّعًا ,مُتَرَسِّلًا ,مُتَضَرِّعًا ,فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ, كَمَا يُصَلِّي فِي الْعِيدِ ,لَمْ يَخْطُبْ خُطْبَتَكُمْ هَذِهِ . رَوَاهُ الْخَمْسَةُ ,وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ ,وَأَبُو عَوَانَةَ ,وَابْنُ حِبَّانَ.

ابوداود، جماع ابواب صلاة الاستسقاء و تفريعها: ۱۱۶۵، الترمذى: ۵۶۳ ، ۵۶۴، النسائى: ۳/۱۶۳، ابن ماجة: ۱۲۶۶، احمد: ۱/۲۳۰، ابن حبان: ۲۸۶۲، ابن خزيمة: ۱۴۰۵، الدارقطنى: ۲/۶۸، الطبرانى: ۱۰۸۱۸، البيهقى: ۶۴۷۸

۵۰۷: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ ایک دفعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہایت تواضع، سادگی، عجز وانکساری اور خشوع وتضرع کے عالم میں باہر تشریف لائے، اور اسی طرح دو رکعات ادا فرمائیں، جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم عید کی نماز پڑھا کرتے تھے، مگر تمہاری تقریر جیسی تقریر نہیں فرمائی۔ اسے پانچوں نے روایت کیا ہے، ترمذی، ابوعوانہ اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔

لغوی تحقیق: **الاستسقاء:** خشک سالی کے وقت باران رحمت کا مطالبہ کرنا۔ **متواضعا:** عجز وانکساری کا مظاہرہ کرتے ہوئے۔ **متبذلا:** سادہ لباس زیب تن کیے ہوئے۔ **متخشعا:** نظر وگردن مین جھکاؤ اور آواز میں دھیمے پن کا اظہار۔ **مترسلا:** چال میں ٹھہراؤ اور متانت۔ **تضرعا:** طلب میں عاجزی کا نمایاں جوہر۔

تشریح: اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز استسقاء کی دو رکعات اسی طرح ادا فرمائی تھیں جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عید پڑھا کرتے تھے یعنی نماز استسقاء بارہ تکبیرات کے ساتھ ادا فرمائی تھی اور نماز کے بعد مختصر خطبہ بھی ارشاد فرمایا تھا، نیز حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی بات سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ نماز استسقاء عہد بنی امیہ میں بھی پڑھی جاتی تھی، البتہ حکام نے نماز کے بعد خطبہ کو طول دینا شروع کر دیا تھا جو کہ نامناسب عمل تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کے اس طرز عمل پر نہایت بلیغ انداز میں نقد فرمایا۔

فقہی احکام: (۱) قحط سالی کے موقع پر نماز استسقاء پڑھنا مسنون ہے۔

(۲) نماز استسقاء کی ادائیگی کے وقت تمام شرکاء کا لباس نہایت سادہ ہونا چاہیے۔ (۳) مختصر سی پند ونصیحت بھی کی جائے۔

۵۰۸: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ شَكَا النَّاسُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم قُحُوطَ الْمَطَرِ ,فَأَمَرَ بِمِنْبَرٍ ,فَوُضِعَ لَهُ فِي الْمُصَلَّى , وَوَعَدَ النَّاسَ يَوْمًا يَخْرُجُونَ فِيهِ ,فَخَرَجَ حِينَ بَدَا حَاجِبُ الشَّمْسِ ,فَقَعَدَ عَلَى الْمِنْبَرِ ,فَكَبَّرَ وَحَمِدَ اللَّهَ ,ثُمَّ قَالَ

"إِنَّكُمْ شَكَوْتُمْ جَدَبَ دِيَارِكُمْ ,وَقَدْ أَمَرَكُمُ اَللَّهُ أَنْ تَدْعُوَهُ ,وَوَعَدَكُمْ أَنْ يَسْتَجِيبَ لَكُمْ " ثُمَّ قَالَ " اَلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ اَلْعَالَمِينَ ,اَلرَّحْمَنِ اَلرَّحِيمِ ,مَالِكِ يَوْمِ اَلدِّينِ ,لَا إِلَهَ إِلَّا اَللَّهُ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ,اَللَّهُمَّ أَنْتَ اَللَّهُ ,لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ ,أَنْتَ اَلْغَنِيُّ وَنَحْنُ اَلْفُقَرَاءُ ,أَنْزِلْ عَلَيْنَا الْغَيْثَ ,وَاجْعَلْ مَا أَنْزَلْتَ قُوَّةً وَبَلَاغًا إِلَى حِينٍ" ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ ,فَلَمْ يَزَلْ حَتَّى رُئِيَ بَيَاضُ إِبِطَيْهِ ,ثُمَّ حَوَّلَ إِلَى اَلنَّاسِ ظَهْرَهُ ,وَقَلَبَ رِدَائَهُ ,وَهُوَ رَافِعٌ يَدَيْهِ ,ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَى اَلنَّاسِ وَنَزَلَ ,وَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ, فَأَنْشَأَ اَللَّهُ سَحَابَةً ,فَرَعَدَتْ ,وَبَرَقَتْ ,ثُمَّ أَمْطَرَتْ. رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَقَالَ: "غَرِيبٌ ,وَإِسْنَادُهُ جَيِّدٌ.

ابوداود، جماع ابواب صلاۃ الاستسقاء و تفریعھا، باب رفع الیدین فی الاستسقاء: ۱۱۷۳، البیہقی: ۳۴۹/۳، الحاکم: ۴۷۶/۱، الطحاوی: ۳۲۵/۱، معرفۃ السنن والآثار: ۹۵/۳ ـ ۱۰۱، ابن حبان: ۲۸۶۰

۵۰۸: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے قحط سالی کی شکایت کی، آپ ﷺ نے منبر لے جانے کا حکم فرمایا اور اسے عیدگاہ میں رکھ دیا گیا اور لوگوں سے وعدہ کیا کہ ایک دن سب جمع ہو کر عیدگاہ کی طرف چلیں گے چنانچہ آپ ﷺ طلوع آفتاب کے فوراً بعد تشریف لائے اور منبر پر جلوہ فروز ہوئے ،اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور ستائش بیان کرنے کے بعد فرمایا:" آپ لوگوں نے اپنے علاقوں میں خشک سالی کی شکایت کی ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دے چکا ہے کہ تم اس سے استدعا کرو اور وہ تم سے تمہاری دعائیں قبول کرنے کا وعدہ کر چکا ہے۔" پھر رحمت عالم ﷺ نے فرمایا:" ہمہ قسم کی ستائش اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے، جو تمام جہانوں کی درجہ بدرجہ نشوونما کرنے والا ہے، وہ بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے، بدلے کے دن کا وہی مالک ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ جو چاہے سو کرتا ہے، اے اللہ! تو ہی معبود حقیقی ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو غنی اور ہم محتاج ہیں، ہم پر باران رحمت نازل فرما، جو کچھ تو نے ہم پر نازل فرمایا ہے، اسے طاقت اور عرصہ دراز تک جاری رہنے کا وسیلہ بنا۔" پھر آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ بلند فرمائے اور انہیں مزید بلند کرتے رہے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کی بغلوں کی سفیدی دکھائی دینے لگی، پھر آپ ﷺ نے لوگوں کی طرف رُخ انور فرمایا، منبر سے نیچے تشریف لائے اور دو رکعت نماز پڑھی، اللہ تعالیٰ نے اسی وقت ایک بدلی پیدا فرمائی جو گرجی اور چمکی، پھر برس پڑی۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور اس پر غریب کا حکم لگایا ہے، جبکہ اس کی سند جید ہے۔

لغوی تحقیق: **قحوط**: قاف اور حاء مضموم، اس مادے کا ثلاثی مجرد منع یمنع کے وزن پر استعمال ہوتا ہے، اس کا مصدر فعول کے وزن پر بھی آتا ہے، اس کا معنی ہے رُک جانا۔ **المطر** :میم اور طاء مفتوح یعنی وہ پانی جا بادلوں سے گرتا ہے۔ **الحاجب**:اس کے حقیقی معنی اس ہڈی کے ہیں جو آنکھ کے اوپر ابھری ہوئی ہوتی ہے جسے اردو میں ابرو کہا جاتا ہے، یہ ہڈی آنکھوں کو سورج کی روشنی کی شعاعوں سے محفوظ رکھتی ہے، اس وجہ سے اسے الحاجب سے تعبیر کیا گیا ہے اور جب اس کی نسبت سورج کی طرف ہوگی جیسا کہ زیر مطالعہ حدیث میں ہے پھر اس سے مراد سورج کا کنارہ ہوگا۔ **جدب**: جیم مفتوح، دال ساکن یعنی خشک ہونا۔ **الغیث**: بارش۔ **قوۃ**: ایسی غذا جس کے ذریعے انسانی بدن قائم رہتا ہے۔ **الابط**: ہمزہ اور باء مکسور، بغل۔ **حول**: یہ تحویل سے ماخوذ ہے یعنی پھرنا۔ **قلب** : **تقلب** سے ماخوذ ہے یعنی الٹانا۔ **رداء**: راء مکسور، چادر۔ **سحابۃ**: بادل کا ایک ٹکڑا۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ نماز استسقاء کی ادائیگی کے لیے عیدگاہ کی طرف منبر لے جانا مسنون ہے۔ نیز خطبہ استسقا نماز سے پہلے دینا مسنون ہے جبکہ نماز عید کے لیے منبر عیدگاہ کی طرف لے جانا اور نماز عید سے قبل خطبہ دینا درست نہیں، البتہ نماز استسقا کی

ادائیگی کا مقام اور طریقہ کار نماز عید ہی کی طرح ہے۔ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے نماز استسقا میں قرأت جہری فرمائی تھی، جعفر بن محمد سے مروی روایت میں ہے کہ نبی ﷺ اور ابوبکر وعمر جہری قرأت فرمایا کرتے تھے، سات اور پانچ تکبیرات کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے اُلٹے ہاتھ کر کے دعا فرمائی۔

فقہی احکام: (۱) خطبہ عید سے پہلے ہونا چاہیے۔(۲) خطبہ کا آغاز حمد سے ہونا چاہیے۔(۳) نماز استسقا کا اعلان اس کی ادائیگی سے ایک روز قبل ہونا چاہیے۔(۴) استسقا کا خطبہ بیٹھ کر دینا چاہیے۔(۵) نماز اذان اور تکبیر کے بغیر باجماعت ادا کرنی چاہیے۔(۶) نماز کے بعد خوب ہاتھ بلند کر کے دعا کرنی چاہیے۔(۷) عیدین کی نماز کی طرح بارہ تکبیرات سے ادا کرنی چاہیے۔

۵۰۹: وَقِصَّةُ اَلتَّحْوِيلِ فِي اَلصَّحِيحِ مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ اَللَّهِ بْنِ زَيْدٍ وَفِيهِ ، فَتَوَجَّهَ إِلَى اَلْقِبْلَةِ ,يَدْعُو ,ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ, جَهَرَ فِيهِمَا بِالْقِرَاءَةِ.

البخاری، کتاب الاستسقاء، باب الجهر بالقرأة فی الاستسقاء: ۱۰۲۴، مسلم: ۸۹۴، ابوداود: ۱۱۶۱، الترمذی: ۵۶۱، النسائی: ۱۵۷/۳، احمد: ۴۰/۴، البیهقی: ۳۴۸/۳، ابن خزیمة: ۳۳۹/۲، الدارقطنی: ۶۶/۲، ۶۷

۵۰۹: صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں تحویل کا واقعہ اس طرح ہے، پھر آپ ﷺ نے رُخ انور قبلہ کی طرف کیا اور دعا فرمائی، پھر دو رکعت نماز ادا فرمائی اور دونوں رکعات میں قرأت بلند آواز سے فرمائی۔

تشریح: امام احمد نے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما سے جو حدیث نقل کی ہے اس میں یہ صراحت ہے کہ صحابہ نے بھی اپنی چادریں الٹائیں، لیکن علامہ البانی نے اس اضافے کو شاذ قرار دیا ہے، شاید اس کا سبب یہ ہے کہ ابن اسحاق کے ساتھیوں نے ان الفاظ کے نقل کرنے میں ابن اسحاق کی متابعت نہیں کی۔اس روایت کو عبداللہ بن زید سے امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے مگر انہوں نے جہری قرأت کا ذکر نہیں کیا، تاہم امام دارقطنی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے جو حدیث نقل کی ہے اس میں یہ صراحت ہے کہ آپ ﷺ نے پہلی رکعت میں سورۃ الاعلیٰ اور دوسری میں سورۃ الغاشیہ تلاوت فرمائی۔لیکن یہ حدیث محمد بن عبدالعزیز کے منکر الحدیث ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے

فقہی احکام: نماز استسقا میں قرأت جہری ہونی چاہیے۔

۵۱۰: وَلِلدَّارَقُطْنِيِّ مِنْ مُرْسَلِ أَبِي جَعْفَرٍ اَلْبَاقِرِ ، وَحَوَّلَ رِدَائَهُ لِيَتَحَوَّلَ اَلْقَحْطُ.

الدارقطنی: ۶۶/۲، الحاکم: ۴۷۳/۱، البیهقی: ۶۵۰۹، ۶۵۱۱

۵۱۰: امام دارقطنی نے حضرت ابوجعفر باقر سے جو مرسل روایت نقل کی ہے اس میں ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی چادر اس لیے الٹائی تا کہ قحط سالی بھی اس طرح پلٹ جائے۔

تشریح: یہ روایت رجال کے اعتبار سے تو قوی ہے تاہم مرسل ہونے کی وجہ سے حجت قطعی نہیں ہے۔البتہ امام حاکم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہی متن اسی سند سے مرفوع نقل کیا ہے۔امام دارقطنی اور امام بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی سلسلے میں جو روایت نقل کی ہے اس میں چادر الٹانے کی کیفیت بیان کی گئی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے چادر کے دائیں حصے کو بائیں طرف اور بائیں حصے کو دائیں طرف کر لیا۔

۵۱۱: وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَجُلًا دَخَلَ اَلْمَسْجِدَ يَوْمَ اَلْجُمُعَةِ ,وَالنَّبِيُّ ﷺ قَائِمٌ يَخْطُبُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اَللَّهِ ,هَلَكَتِ اَلْأَمْوَالُ ,وَانْقَطَعَتِ اَلسُّبُلُ ,فَادْعُ اَللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يُغِيثُنَا ,فَرَفَعَ يَدَيْهِ ,ثُمَّ قَالَ "اَللَّهُمَّ أَغِثْنَا ,اَللَّهُمَّ أَغِثْنَا" فَذَكَرَ

اَلۡحَدِيثَ، وَفِيهِ اَلدُّعَاءُ بِإِمُسَاكِهَا . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب الاستسقاء، باب من اکتفیٰ بصلاۃ الجمعۃ فی الاستسقاء: ١٠١٦، مسلم: ٨٩٧، ابوداود: ١١٧٥، النسائی: ١٥٤/٣، مؤطا: ١٩١/١، ابن حبان: ٢٨٥٧، معرفۃ السنن والآثار: ٩٩/٣، البیہقی: ٣٤٣/٣

۵۱۱: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی جمعہ کے روز مسجد میں داخل ہوا، نبی اکرم ﷺ اس وقت کھڑے خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، اس نے کہا، اے اللہ کے رسول! مال ہلاک ہوگئے، راستے مسدود ہوگئے، آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ ہم پر رحمت باراں نازل فرمائے، آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کیے اور دعا فرمائی: " اے اللہ! باران رحمت سے ہماری فریادرسی فرما، اے اللہ! باران رحمت سے ہماری فریادرسی فرما۔" حضرت انس رضی اللہ عنہ نے پوری حدیث نقل فرمائی، اس میں بارش بند کروانے کی دعا بھی مذکور ہے۔

لغوی تحقیق: انقطعت: قطع سے ماخوذ ہے یعنی منقطع ہوگئے۔ السبل: سبیل کی جمع ہے یعنی راستے۔ اغثنا: اغاثۃ سے ماخوذ ہے یعنی ہم پر باران رحمت نازل فرما۔ امساک: روکنا، بند کرنا۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ مقتدی خطیب کو دوران خطبہ دعا کے لیے کہہ سکتا ہے، نیز یہ بھی واضح ہوا کہ قحط سالی کو دور کروانے کے لیے نماز استسقا ہی ضروری نہیں، موقع کی مناسبت سے فقط بارش کی دعا پر بھی انحصار کیا جا سکتا ہے، نیز اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھانا بھی ایک مسنون طریقہ ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث متعدد طرق سے منقول ہے ایک طریق میں ہے کہ آپ ﷺ نے اللھم اغثنا تین دفعہ کہا، جس سے یہ واضح ہوا کہ ایک ہی دعا کو بار بار دہرانا بھی مسنون ہے۔

فقہی احکام: (۱) خطیب کو دوران خطبہ دعا کے لیے کہا جا سکتا ہے۔ (۲) دوران خطبہ ہاتھ اٹھا کر دعا کی جا سکتی ہے۔
(۳) ایک دعا کو بار بار دہرایا جا سکتا ہے۔ (۴) خطیب خطبہ روک کر سائل کی بات سن سکتا ہے۔

۵۱۲: وَعَنۡ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ عُمَرَ رضی اللہ عنہ كَانَ إِذَا قَحَطُوا اِسۡتَسۡقىٰ بِالۡعَبَّاسِ بۡنِ عَبۡدِ اَلۡمُطَّلِبِ وَقَالَ، اَللَّهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَسۡتَسۡقِي إِلَيۡكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسۡقِينَا ,وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيۡكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسۡقِنَا، فَيُسۡقَوۡنَ. رَوَاهُ اَلۡبُخَارِيُّ.

البخاری، کتاب الاستسقاء، باب سوال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا: ١٠١٠، ابن خزیمۃ: ١٤٢١، ابن حبان: ٢٨٦١، تاریخ دمشق: ١١٣/٢

۵۱۲: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جب لوگ قحط میں مبتلا ہو جاتے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو وسیلہ بنا کر بارش طلب کرتے اور اللہ کے حضور عرض کرتے، اے اللہ! ہم تجھ سے تیرے نبی ﷺ کے وسیلہ سے بارش طلب کیا کرتے تھے اور تو ہمیں بارش سے نواز دیا کرتا تھا، اب ہم تیرے حضور تیرے نبی ﷺ کے چچا کو بطور وسیلہ لے کر پیش ہوئے ہیں لہٰذا تو ہمیں باران رحمت سے سیراب کر دے، چنانچہ انہیں باران رحمت سے سیراب کر دیا جاتا۔ (البخاری)

لغوی تحقیق: قحطوا: قاف اور حاء مفتوح، یعنی قحط میں مبتلا ہوگئے۔ نتوسل: وسیلہ سے ماخوذ ہے یعنی ہم بطور وسیلہ لائے ہیں۔

تشریح: اس روایت سے یہ واضح ہوا کہ کسی بھی فوت شدہ شخص کو وسیلہ بنانا درست نہیں کیونکہ اگر یہ درست ہوتا تو حضرت عمر اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم قحط سالی کے وقت ہمیشہ رحمت عالم ﷺ کے وسیلہ سے باران رحمت طلب کیا کرتے۔ البتہ اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ کسی زندہ نیک شخص کو وسیلہ بنایا جا سکتا ہے، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو وسیلہ بنایا، اسی طرح کی ایک روایت حضرت

معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت سے متعلق بھی ہے، جیسا کہ سلیم بن عامر کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مسلمانوں کو قحط سالی کا سامنا ہو گیا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اہل دمشق کو ساتھ لے کر باہر نکلے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مطلوبہ جگہ پر پہنچ کر منبر رکھوایا اور حضرت یزید بن اسود رضی اللہ عنہ کو منبر پر بٹھایا اور خود منبر کے نیچے ان کے پاؤں کے قریب بیٹھ گئے اور اللہ کے حضور عرض کیا، اے اللہ! ہم اپنے بہترین شخص یزید بن اسود کو سفارشی بنا کر لائے ہیں، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت یزید بن اسود رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ وہ بھی اللہ کے حضور ہاتھ اٹھا کر درخواست پیش کریں چنانچہ انہوں نے اور تمام شرکا نے ہاتھ اٹھا کر اللہ کے حضور درخواست پیش کی تو اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو شرف قبولیت بخشا اور لوگوں کے اپنے گھروں تک واپس پہنچنے سے قبل ہی باران رحمت نازل ہو گئی۔

فقہی احکام: (۱) فوت شدہ شخصیات کو وسیلہ بنانا درست نہیں۔ (۲) زندہ نیک شخص کو وسیلہ بنایا جا سکتا ہے۔

۵۱۳: وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ أَصَابَنَا وَنَحْنُ مَعَ رَسُولِ اَللَّهِ ﷺ مَطَرٌ قَالَ فَحَسَرَ ثَوْبَهُ ,حَتَّى أَصَابَهُ مِنَ اَلْمَطَرِ ,وَقَالَ "إِنَّهُ حَدِيثُ عَهْدٍ بِرَبِّهِ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، کتاب الاستسقاء، باب الدعاء فی الاستسقاء: ۸۹۸، ابوداود: ۵۱۰۰، احمد: ۱۳۳/۳

تنبیہ: مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو مختصر کر کے تحریر کیا ہے۔

۵۱۳: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے کہ اس دوران ہمیں بارش نے آلیا، آپ ﷺ نے اپنے جسم مبارک سے کپڑا اٹھایا اور بارش آپ ﷺ کے جسم مبارک پر پڑنے لگی، آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ اپنے رب کی طرف سے ایک نیا تحفہ ہے۔"

لغوی تحقیق: حسر: کھولا۔

تشریح: بارش باری تعالیٰ کی طرف سے ایک ایسا انمول تحفہ ہے جو سیراب کرنے کے ساتھ ساتھ شفا بھی ہے، اطبا حضرات بارش کے قطرات کو کسی صاف برتن میں محفوظ کر لیتے ہیں، پھر انہیں ادویات میں شامل کرتے ہیں، بارش میں نہانا گرمی دانوں کے لیے بہت مفید ہے، اور اس حدیث سے بارش میں نہانے کا ثبوت ملتا ہے۔

فقہی احکام: بارش میں نہانا مسنون ہے۔

۵۱۴: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ رَسُولَ اَللَّهِ ﷺ كَانَ إِذَا رَأَى اَلْمَطَرَ قَالَ " اَللَّهُمَّ صَيِّبًا نَافِعًا " أَخْرَجَاهُ.

البخاری، کتاب الاستسقاء، باب مایقال اذا امطرت: ۱۰۳۲، مسلم، کتاب الاستسقاء، باب التعوذ عند رؤية الريح و الغيم و الفرح بالمطر: ۸۹۹، ابوداود: ۵۰۹۹، النسائی: ۱۶۴/۳، احمد: ۴۱/۶، الطبرانی: ۱۱۵۳۳، ابن ماجة: ۳۸۸۹، البیهقی: ۳۶۱/۳، ۳۶۲، ابن حبان: ۹۹۳، ۹۹۴

۵۱۴: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ جب بارش دیکھتے تو فرماتے: " اے اللہ! نفع بخش بارش بنا دے" بخاری و مسلم

لغوی تحقیق: صیبا: فعل مقدر یعنی اجعله کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ نافعا: یہ صیبا کی صفت احترازی ہے، کیونکہ بارش نقصان دہ بھی ہو سکتی ہے اور سود مند بھی۔

تشریح: مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری کے ذکر کردہ الفاظ نقل کیے ہیں، بخاری میں صیبا نافعا کا فعل مقدر ہے، جبکہ امام نسائی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو حدیث نقل کی ہے، اس میں فعل مذکور ہے یعنی آپ ﷺ نے فرمایا "اللهم اجعله صيبا نافعا اے اللہ! اس بارش کو نفع بخش بنا دے۔" امام مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی جو حدیث نقل کی ہے اس میں رحمۃ یعنی آپ ﷺ فرماتے، اے اللہ! اس

بارش کو باعث رحمت بنادے۔

امام طبرانی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی جو حدیث نقل کی ہے اس میں ہے کہ آپ ﷺ جب آندھی اٹھتی دیکھتے تو فرماتے، اے اللہ! اس ہوا کو رحمت بنانا، عذاب نہ بنانا۔ لیکن یہ روایت حسین بن قیس کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔

فقہی احکام: بارش کے آثار دیکھ کر متحیر ہونا چاہیے اور اللہ تعالیٰ سے یہ التجا کرنی چاہیے کہ اے اللہ! اس بارش کو نفع بخش بنادے۔

۵۱۵: وَعَنْ سَعْدٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَعَا فِي الِاسْتِسْقَاءِ " اَللَّهُمَّ جَلِّلْنَا سَحَابًا ,كَثِيفًا ,قَصِيفًا ,دَلُوقًا ,ضَحُوكًا, تُمْطِرُنَا مِنْهُ رَذَاذًا ,قِطْقِطًا ,سَجْلًا ,يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ " رَوَاهُ أَبُو عَوَانَةَ فِي صَحِيحِهِ.

ابو عوانة: ۱۱۹/۲، تلخیص: ۹۹/۲، کنز: ۲۱۶۰۶، جمع الجوامع: ۱۰۰۲۲

۵۱۵: حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پانی طلب کرتے ہوئے یہ دعا مانگی:" اے اللہ! ہمیں ایسے بادل سے کثرت سے باریک بوندیں عنایت فرمادے جو ساری زمین پر چھایا ہوا ہو، خوب گہرا ہو، خوب گرج چمک کر برسنے والا ہو، اے بزرگی اور عزت کے مالک۔" امام ابوعوانہ نے اسے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے۔

لغوی تحقیق: جلل: باب تفعیل سے فعل امر ہے یعنی ایسے بادل جس نے روئے زمین کو ڈھانپ رکھا ہو۔ سحابا: بادل۔ کثیفا: گاڑھا قصیفا: خوب گرجنے والا۔ دلوقا: خوب تیزی سے برسنے والا۔ ضحوکا: خوب چمکنے والا۔ رذاذاً: خوب باریک بوندیں۔ قطقطا: مسلسل گرنے والی باریک بوندیں۔ سجلا: پے در پے گرنے والے قطرات۔

تشریح: مؤلف رحمہ اللہ نے اس روایت کو تلخیص میں نقل کرنے کے بعد اس کی سند کو واہی قرار دیا ہے۔

۵۱۶: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ "خَرَجَ سُلَيْمَانُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَسْتَسْقِي ,فَرَأَى نَمْلَةً مُسْتَلْقِيَةً عَلَى ظَهْرِهَا رَافِعَةً قَوَائِمَهَا إِلَى السَّمَاءِ تَقُولُ اَللَّهُمَّ إِنَّا خَلْقٌ مِنْ خَلْقِكَ ,لَيْسَ بِنَا غِنًى عَنْ سُقْيَاكَ ,فَقَالَ: ارْجِعُوا فَقَدْ سُقِيتُمْ بِدَعْوَةِ غَيْرِكُمْ " رَوَاهُ أَحْمَدُ وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

الحاكم: ۳۲۵/۱، الدارقطنی: ۶۶/۲، مشكل الآثار للطحاوی: ۳۷۳/۱، الارواء: ۱۳۷/۳، التاريخ الكبير: ۱۹۷/۱، ۱۶/۷، الجرح و التعديل: ۳۸۶/۶، عبدالرزاق: ۹۴/۳-۹۶

تنبیہ: مؤلف رحمہ اللہ نے زیر مطالعہ حدیث کو بلوغ المرام اور التلخیص الحبیر میں احمد کی طرف منسوب کیا ہے، مگر یہ روایت مسند احمد میں نہیں البتہ کتاب الزھد میں ہے، (۲) حاکم اور دارقطنی میں نبی علیہ السلام کا نام مذکور نہیں، البتہ عبدالرزاق میں حضرت سلیمان اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے نام مذکور ہیں۔

۵۱۶: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:" حضرت سلیمان علیہ السلام طلب بارش کے لیے باہر نکلے تو ان کی نگاہ ایک ایسی چیونٹی پر پڑی جو کمر کے بل لیٹی ہوئی تھی اور اس نے اپنی ٹانگیں آسمان کی طرف بلند کر رکھی تھیں اور وہ کہہ رہی تھی، اے اللہ! ہم بھی تیری تخلیقات میں سے ایک مخلوق ہیں، اور ہم بھی تیری بارش سے بے نیاز نہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا، واپس چلو، کسی اور کی دعا کی وجہ سے تم پر یقیناً بارش برسادی جائے گی۔" اسے احمد نے روایت کیا ہے، حاکم نے صحیح کہا ہے۔

لغوی تحقیق: قوائم: یہ قائمة کی جمع ہے یعنی ٹانگیں۔ سقیا: سین مضموم اور قاف ساکن، بارش۔ سقیتم: سین مضموم اور قاف مکسور، فعل ماضی مجہول، جس خبر کا وقوع پزیر ہونا یقینی ہو اسے فعل ماضی سے ذکر کرنا درست ہے۔ اس قسم کی مثالیں قرآن حکیم میں بھی موجود ہیں۔

تشریح: امام حاکم نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے مگر اس کے باوجود شیخین نے اسے صحیحین

میں جگہ نہیں دی۔ امام ذہبی نے امام حاکم کی تحقیق پر مہر تصدیق ثبت کی ہے، لیکن علامہ ناصر الدین ان بزرگوں سے اختلاف کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ محمد بن عون اور اس کے باپ کے بارے میں میرے علم کے مطابق کسی نے تفصیل نقل نہیں کی، لہٰذا اس قسم کے رواۃ مجہول قرار پاتے ہیں۔

امام بخاری نے **تاریخ کبیر** میں محمد بن عون کا تذکرہ تو کیا ہے، مگر ان کے بارے میں جرح یا تعدیل نقل نہیں کی، لیکن امام احمد نے اسے معروف کہا ہے، اسی طرح امام ابن ابی حاتم نے عون کا ذکر تو کیا ہے مگر اس کے بارے میں جرح یا تعدیل نہیں کی، جبکہ امام ابن حبان نے اس کا تذکرہ **کتاب الثقات** میں کیا ہے۔ اور امام بخاری نے امام زہری سے اس کی روایات کو منقطع قرار دیا ہے، مگر زیر مطالعہ روایت کے سیاق سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ اس سند میں بظاہر کوئی انقطاع نہیں۔ طحاوی نے اس روایت کو ایک دوسرے طریق سے بھی نقل کیا ہے مگر وہ طریق سلامۃ بن روح کے ضعیف ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے، خصوصاً اس کی وہ روایات جو یہ عقیل بن خالد سے نقل کرتا ہے، تمام ماہرین فن کے نزدیک ضعیف ہیں۔

۵۱۷: وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ اَلنَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم اسْتَسْقَى فَأَشَارَ بِظَهْرِ كَفَّيْهِ إِلَى اَلسَّمَاءِ. أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، کتاب الاستسقاء، باب رفع الیدین بالدعاء فی الاستسقاء: ۸۹۵، البخاری: ۱۰۳۱

۵۱۷: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بارش کے لیے دعا کرتے وقت الٹے ہاتھ کر کے دعا فرمائی۔ (مسلم)

تشریح: امام بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے جو روایت نقل کی ہے اس میں ہاتھ الٹے کرنے کا ذکر نہیں، البتہ ہاتھوں کو خوب بلند کرنے کا ذکر ہے۔

فقہی احکام: (۱) بارش کے لیے دعا ہاتھ الٹے کر کے مانگی جائے۔ (۲) دعا کرتے وقت ہاتھوں کو خوب بلند کیا جائے۔

۱۷۔ بَابُ اللِّبَاسِ — لباس کا بیان

۵۱۸: عَنْ أَبِي عَامِرٍ اَلْأَشْعَرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ رَسُولُ اَللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم "لَيَكُونَنَّ مِنْ أُمَّتِي أَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّونَ اَلْحِرَ وَالْحَرِيرَ" رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، وَأَصْلُهُ فِي اَلْبُخَارِيِّ.

ابوداود، کتاب اللباس، باب ماجاء فی الخز: ۴۰۳۹، البخاری: ۵۵۹۰، فتح الباری: ۱۰/ ۵۴، ۵۵، المحلی: ۹/ ۵۹، تغلیق التعلیق لابن حجر: ۵/ ۱۷۔ ۲۰، ابن حبان: ۶۷۵۴، البیہقی: ۳/ ۲۷۳، الطبرانی: ۳۴۱۷

۵۱۸: حضرت ابوعامر اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میری امت میں یقیناً ایسے گروہ ہوں گے جو زنا اور ریشم کو جائز خیال کریں گے۔" اسے ابوداؤد نے روایت کیا اور اس کی اصل بخاری میں ہے۔

لغوی تحقیق: **الحر**: حاء مکسور اور راء مفتوح، عورت کی شرمگاہ، بعض نے راء کو مشدد مفتوح قرار دیا ہے، مگر صحیح یہی ہے کہ راء مخفف ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ لفظ اصل میں حری تھا، یاء کو حذف کر دیا گیا، بعض کا خیال ہے کہ اس کی اصل حرح ہے۔ ابوداؤد کے بعض نسخوں میں لفظ خز بھی استعمال ہوا ہے، ابن تین نے لفظ خز کو بخاری کی طرف بھی منسوب کیا ہے، جبکہ ابن العربی نے لفظ خز کو تصحیف قرار دیا ہے۔ مؤلف رحمہ اللہ نے بھی مقدم الذکر لفظ کو ہی راجح قرار دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ **الذھد لابن مبارک** میں **الحر** کی جگہ **فروج النساء** کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، جو اس بات کی دلیل ہے کہ صحیح تلفظ حر ہی ہے۔ اس لفظ کے راجح ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ لفظ خز ایسے

کپڑے کو کہا جاتا ہے جو ریشم اور اون سے تیار کیا جائے۔ اس قسم کے کپڑے زیب تن کرنا بعض جلیل القدر صحابہ سے ثابت ہے، ظاہر ہے کہ صحابہ واضح منہیات کا ارتکاب نہیں کر سکتے تھے۔ لہٰذا راجح یہی ہے کہ زیر مطالعہ حدیث میں مذکور لفظ حر ہی ہے۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ امت مسلمہ میں بھی بعض ایسے بدبخت انسان ہوں گے جو زنا جیسے قبیح فعل کو بھی حلال خیال کریں گے۔ عصر حاضر میں تحفظ حقوق نسواں کے نام پر فحاشی کی ترویج اس مساعی مذمومہ کی ایک کڑی ہے، کیونکہ اس کے ذریعے پاکستان میں زنا بالرضا کو دبے الفاظ میں قانونی تحفظ دے دیا گیا ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ نے زیر مطالعہ حدیث کو ابوداؤد کی طرف منسوب کیا ہے، نیز یہ کہا ہے کہ اس کی اصل صحیح بخاری میں ہے۔ امام بخاری نے اس حدیث کی سند کا آغاز حدثنا یا اخبرنا کے بجائے **وقال هشام بن عمار** سے کیا ہے۔ امام بخاری کے اس انداز سے امام ابن حزم کو اس حدیث کے منقطع ہونے کا شبہ ہوا ہے، بنابریں بعض اہل علم نے ابن حزم کی تقلید میں اس حدیث کو معلق قرار دیا ہے۔

حالانکہ یہ حدیث موصولاً ہے کیونکہ هشام بن عمار امام بخاری کے استاد ہیں، امام بخاری کا ان سے لقاء اور سماع صراحتاً ثابت ہے۔ بعض اہل علم کو مؤلف رحمہ اللہ کے اس بیان سے کہ اس کی اصل صحیح بخاری میں ہے، سے بھی اس حدیث کے معلق ہونے کا شبہ ہوا ہے، لیکن یہ خیال بھی درست نہیں ہے۔ تاہم اس میں اشکال ضرور ہے یعنی یہ روایت اگر معلق نہیں تو پھر مؤلف رحمہ اللہ نے اس حدیث کو براہ راست صحیح بخاری کی طرف منسوب کیوں نہیں کیا؟ جبکہ حدیث کے مذکورہ الفاظ قدرے اضافہ کے ساتھ صحیح بخاری میں بھی موجود ہیں۔

راقم کے نزدیک اس کا سبب یہ ہے کہ مؤلف رحمہ اللہ نے چونکہ ابوداؤد کے بیان کردہ الفاظ نقل کیے ہیں اس لیے اس حدیث کو ابوداؤد کی طرف منسوب کر دیا ہے اور بخاری کی بیان کردہ حدیث کو اس کی اصل قرار دینے کی شاید وجہ یہ ہے، کہ مؤلف رحمہ اللہ کے نزدیک راجح لفظ حر ہے جیسا کہ انہوں نے **فتح الباری** میں ذکر کیا ہے۔ صحیح بخاری میں یہ لفظ چونکہ بالجزم مذکور ہے جبکہ ابوداؤد کے کسی نسخہ میں لفظ خز اور کسی نسخہ میں لفظ حر ہے۔ امام بیہقی نے **شعب الایمان** میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے جو حدیث نقل کی ہے، اس میں لفظ حر کی بجائے لفظ **الفروج** بیان ہوا ہے۔ یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ صحیح لفظ حر ہی ہے۔

فقہی احکام: اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے حرام کردہ کسی فعل کو حلال سمجھ کر اس کا ارتکاب کرنا گناہ میں دو چند اضافہ کرتا ہے۔

۵۱۹: وَعَنْ حُذَيْفَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ نَهَى النَّبِيُّ ﷺ أَنْ نَشْرَبَ فِي آنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ ,وَأَنْ نَأْكُلَ فِيهَا ,وَعَنْ لُبْسِ الْحَرِيرِ وَالدِّيبَاجِ ,وَأَنْ نَجْلِسَ عَلَيْهِ . رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

البخاری، کتاب اللباس، باب افتراش الحریر: ۵۸۳۷، مسلم: ۲۰۶۷، ابوداود: ۳۷۲۳، النسائی: ۱۹۸/۸، ابن ماجة: ۳۴۱۴، احمد: ۳۹۰/۵، الدارقطنی: ۲۹۳/۴

تنبیہ: صحیح بخاری مطبوعہ میں نهانا النبی ﷺ ہے۔

۵۱۹: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سونے چاند کے برتنوں میں کھانے پینے، عام اور گھاڑے ریشمی (کپڑے) پہننے اور ان پر بیٹھنے سے منع فرمایا۔

لغوی تحقیق: **الديباج**: ریشم سے بنے ہوئے موٹے کپڑے۔

تشریح: اس حدیث کو امام مسلم نے متعدد طرق سے نقل کیا ہے جیسا کہ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ نقل کرتے ہیں کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے پانی طلب کرنے پر ان کے ایک مجوسی غلام نے انہیں چاندی کے برتن میں پانی پیش کیا، اس پر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے

رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "تم عام ریشمی کپڑے اور موٹے ریشمی کپڑے مت زیب تن کرو، چاندی اور سونے کے برتنوں میں مت کھاؤ پیؤ، کیونکہ ان (کافروں) کے لیے یہ چیزیں دنیا میں ہیں" صحیح بخاری میں ہے کہ "تمہارے لیے آخرت میں ہے۔" اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ ریشمی لباس کا استعمال امت مسلمہ کے مرد حضرات کے لیے حرام ہے جبکہ سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا خواتین و حضرات دونوں کے لیے حرام ہے۔

فقہی احکام: (۱) مرد حضرات کے لیے ہر قسم کا ریشمی لباس ممنوع ہے۔

(۲) سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا امت مسلمہ کے تمام افراد کے لیے ممنوع ہے۔

۵۲۰: وَعَنْ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ نَهَى اَلنَّبِيُّ ﷺ عَنْ لُبْسِ اَلْحَرِيرِ إِلَّا مَوْضِعَ إِصْبَعَيْنِ ,أَوْ ثَلَاثٍ ,أَوْ أَرْبَعٍ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ,وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ.

مسلم، کتاب اللباس و الزینة، باب تحریم استعمال اناء الذهب و الفضةعلی الرجال و النساء و خاتم الذهب و الحریر علی الرجل: ۲۰۶۹، البخاری: ۵۸۲۸، ابوداود: ۴۰۴۲، الترمذی: ۱۷۲۱، النسائی: ۲۰۲/۸، ابن ماجة: ۳۵۹۳، احمد: ۱۵/۱

۵۲۰: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے دو، تین یا چار انگشت سے زیادہ ریشم زیب تن کرنے سے منع فرمایا۔ بخاری و مسلم، اور مذکورہ الفاظ مسلم کے ہیں۔

لغوی تحقیق: لبس: لام مضموم اور باء ساکن، پہننا۔

تشریح: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے، ان طرق پر نظر ڈالنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حکام کو غیر اسلامی لباس زیب تن کرنے سے گاہے گاہے خبردار کرتے رہتے تھے۔ ابوعثمان کہتے ہیں کہ ہم آذربیجان میں تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے عتبہ بن فرقد کے نام مکتوب آیا، جس میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان تحریر فرمایا کہ ریشمی لباس وہی لوگ زیب تن کرتے ہیں جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ سوید بن غفلہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مقام جابیہ پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ کے نبی نے دو، تین یا چار انگشت سے زیادہ ریشمی کپڑا زیب تن کرنے سے منع فرمایا ہے۔

فقہی احکام: (۱) مردوں کے لیے ریشمی لباس زیب تن کرنا حرام ہے۔ (۲) زیادہ سے زیادہ چار انگشت کے برابر ریشمی کپڑا کا پیوند لگایا جاسکتا ہے۔ (۳) خلیفہ وقت پر لازم ہے کہ وہ اپنے عمال کے بودوباش پر نظر رکھے۔ (۴) ریشمی لباس زیب تن کرنے والوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔

۵۲۱: وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ اَلنَّبِيَّ ﷺ رَخَّصَ لِعَبْدِ اَلرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ ,وَالزُّبَيْرِ فِي قَمِيصِ اَلْحَرِيرِ ,فِي سَفَرٍ ,مِنْ حِكَّةٍ كَانَتْ بِهِمَا. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

مسلم، کتاب اللباس، باب اباحة لبس الحریر للرجل اذا کان به حکةاو نحوها: ۲۰۷۶، البخاری: ۲۹۱۹، ابوداود: ۴۰۵۶، الترمذی: ۱۷۲۲، النسائی: ۲۰۲/۸، ابن ماجة: ۳۵۹۲، احمد: ۱۲۷/۳

تنبیہ: مؤلف رحمہ اللہ نے زیر مطالعہ حدیث دو طرق جمع کر کے تحریر فرمائی ہے۔

۵۲۱: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عبدالرحمٰن بن عوف اور زبیر بن عوام کو دوران سفر ریشمی قمیص زیب تن کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی کیونکہ انہیں خارش کی بیماری لاحق تھی۔

لغوی تحقیق: حـــکة: حاءمکسور اور کاف مشدد منصوب، اس کے لفظی معنی کھرچنے، خارش کرنے کے ہیں، یہاں اس سے مراد خارش کی بیماری ہے۔

تشریح: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت متعدد طرق سے مختلف الفاظ سے مروی ہے، ابواسامہ از سعید بن عروبہ از قتادہ سے مروی طریق میں ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف اور زبیر بن عوام کو خارش یا کوئی اور تکلیف تھی، اس بنا پر انہیں آپ ﷺ نے سفر میں ریشمی قمیص پہننے کی رخصت عنایت فرمائی تھی، محمد بن بشر از سعید از قتادہ کے طریق میں سفر کی قید مذکور نہیں، شعبہ از قتادہ کے طریق میں خارش کا بالجزم ذکر ہے، جبکہ ہمام از قتادہ کے طریق میں ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما نے جوؤں کی شکایت کی تھی جس پر آپ ﷺ نے انہیں جہاد میں ریشمی قمیص زیب تن کرنے کی اجازت فرمائی تھی۔

فقہی احکام: ایسی بیماری جس میں عام کپڑا زیب تن کرنا تکلیف کا سبب بنتا ہواس میں ریشمی لباس پہننے کی سفر وحضر میں اجازت ہے۔

۵۲۲: وَعَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ كَسَانِيَ النَّبِيُّ ﷺ حُلَّةً سِيَرَاءَ ,فَخَرَجْتُ فِيهَا ,فَرَأَيْتُ الْغَضَبَ فِي وَجْهِهِ ,فَشَقَقْتُهَا بَيْنَ نِسَائِي. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ , وَهَذَا لَفْظُ مُسْلِمٍ.

مسلم، كتاب اللباس و الزينة، باب تحريم استعمال اناء الذهب و الفضة على الرجال و النساء و خاتم الذهب و الحرير على الرجل و اباحته للنساء: ۲۰۷۱ ، ۲۰۷۲، البخاري: ۵۸۴۰، ابو داود: ۴۰۴۳، النسائي: ۱۹۷/۸، احمد: ۹۰/۱

۵۲۲: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے سیراء کا ریشمی جوڑا عنایت فرمایا اور میں وہ جوڑا زیب تن کر کے باہر نکلا تو میں نے رُخِ انور پر ناراضگی کے آثار دیکھے، جس کی وجہ سے میں نے وہ دونوں چادریں کاٹ کاٹ کر اپنی خواتین میں تقسیم کر دیں۔ بخاری ومسلم، مذکورہ الفاظ مسلم کے ہیں۔

لغوی تحقیق: کسا: اس کا لغوی معنی عطا کرنا یا پہنانا ہے، یہاں اس کا معنی عطا کرنا ہے۔ کیونکہ ایک دوسرے طریق میں کسا کی جگہ اعطیٰ استعمال ہوا ہے۔ یعنی آپ ﷺ نے عطا فرمایا۔ حلة: حاء مضموم اور لام مشدد مفتوح، ایک رنگ کی دوہئی چادریں۔ سیراء: سین مکسور اور یاء مفتوح، ایسا کپڑا جس میں ریشم کا دھاگہ دھاریوں کی صورت میں استعمال ہوا ہو۔ فشققتھا: میں نے وہ کاٹ کاٹ کر تقسیم کر دیا

تشریح: اکیدر دومہ کی طرف سے نبی اکرم ﷺ کو ایک ریشمی کپڑا بطور ھدیہ موصول ہوا، وہ کپڑا آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بطور تحفہ عطا فرمایا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سمجھا کہ یہ چادریں آپ ﷺ نے انہیں پہننے کے لیے عنایت فرمائیں ہیں، اس لیے انہوں نے زیب تن کر لیں، رحمت عالم ﷺ کی نگاہ جب ان پر پڑی تو آپ ﷺ کے چہرے پر غصہ کے آثار نمایاں ہو گئے، آپ ﷺ کے بدلے ہوئے تیور دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ ناراضگی کا سبب ان چادروں کو زیب تن کرنا ہے، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دریافت کرنے پر آپ ﷺ نے فرمایا: "میں نے یہ چادریں تمہیں پہننے کے لیے نہیں دیں، میں نے تو اس لیے دیں تھیں کہ آپ اپنی خواتین کے درمیان تقسیم کر دیں گے۔"

ایک طریق میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "جاؤ یہ چادریں فاطمہ نامی خواتین کے مابین تقسیم کر دو۔"

امام نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ جمہور کے نزدیک حدیث میں مذکور الفواطم سے مراد فاطمہ نامی تین خواتین ہیں، یعنی رحمت عالم ﷺ کی لخت جگر، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ (فاطمہ رضی اللہ عنہا) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا اور فاطمہ بنت حمزہ رضی اللہ عنہا بن عبدالمطلب ہیں۔ حافظ عبدالغنی اور علامہ ابن عبدالبر کا کہنا ہے کہ اس سے مراد فاطمہ نامی چار خواتین ہیں، قاضی عیاض فرماتے ہیں

کہ چوتھی فاطمہ نامی خاتون حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی عقیل رضی اللہ عنہ کی اہلیہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت شیبہ ہیں۔صحیح مسلم میں ایک حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ریشمی چادر بطور تحفہ ملی،آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ چادر پہلے خود زیب تن فرمائی، لیکن بعد میں اتار کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بطور تحفہ عنایت فرمادی،آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا،اے اللہ کے رسول ! آپ نے یہ چادر کیوں اتار دی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" مجھے جبریل نے زیب تن کرنے سے روک دیا۔" حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب یہ خبر پہنچی تو روتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا،اے اللہ کے رسول ! جو چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے ناپسند فرمائی،وہ مجھے کیوں عنایت فرمادی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"میں نے تمہیں زیب تن کرنے کے لیے نہیں دی، بلکہ اس لیے دی کہ آپ اسے فروخت کردیں۔" چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ دو ہزار درہم میں فروخت کردی۔

فقہی احکام: (۱) کافر کا تحفہ قبول کیا جاسکتا ہے۔(۲) بطور تحفہ ملی ہوئی چیز کسی اور کو بطور تحفہ دی جاسکتی ہے۔(۳) ریشمی کپڑے کا استعمال مردوں کے لیے ممنوع اور خواتین کے لیے جائز ہے۔(۴) ریشم کی تجارت جائز ہے نیز یہ پاک ہے۔

۵۲۳: وَعَنْ أَبِي مُوسَى رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اَللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ "أُحِلَّ اَلذَّهَبُ وَالْحَرِيرُ لِإِنَاثِ أُمَّتِي ,وَحُرِّمَ عَلَى ذُكُورِهِمْ" رَوَاهُ أَحْمَدُ ,وَالنَّسَائِيُّ ,وَالتِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ.

احمد: ۳۹۴/۴، النسائی: ۱۶۱/۸، الترمذی، ابواب اللباس، باب الحریر و الذھب: ۱۷۲۰، جامع التحصیل: ۱۸۵، تقریب التھذیب: ۲۴۰۹

۵۲۳: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" سونا اور ریشم میری امت کی خواتین کے لیے حلال اور مردوں کے لیے حرام قرار دیا گیا ہے۔" اسے احمد،نسائی اور ترمذی نے روایت کیا ہے نیز امام ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔

لغوی تحقیق: احل:ہمزہ مضموم اور حاء مکسور حلال قرار دیا گیا۔ حرم: حاء مضموم اور راء مکسور،حرام قرار دیا گیا۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث میں مذکور افعال احل اور حرم کا فاعل مذکور نہیں تاہم حدیث کے سیاق سے یہ عیاں ہے کہ ان افعال کا فاعل اللہ تعالیٰ ہی ہے کیونکہ حلت وحرمت کا اختیار اسی کے پاس ہے۔اس حدیث کو امام ترمذی نے صحیح قرار دیا ہے اور اس کے جملہ رواۃ بھی ثقہ ہیں لیکن یہ روایت منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے کیونکہ سعید بن ابی ہند کی حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں۔اس مفہوم کی دیگر احادیث چونکہ ثابت ہیں لہٰذا یہ حدیث مفہوماً صحیح ہے بنا بریں اس سے استدلال لینا درست ہے۔

فقہی احکام: (۱) سونا اور ریشم کا استعمال بطور لباس یا زیور مسلمان مردوں کے لیے ممنوع اور خواتین کے لیے جائز ہے۔

۵۲۴: وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اَللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ " إِنَّ اَللَّهَ يُحِبُّ إِذَا أَنْعَمَ عَلَى عَبْدٍ نِعْمَةً أَنْ يَرَى أَثَرَ نِعْمَتِهِ عَلَيْهِ " رَوَاهُ اَلْبَيْهَقِيُّ.

البیھقی، کتاب صلاۃ الخوف، باب الرخصۃ الرجال فی لبس الخز: ۲۱۸۷، ابوداود: ۴۰۶۳، احمد: ۴۷۳/۳، الطبرانی: ۵۳۰۸/۵

۵۲۴: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" اللہ تعالیٰ جب کسی بندے پر انعام فرماتا ہے تو وہ اس نعمت کے اثرات اس بندے پر دیکھنا چاہتا ہے۔" اسے بیہقی نے روایت کیا ہے۔

تشریح: یہ حدیث رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد صحابہ نے نقل کی ہے، حضرت مالک بن نضلہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پراگندہ لباس میں حاضر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے دریافت کیا:" کیا تمہارے پاس کچھ مال ہے؟"میں نے

عرض کیا، میرے پاس اونٹ، غلام، گھوڑے اور بکریاں وغیرہ ہر قسم کا مال ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "جب اللہ تعالیٰ نے تجھے یہ مال عطا کیا ہے تو وہ اس کے اثرات بھی تم پر دیکھنا چاہتا ہے۔"

حضرت زہیر بن ابی علقمہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ کے پاس ایک شخص پراگندہ حالت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ نے اس سے پوچھا: "کیا تمہارے پاس کچھ مال ہے؟ اس نے عرض کیا میرے پاس ہر قسم کا مال ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے مذکورہ فرمان جاری فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے بھی اسی طرح کے الفاظ منقول ہیں۔

فقہی احکام: (۱) ارتکاز دولت سے مکمل اجتناب کیا جائے۔ (۲) دولت کو جائز مصارف میں بقدر ضرورت خرچ کیا جائے۔ (۳) نادار و محتاج حضرات وخواتین کی مدد کی جائے۔ (۴) اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ذہنی، جسمانی صلاحیتوں کو استعمال کیا جائے۔

۵۲۵: وَعَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اَللَّهِ ﷺ نَهَى عَنْ لُبْسِ الْقَسِّيِّ وَالْمُعَصْفَرِ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، کتاب اللباس و الزينة، باب النهى عن لبس الرجل الثوب المعصفر: ۲۰۷۸، ابوداود: ۴۰۴۴، الترمذی: ۱۷۲۵، النسائی: ۲۰۴/۸، احمد: ۹۲/۱

۵۲۵: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے "قس" شہر کے بنے ہوئے کپڑے اور زرد رنگ کے کپڑے زیب تن کرنے سے منع فرمایا۔ (مسلم)

لغوی تحقیق: قسی: قاف مفتوح اور سین مشدد مکسور، اور آخر میں یاء نسبتی مشدد ہے۔ **المعصفر:** عُصفر نامی ایک بوٹی ہے جس سے ریشم کو رنگ دیا جاتا ہے، اس بوٹی کے رنگے ہوئے کپڑے کو **معصفر** کہا جاتا ہے۔

تشریح: عہد رسالت مآب ﷺ میں قس نامی شہر میں ریشم کی ملاوٹ سے کپڑا تیار کیا جاتا تھا، اس لیے آپ ﷺ نے اس شہر کے بنے ہوئے کپڑوں کو ممنوع قرار دیا۔ معصفر کپڑے کی ممانعت کی وجہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں مذکور ہے۔ یعنی اس میں یہ صراحت ہے کہ عہد رسالت مآب ﷺ میں کفار عصفر نامی بوٹی سے رنگے ہوئے کپڑے پہنتے تھے اس لیے مسلمانوں کو اس سے منع فرما دیا تاکہ مسلمانوں کا اسلامی تشخص برقرار رہے۔

فقہی احکام: (۱) ریشمی کپڑوں کا استعمال مرد حضرات کے لیے ممنوع ہے۔

(۲) ایسے رنگ اختیار کرنے سے اجتناب کیا جائے جو غیر مسلم حکمرانوں یا ان کے مذہبی پیشواؤں کا شعار ہیں۔

۵۲۶: وَعَنْ عَبْدِ اَللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہما قَالَ، رَأَى عَلَيَّ اَلنَّبِيُّ ﷺ ثَوْبَيْنِ مُعَصْفَرَيْنِ, فَقَالَ "أُمُّكَ أَمَرَتْكَ بِهَذَا؟" رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، کتاب اللباس و الزينة، باب النهى عن لبس الرجل الثوب المعصفر: ۲۰۷۷/۲۸، ابوداود: ۴۰۶۶، احمد: ۱۶۲/۲

تنبیہ: بلوغ المرام کے مطبوعہ نسخوں میں امک سے پہلے ہمزہ استفہام حذف ہے، جبکہ صحیح مسلم میں مذکور ہے۔

۵۲۶: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے زرد رنگ کے دو کپڑوں میں ملبوس دیکھ کر فرمایا: "کیا ایسے کپڑے پہننے کا حکم تجھے تیری ماں نے دیا ہے؟" (مسلم)

تشریح: اس حدیث میں مذکور رحمت عالم ﷺ کے فرمان کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں۔ (۱) زرد کپڑے چونکہ خواتین پہنتی ہیں اس لیے تیری ماں نے تجھے یہ کپڑے پہنا دیئے ہوں گے؟ (۲) اس رنگ کے کپڑے پہننے کی اجازت میری طرف سے تو نہیں، تیری ماں نے

بھلے تجھے دی ہو؟۔اس صورت میں آپ ﷺ کا فرمان بطور توبیخ ہوگا یہی مفہوم راجح ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما آپ ﷺ کا یہ فرمان سن کر گھر گئے اوران کپڑوں کو جلتے ہوئے تنور میں ڈال کر راکھ کر دیا۔

۵۲۷: وَعَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ رضی اللہ عنہما أَنَّهَا أَخْرَجَتْ جُبَّةَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مَكْفُوفَةَ الْجَيْبِ وَالْكُمَّيْنِ وَالْفَرْجَيْنِ, بِالدِّيبَاجِ . رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَأَصْلُهُ فِي مُسْلِمٍ وَزَادَ ، كَانَتْ عِنْدَ عَائِشَةَ حَتَّى قُبِضَتْ ,فَقَبَضْتُهَا ,وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَلْبَسُهَا ,فَنَحْنُ نَغْسِلُهَا لِلْمَرْضَى نَسْتَشْفِي بِهَا، وَزَادَ الْبُخَارِيُّ فِي الْأَدَبِ الْمُفْرَدِ ، وَكَانَ يَلْبَسُهَا لِلْوَفْدِ وَالْجُمُعَةِ .

ابوداود، کتاب اللباس، باب الرخصة فی العلم و خیط الحریر: ۴۰۵۴، مسلم: ۲۰۶۹، الادب المفرد: ۳۴۸، احمد: ۳۴۸/۶

۵۲۷: حضرت عبداللہ مولیٰ اسماء بنت ابوبکر صدیق سے منقول ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کا ایک چوغہ نکالا جس کے گریبان، آستینوں اور چاک پر دبیز ریشم کا حاشیہ تھا۔اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے اوراس کی اصل مسلم میں ہے اوراس میں مزید یہ وضاحت بھی ہے کہ یہ جبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ان کی وفات تک رہا اور جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو اسے میں نے اپنی تحویل میں لے لیا۔نبی کریم ﷺ اسے زیب تن فرمایا کرتے تھے،لیکن ہم اسے دھوکر بیماروں کو پلاتے ہیں اوراس کے ذریعے شفا حاصل کرتے ہیں۔امام بخاری نے الادب المفرد میں مزید یہ الفاظ بھی روایت کیے ہیں کہ آپ ﷺ اسے وفود سے ملاقات کرتے وقت اور جمعہ کے روز زیب تن فرماتے تھے۔

لغوی تحقیق: جبة: جیم مضموم اور باء مشدد مفتوح، ایسے کپڑے جس کے بازو کشادہ ہوں اوراسے کپڑوں کے اوپر پہنا جائے، اردو میں اسے چوغہ کہا جاتا ہے۔مکفوفة: یہ کفف سے اسم مفعول ہے، ایسا کپڑا جس کے اطراف وجوانب اورگریبان وغیرہ پر ریشم کی پٹی لگادی جائے۔ الجیب: جیم مفتوح اوریاء ساکن، گریبان۔الکمین: کاف مضموم اورمیم مشدد مفتوح، یہ کم کا تثنیہ ہے یعنی دوبازو۔ الفرجین: فاء مفتوح، راء ساکن اورجیم مفتوح، یہ فرج کا تثنیہ ہے، دوچیزوں کا درمیانی خلا یعنی دوپٹیاں جس پر بٹن لگائے جاتے ہیں اور کاج کیے جاتے ہیں۔

تشریح: مؤلف رحمہ اللہ نے مذکورہ الفاظ ایک طویل روایت سے اخذ کر کے درج کیے ہیں، اس میں اس روایت کا شان ورود یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایسے کپڑے کو زیب تن کرنا ممنوع خیال کرتے تھے جس میں ریشم کا دھاگہ دھاریوں کی شکل میں استعمال ہوا ہو، ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں قسی کپڑے کی ممانعت مذکور ہے نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی وہ حدیث ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ ریشم وہ شخص پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔حضرت اسما بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کا خیال تھا کہ ایسا کپڑا پہننا جائز ہے جس کے اطراف پر ریشم پٹیوں کی شکل میں لگایا گیا ہو، ان کی دلیل آپ ﷺ کا وہ جبہ ہے جو آپ ﷺ زیب تن فرماتے تھے۔

فقیر کے نزدیک ان احادیث میں کوئی تعارض نہیں، محض تفہیم کا فرق ہے، یعنی جن احادیث میں ریشم کی پٹیوں کی ممانعت ہے اس سے مراد وہ پٹیاں ہیں جو کپڑے کے تانے یا بانے میں شامل ہوں، جبکہ جو پٹیاں آپ ﷺ کے چوغہ پر لگی ہوئی تھیں وہ اس کپڑے کے تانے یا بانے میں شامل نہیں تھیں، بلکہ الگ سے ریشمی کپڑوں کو باریک پٹیوں میں کاٹ کر چوغہ کے اطراف پر لگایا گیا تھا۔

نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث جس میں چار انگلیوں کی مقدار کے برابر ریشمی کپڑا زیب تن کرنے کی اجازت مذکور ہے، وہ ان دونوں احادیث کے مابین تعارض ختم کرنے کے لیے کافی ہے۔یعنی چار انگلیوں کے برابر چوڑے ریشمی کپڑے کو اکٹھا، یا باریک پٹیوں کی شکل میں کاٹ کر لباس کے مختلف مقامات پر چسپاں کر کے استعمال کرنا درست ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ نے اس حدیث کو براہ راست مسلم کی طرف منسوب اس لیے نہیں کیا کہ صحیح مسلم میں **مکفوفة الجیب** کی جگہ **لها لبنة دیباج** کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

فقہی احکام: (۱) چار انگلیوں کے برابر ریشمی کپڑے کی پٹی کو کپڑے کے عرض میں اکٹھا استعمال کیا جاسکتا ہے اور اسے باریک پٹیوں میں کاٹ کر کپڑے کے کناروں، گریبان اور کاج کے مقامات پر چسپاں کیا جاسکتا ہے۔ (۲) آپ ﷺ کے زیب تن کیے ہوئے کپڑوں کو بطور تبرک اور دوا استعمال کرنا جائز ہے۔